فقہی رسائل

اور منتخب فتاویٰ کا مجموعہ

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم

مفتی و صدر جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ دار العلوم کراتشی

نوادر الفقہ

فقہی رسائل

اور منتخب فتاویٰ کا مجموعہ

جلد اول

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم

مفتی و صدر جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبہ دارالعلوم کراچی

باہتمام : شرافت علی

طبع جدید : یکم صفر المظفر ۱۴۳۶ھ بمطابق ۲۵/نومبر 2014ء

ملنے کے پتے

مکتبۂ دار العلوم کراچی
(احاطہ جامعہ دار العلوم کراچی)

فون نمبر : 021-35042280

استقبالیہ : 021-35049774-6

ای میل : mdukhi@gmail.com

- ادارۃ المعارف احاطہ جامعہ دار العلوم کراچی
- مکتبہ معارف القرآن احاطہ جامعہ دار العلوم کراچی
- ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
- ادارہ اسلامیات اردو بازار کراچی
- دار الاشاعت اردو بازار کراچی

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ

تعارف

بقلم مولانا عصمت اللہ صاحب
رفیق دارالافتاء واستاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم امابعد:

زیر نظر کتاب جس کا نام ''نوادر الفقہ'' تجویز کیا گیا ہے، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی فقہی تحریرات پر مشتمل ہے، یہ تحریرات دو قسم کی ہیں:

۱...... فتاویٰ

۲...... رسائل و کتب جو مستقل تصانیف ہیں

فتاویٰ میں زیادہ تر وہ فتاویٰ ہیں جو وقتاً فوقتاً دارالعلوم کے ترجمان ماہنامہ ''البلاغ'' میں شائع ہوئے ہیں، ان میں سے بعض اہم فتاویٰ پر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کے دستخط ثبت ہیں، ان میں بہت سارے فتاویٰ نہایت مفصل، مدلل اور جامع ہیں، گویا کہ ایک ایک فتویٰ مستقل ایک رسالہ ہے، گو ان میں سے بعض فتاویٰ مختصر بھی ہیں، ناچیز نے اکثر مفصل فتاویٰ کے شروع میں ان فتاویٰ کا مختصر پس منظر بھی تحریر کر دیا ہے، نیز ہر فتویٰ کے شروع میں اس فتویٰ کی ''البلاغ'' میں تاریخ اشاعت کا بھی ذکر کیا

ہے۔

تحقیقی فتاویٰ میں سے زیادہ تر فتاویٰ اس زمانہ کے تحریر شدہ ہیں جب مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے والد ماجد قدس سرہ حیات تھے اور دارالعلوم کا اہتمام وانتظام انہی کے پاس تھا، نیز اس زمانہ میں دارالعلوم کا دائرہ کار بھی محدود تھا، جس کی وجہ سے حضرت مدظلہم کو تحقیقی کام کے مواقع زیادہ مہیا تھے۔

کتاب کی وجۂ تالیف

ابھی حال ہی میں بندہ بعض اہم مسائل میں اصلاح کے لئے حضرت دامت برکاتہم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تھا، ان مسائل میں سے ایک مسئلہ کا تعلق زکوٰۃ کے نصاب میں تبدیلی سے تھا کہ زکوٰۃ میں چاندی کے بجائے سونے کو معیارِ نصاب بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ آپ نے جب یہ مسئلہ ملاحظہ فرمایا تو کہنے لگے کہ اس موضوع پر میرا بھی فتویٰ لکھا ہوا ہے، اور البلاغ میں بھی چھپا ہے اس کو تلاش کر کے نکالو، اور دونوں کا تقابل کر کے مجھے بھی دکھادو، چنانچہ ناچیز نے تعمیلِ حکم کے طور پر ایسا ہی کیا، اور البلاغ میں چھپے ہوئے فتوے کو ناچیز نے پڑھ کر حضرت کو سنایا جو نہایت مفصل اور مدلل انداز میں تھا، پورا فتویٰ سننے کے بعد آپ نے فرمایا:

''اب یقین نہیں آرہا ہے کہ کسی زمانہ میں ایسے فتوے بھی ہم نے لکھے ہیں''۔

یعنی وہ فرصت وصحت کا زمانہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے ایسے مفصل فتاویٰ لکھوادیئے۔ یہ آپ نے بطور انکساری فرمایا ہے ورنہ آپ کی مختلف اہم دینی وفقہی خدمات تاحال جاری ہیں۔

اس پر بندہ نے حضرت دامت برکاتہم سے یہ سعادت حاصل کرنے کی

درخواست کی کہ ایسے فتاویٰ کو الگ سے ایک کتابی شکل میں شائع کرنا چاہئے، چنانچہ آپ نے درخواست منظور فرمائی اور ان کی اجازت سے بندہ نے البلاغ کے مختلف شماروں سے ان فتاویٰ کو تلاش کر کے یکجا کیا اور ان کے ساتھ حضرت دامت برکاتہم کے بعض دیگر فقہی رسائل و مقالات کو بھی شامل کیا تاکہ یہ فقہی جواہر پارے قارئین کو ایک ہی کتاب میں حاصل ہو جائیں اور وہ ان سے بآسانی فیضیاب ہوسکیں۔

یاد رہے کہ یہ حضرت دامت برکاتہم کے صرف وہ فتاویٰ ہیں جو وقتاً فوقتاً ماہنامہ ''البلاغ'' میں چھپے ہیں یا بعض ملکی و غیر ملکی فقہی سمیناروں کے لئے لکھے گئے تھے، جن میں سے بعض الگ سے شائع بھی ہو چکے ہیں، ورنہ آپ نے ۱۳۸۰ھ سے ۱۴۲۰ھ تک جو فتاویٰ خود تحریر فرمائے ہیں اور جامعہ دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء کے رجسٹروں میں محفوظ ہیں ان کی تعداد تین ہزار چار سو بارہ (۳۴۱۲) ہے، انکے علاوہ جو فتاویٰ آپ کی تصدیق سے ۱۴۲۰ھ تک جاری ہوئے ہیں ان کی تعداد چار ہزار دوسو اڑسٹھ (۴۲۶۸) ہے۔

کچھ مولف دامت برکاتہم کے بارے میں

نام : مفتی اعظم پاکستان
حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم

والد ماجد کا نام : مفتی اعظم پاکستان
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ

تاریخ پیدائش : ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۱ جولائی ۱۹۳۶ء

جائے پیدائش : دیوبند ضلع سہارنپور، یو۔ پی، بھارت

علمی قابلیت:

(۱) حفظ قرآن کریم: نصف قرآن کریم دارالعلوم دیوبند ہندوستان میں حفظ کیا تھا، پھر ۲۰ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۶۷ھ مطابق یکم مئی سنہ ۱۹۴۸ء کو اپنے والد ماجدؒ کے ساتھ پاکستان کی طرف ہجرت فرمائی، اس کے بعد آپ نے حفظ قرآن کریم کی تکمیل پاکستان میں فرمائی۔

(۲) پنجاب یونیورسٹی پاکستان سے سنہ ۱۳۷۸ھ میں ''مولوی عالم'' کا امتحان پاس کیا۔

(۳) سنہ ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۵۹ء میں جامعہ دارالعلوم کراچی سے ''دورہ حدیث'' ''سند الفراغ'' حاصل کی جسے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن اور کراچی یونیورسٹی سمیت پاکستان کی متعدد یونیورسٹیوں نے ایم۔اے اسلامیات، اور ایم۔اے عربی کے مساوی قرار دیا ہوا ہے۔

(۴) سنہ ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۰ء میں جامعہ دارالعلوم کراچی سے ''تخصص فی الافتاء'' کی سند حاصل کی جو پی ایچ ڈی کے برابر ہے۔

حالیہ فرائض، مختلف عہدے اور ذمہ داریاں:

۱۔ جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح مسلم شریف کا درس۔

۲۔ جامعہ دارالعلوم کراچی میں تخصص فی الافتاء کے طلباء کو افتاء کی تربیت۔

۳۔افتاء (یعنی خود فتاوی تحریر کرنا اور دوسرے حضرات کے تحریر کردہ فتاوی کی اصلاح وتصدیق فرمانا)
۴۔جامعہ دارالعلوم کراچی کی صدارت (انتظامی سربراہی)
۵۔رکن کمیشن برائے تعلیم کی اسلامی تشکیل (وزارت تعلیم حکومت پاکستان)
۶۔رکن کمیشن برائے تبدیلی نظام سرمایہ کاری (وفاقی حکومت پاکستان)
۷۔مجمع الفقہ الاسلامی جدہ (او۔آئی۔سی) کی معاونت بطور ماہر شریعت
۸۔رکن مجلس عاملہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان
۹۔رکن مجلس شوریٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان
۱۰۔رکن طریق تدریس کمیٹی وفاق المدارس العربیہ پاکستان
۱۱۔رکن اسلامی مضاربہ کمیٹی، وزارت خزانہ حکومت پاکستان
۱۲۔رکن سنڈیکیٹ کراچی یونیورسٹی
۱۳۔رکن اعلیٰ اختیاراتی کمیشن برائے فرقہ درانہ ہم آہنگی (حکومت پاکستان)
۱۴۔رکن اعلی اختیاراتی کمیٹی برائے فرقہ وارانہ ہم آہنگی۔ (حکومت پاکستان)
۱۵۔رکن مشاورتی بورڈ، وفاقی وزارت داخلہ حکومت پاکستان
۱۶۔رکن مجلس شوریٰ، مجلس صیانۃ المسلمین لاہور

۱۷۔ رئیس (صدر) مجلس منتظمہ برائے جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۸۔ رکن امن کمیٹی برائے صوبہ سندھ (حکومت سندھ)

۱۹۔ صدر ''دارالعلوم جامع مسجد بیت المکرّم و مدرسہ ٹرسٹ'' (رجسٹرڈ) گلشن اقبال کراچی

سابقہ اجتماعی خدمات

۱۔ فتنہ سوشلزم کے مقابلے میں، تحقیقی اور عملی میدانوں میں جدوجہد

۲۔ تحریک قیام پاکستان میں شرکت

۳۔ فتنۂ قادیانت کے مقابلے میں علمی و عملی حصہ

بنیادی مشاغل

آپ کے بنیادی مشاغل تین ہیں:

۱۔ تدریس

۲۔ افتاء

۳۔ جامعہ دارالعلوم کراچی کی انتظامی سربراہی (بحیثیت رئیس الجامعہ)۔

آپ نے جامعہ دارالعلوم کراچی میں سنہ ۱۳۸۰ھ سے سنہ ۱۳۹۰ھ تک درس نظامی کے تمام عربی و دینی علوم وفنون سے متعلق تمام کتابوں کی تدریس کی، پھر ۱۳۹۱ھ سے علم حدیث واصول افتاء کی تدریس اور تربیت افتاء کی خدمات جاری

ہیں۔

سابقہ عہدے اور فرائض

۱۔ رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان
۲۔ رکن سنڈیکیٹ این۔ای۔ ڈی انجینئرنگ یونیورسٹی کراچی
۳۔ رکن ''شریعت ورکنگ گروپ وزرات مذہبی امور'' حکومت پاکستان
۴۔ مشیر شریعت اپیلٹ بنچ، سپریم کورٹ آف پاکستان
۵۔ رکن امتحان کمیٹی وفاق المدارس العربیہ پاکستان
۶۔ رکن نصاب کمیٹی وفاق المدارس العربیہ پاکستان
۷۔ رکن کمیشن اسلامائزیشن آف اکنامکس
۸۔ رکن مرکزی رؤیت ھلال کمیٹی پاکستان
۹۔ رکن مجلس علمی و مجلس شوری متحدہ علماء کونسل
۱۰۔ رکن مؤتمر رسالۃ المسجد رابطۃ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ
۱۱۔ رکن زکوٰۃ کونسل صوبہ سندھ

تصنیفات و تالیفات:

۱. التعليقات النافعة على فتح الملهم (بزبان عربی)
۲. بيع الوفاء، اسے مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے شائع کیا ہے (بزبان عربی)

۳۔ کتابت حدیث عہد رسالت وعہد صحابہ میں
۴۔ علم الصیغہ، یہ فارسی زبان میں علم صرف کی مشہور کتاب کا اردو ترجمہ اور تشریح ہے، جو ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، برطانیہ، امریکہ اور جنوبی افریقہ کے دینی مدارس میں داخل نصاب ہے۔
۵۔ احکام زکوٰۃ
۶۔ علامات قیامت اور نزول مسیح
۷۔ ''یہ تیرے پراسرار بندے'' (جہادِ افغانستان کی بصیرت افروز داستان)
۸۔ مسائل چرم قربانی
۹۔ مسائل صدقہ فطر
۱۰۔ مقدمہ جواہر الفقہ
۱۱۔ فقہ وتصوف۔ ایک تعارف
۱۲۔ حیات مفتی اعظم (یہ والد ماجد قدس اللہ سرہ کی سوانح حیات ہے)
۱۳۔ میرے مرشد حضرت عارفیؒ (حضرت ڈاکٹر عبد الحیؒ صاحب عارفیؒ سے تعلق کی روئداد اور تأثرات)
۱۴۔ دار العلوم کراچی (تعارف)
۱۵۔ یورپ کے تین معاشی نظام ''جاگیرداری، سرمایہ داری، اشتراکیت'' اور ان کا تاریخی پس منظر، اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

١٦۔ اسلامی معیشت اور صنعتی تعلقات (زیر طبع)
١٧۔ الحواشی علی شرح عقود رسم المفتی لابن عابدینؒ (عربی)
١٨۔ ٢٠۔ ضابط لمفطرات الصوم فی المذاهب الاربعة (عربی) جسے مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے جدہ سے شائع کیا ہے۔
١٩۔ الاخذ بالرخص وحکمها (بزبان عربی جسے مجمع الفقہ الاسلامی نے جدہ سے شائع کیا ہے)
٢٠۔ رفیق حج
٢١۔ اصلاحی تقاریر (جلد اول) دس اردو تقریروں کا مجموعہ
٢٢۔ اصلاحی تقاریر (جلد دوم) دس اردو تقریروں کا مجموعہ
٢٣۔ اپنے دشمنوں کو پہچانو!
٢٤۔ دو ملی نظریہ
٢٥۔ دینی جماعتیں اور موجودہ سیاست
٢٦۔ اسلام میں عورت کی حکمرانی
٢٧۔ نوادر الفقہ

غیر ملکی دورے:

آپ نے مختلف دینی اجتماعات، تبلیغی مقاصد، علمی و تحقیقی سیمیناروں اور اسلامی کانفرنسوں کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل ممالک کا سفر فرمایا:

١۔ سعودی عرب۔

۲-جنوبی یمن۔

۳-کویت۔

۴-بحرین۔

۵-دبئی۔

۶-شارجہ۔

۷-ابوظبی۔

۸-عراق۔

۹-افغانستان۔

۱۰-ازبکستان۔

۱۱-بھارت۔

۱۲-بنگلہ دیش۔

۱۳-نیپال۔

۱۴-برما۔

۱۵-تھائی لینڈ۔

۱۶-سنگاپور۔

۱۷-دارالسلام برونائی۔

۱۸-ملائیشیا۔

۱۹-انڈونیشیا۔

۲۰-ہانگ کانگ۔

۲۱-چین۔

۲۲-سنکیانگ۔

۲۳-شمالی امریکہ۔

۲۴-کنیڈا۔

۲۵-باربیڈوز (ویسٹ انڈیز)۔

۲۶-برطانیہ۔

۲۷-فرانس۔

۲۸-جرمنی۔

۲۹-ہالینڈ۔

۳۰-اسپین

۳۱-ترکی۔

۳۲-کینیا۔

۳۳-جنوبی افریقہ۔

۳۴-ماریشس۔

۳۵-ری یونین۔

۳۶-سوئزرلینڈ۔

۳۷-ڈنمارک۔

۳۸-ناروے۔

ان میں سے بہت سے ممالک کا سفر کئی بار ہوا۔

علم حدیث میں آپکے اساتذہ کرام:

۱۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ: ان سے آپ نے مؤطا امام مالک اور شمائل ترمذی پڑھی۔

۲۔ حضرت مولانا اکبر علی سہانپوریؒ: ان سے صحیح مسلم شریف پڑھی۔

۳۔ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ:
ان سے صحیح بخاری شریف پڑھی۔

۴۔ حضرت مولانا سحبان محمود صاحب قدس اللہ سرہ:
ان سے مؤطا امام محمدؒ اور سنن نسائی پڑھی۔

۵۔ حضرت مولانا قاری رعایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ:
ان سے سنن ابوداؤد شریف پڑھی۔

۶۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم:
ان سے جامع ترمذی پڑھی۔

۷۔ سنن ابن ماجہ کا کچھ حصہ حضرت مولانا حقیق صاحبؒ سے پڑھا، لیکن تکمیل حضرت قاری رعایت اللہ صاحبؒ نے کرائی۔

آپ کو روایت حدیث کی اجازت مندرجہ ذیل اکابر علمائے کرام سے حاصل ہے:

۱۔ والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۲۔ فضیلۃ الشیخ محمد حسن بن محمد المشاط المکی المالکی رحمہ اللہ۔
۳۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس سرہ العزیز۔
۴۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ صاحب اعلاء السنن۔
۵۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس اللہ سرہ العزیز
۶۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند (ہندوستان) رحمہ اللہ تعالیٰ۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان

احقر عصمت اللہ عصمہ اللہ
رفیق دارالافتاء
دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴
۲۰/ ۳/ ۱۴۲۱ھ

فقہ اور تصوف

ایک تعارف

عرض ناشر

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ نے خانقاہ تھانہ بھون میں تبلیغی وتربیتی مشاغل میں مصروفیت اور سوالات کی کثرت کے سبب اپنے آخری دورحیات میں دارالافتاء کی ذمہ داری اپنے بھانجے اور ہونہار شاگرد حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمہما اللہ کے سپرد کردی تھی، ان دونوں حضرات کی تحریر کردہ فتاویٰ آٹھ ضخیم جلدوں میں قلمی مسودہ کی شکل میں مرتب ہوئے اور حکیم الامت قدس سرہ نے اس مسودہ کا نام ''امدادالاحکام ضمیمہ امدادالفتاویٰ'' تجویز فرمایا۔ مولانا شبیر علی صاحبؒ دیگر قلمی ومطبوعہ مسودات کے ساتھ یہ مسودہ بھی قیام پاکستان کے وقت اپنے ہمراہ لے آئے تھے اور پورا علمی ذخیرہ دارالعلوم کراچی کے حوالے کردیا تھا۔

امدادالاحکام کی طباعت کا مرحلہ شروع ہوا تو سب سے پہلے فقہی ترتیب کے مطابق تبویب کی ضرورت پیش آئی اور حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی کے زیرنگرانی کئی ایک اصحاب علم نے بڑی خوش اسلوبی سے یہ خدمت انجام دی۔ اس دوران مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی مکمل رہنمائی حاصل رہی اور آپ ہی کے ایماء وارشاد پر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے فقہ کے تعارف کی عرض سے ایک مفصل تحقیقی مقالہ لکھنا شروع کیا۔ اوراس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اس تحقیقی مقالہ کو امدادالاحکام کے مقدمہ کے طور پر

کتاب میں شامل کیا جا سکے گا۔ جس سے امداد الاحکام کے افادۂ علمی میں سہولت کے ساتھ معلومات میں بھی اضافہ ہوگا۔

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ نے مقالہ میں دلائل کے ساتھ اسلام کے عہد اول اور مابعد خیر القرون میں ''فقہ'' کے اطلاق وتحدید کا واضح فرق بیان کرکے ''احسان'' یعنی تصوف کو فقہ کی روح ثابت کیا ہے۔ اوران وجوہ کا ذکر کیا ہے جن کے باعث فقہ اور تصوف دو الگ اور مستقل شعبے شمار کئے جانے لگے اور دونوں کے اصول وفروغ کی تعلیم وتعلّم کے طریقے بظاہر مختلف رنگ میں نظر آنے لگے۔ حالانکہ دونوں کا تعلق جسم اور روح کے اتحاد کا ہے۔ جیسا کہ مشہور حدیث جبرئیل میں بیان کیا گیا اور حدیث میں من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین میں اس کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت کے بعد متاخرین کے نقطہ نظر کے مطابق فقہ سے مراد وہ علم ہے جس میں انسان کے ظاہری اعضاء سے کئے جانے والے ہر کام سے متعلق قرآن، سنت، اجماع قیاس کے تفصیلی دلائل کے ذریعہ یہ جاننا کہ وہ کام فرض ہے یا واجب یا مستحب یا حرام یا مکروہ۔ اس مقالہ میں شامل ادلہ شرعیہ میں سے قرآن، سنت اور اجماع سے متعلق حصہ ''فقہ میں اجماع کا مقام'' کے عنوان سے ادارۃ المعارف کراچی سے رسالہ کی شکل پہلے سے شائع ہورہا ہے اور موضوع کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر اس پورے مقالے کو یکجا الگ کتابی صورت میں شائع کرنے کی سعادت بھی ادارۃ المعارف کراچی کو حاصل ہورہی ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ اپنی گوناگوں مصروفیات میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر ادلہ شرعیہ کے چوتھے جزو ''قیاس'' کو بھی اپنے مخصوص اندازِ تحقیق کے مطابق مرتب کرنے کی طرف متوجہ ہوکر مکمل فرمادیں۔

اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور اجرِ آخرت کا ذریعہ بنادے آمین۔

والسلام

کارکنان ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

فقہ

فقہ کے لغوی معنی:

لغت میں فقہ ''فہم، سمجھداری، اور ذہانت'' کو کہتے ہیں، اور فقیہ ذہین اور سمجھدار شخص کو کہا جاتا ہے [۱]، اور تفقہ فقیہ [۲] ہونے، فقہ حاصل کرنے [۳] اور اس میں غور خوض کرنے کا نام ہے۔

فقہ کے قدیم اصطلاحی معنی:

اسلام کے قرون [۴] اولی کی اصطلاح میں فقہ سے مراد ''پورے دین کی گہری سمجھ'' ہے، یعنی دین کی تمام تعلیمات خواہ ان کا تعلق کسی بھی شعبہ زندگی سے

---

(۱) الصحاح للجوہری، ص ۲۲۴۳ ج ٦

(۲) ردالمختار، ص ۳۸ ج ۱

(۳) الصحاح

(۴) قرون اولیٰ سے مراد عہد رسالت ﷺ اور اس کے بعد تابعین تک کا زمانہ ہے۔

ہو ان کی گہری بصیرت ومہارت کو ''فقہ'' کہا جاتا تھا اور فقیہ اس شخص کو کہتے تھے جو پورے دین کی گہری بصیرت ومہارت رکھتا ہو، اور اپنی پوری زندگی کو دین کے سانچہ میں ڈھال چکا ہو۔

دینی احکام کی قسمیں:

تفصیل اس کی یہ ہے کہ امت کو قرآن وسنت میں جو احکام دیئے گئے ان کی تین قسمیں [1] ہیں:

اول: وہ احکام جن کا تعلق عقائد سے ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور توحید پر ایمان، اللہ تعالیٰ کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان، یوم آخرت اور اچھی بری تقدیر پر ایمان اور ہر قسم کے کفر وشرک سے اجتناب وغیرہ۔

دوم: وہ احکام جن کا تعلق بندے کے ان افعال سے ہے جو جسم کے ظاہری اعضاء مثلاً ہاتھ، پاؤں، کان، ناک، حلق، زبان وغیرہ سے انجام دیئے جاتے ہیں، جیسے نماز، زکوۃ، روزہ، حج، جہاد اور نکاح وطلاق، قسم وکفارہ اور جیسے معیشت وتجارت، سیاست وحکومت، میراث ووصیت، دعویٰ اور قضا وشہادت وجرائم اور ان کی سزائیں اور جیسے سلام وکلام، کھانا پینا، سونا، اٹھنا، نشست وبرخاست، مہمانی ومیزبانی وغیرہ۔

سوم: وہ احکام جن کا تعلق باطنی اخلاق وعادات سے یعنی بندے کے ان اعمال سے ہے جو وہ اپنے باطن اور قلب سے انجام دیتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا، اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اسے یاد رکھنا،

(۱) خلاصہ تسہیل قصد السبیل، ص ٦ اور البحر الرائق، ص ٦ ج ١۔

دنیا سے محبت کم کرنا، اللہ تعالیٰ کی مرضی پر راضی رہنا، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا، عبادت میں دل کا حاضر رکھنا، دین کے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کیلئے نیت کو خالص رکھنا، کسی کو حقیر نہ سمجھنا، خود پسندی سے پرہیز کرنا، صبر کرنا اور غصہ کو ضبط کرنا وغیرہ۔

قرآن وسنت میں ان سب قسموں کا بیان:

چونکہ یہ تینوں قسم کے احکام دین کے لازمی اجزاء، باہم مربوط اور ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں، اس لئے قرآن حکیم نے ان کو الگ الگ قسموں میں بیان کرنے کی بجائے ایک ساتھ ملا جلا کر بیان کیا ہے، یہ نہیں کیا کہ ہر ایک قسم کو دوسری سے ممتاز کرنے کیلئے قرآن شریف کے الگ الگ تین حصے مقرر کر دیئے گئے ہوں اور ہر حصہ میں صرف ایک ہی قسم کے احکام بیان کئے گئے ہوں، بہت سے مقامات پر تو ایک ہی آیت میں تینوں قسم کے احکام حسبِ موقع ذکر فرما دیئے گئے ہیں، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾۔

,,قسم ہے زمانہ کی کہ انسان بڑے خسارہ میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے کی تلقین کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے،،

اس میں ,,ایمان،، کا تعلق قسم اول سے ''اچھے کام'' کا تعلق قسم دوم سے ''حق پر قائم رہنے'' کا تعلق قسم سوم سے ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں یہ تینوں قسموں کے احکام ملے جلے تھے، جو آپ ؐ نے حسب ضرورت صحابہ کرام ؓ کو تعلیم فرمائے، بسا اوقات ایک ہی حدیث میں کچھ احکام عقائد سے متعلق ہوتے ہیں، کچھ ظاہری اعمال سے، اور کچھ باطنی اخلاق و عادات یعنی اعمالِ قلب سے۔

دین اُن تینوں قسموں کے احکام کو بجالانے کا نام ہے، چنانچہ صحیح مسلم شریف کی سب سے پہلی حدیث میں جو ''حدیث جبریل'' کے نام سے معروف ہے آپ ؐ نے ان تینوں پر عمل کو ''دین'' قرار دیا ہے۔

پس ان میں سے کسی قسم کے احکام کو نظر انداز کر دینے سے دین مکمل نہیں سکتا، اور انہی تینوں قسم کے احکام میں گہری بصیرت و مہارت کو قرون اولیٰ میں ''فقہ'' کہا جاتا تھا۔

فقہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک:

اسی لئے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جو (۱) تابعین کے آخری دور سے تعلق رکھتے ہیں فقہ کی تعریف یہ کی ہے کہ:

هو معرفة النفس مالها (۲) وما عليها

''یعنی فقہ ان امور کی بصیرت کا نام ہے جو بندے کیلئے جائز یا ناجائز ہیں''۔

یہ تعریف علم دین کی تینوں اقسام کو شامل ہے، چنانچہ امام صاحب موصوفؒ نے جو کتاب عقائد پر تصنیف فرمائی اس کا نام ''الفقه الاكبر'' رکھا تھا جس سے

---

(۱) جامع بیان العلم لابن عبدالبر المالکیؒ۔

(۲) التوضیح، ص ۱۰ ج اول (مطبوعۃ مصر) اور البحر الرائق ص ۶ ج ۱۔

معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی علم عقائد فقہ ہی کا ایک اہم ترین شعبہ تھا۔
خلاصہ یہ کہ متقدمین کی اصطلاح میں پورے دین کی گہری بصیرت ومہارت کو ''فقہ'' کہا جاتا تھا، اور ''فقیہ'' اس شخص کو کہتے تھے جو پورے دین کی گہری بصیرت ومہارت رکھتا ہو، اور اپنی پوری زندگی اس کے سانچہ میں ڈھال چکا ہو۔

فقہ حضرت حسن بصریؒ کے نزدیک:

مشہور تابعی اور فقیہ حسن بصریؒ سے ایک صاحب نے کہا کہ فلاں مسئلہ میں فقہاء آپ کے خلاف کہتے ہیں، تو آپ نے فرمایا[1]:

وهل رايت فقيهابعينك؟ انما الفقيه الزاهد فى الدنيا الراغب فى الاخرة البصير بدينه المداوم على عبادة ربه الورع الكاف عن اعراض المسلمين العفيف عن اموالهم الناصح لجماعتهم.

''تم نے آنکھ سے کبھی کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے۔ فقیہ تو وہ ہوتا ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو آخرت کا طلب گار ہو، اپنے دین کی بصیرت رکھتا ہو، اپنے رب کی عبادت میں لگا رہے، متقی ہو، مسلمانوں کی عزت وآبرو (کو نقصان پہچانے) سے پرہیز کرتا ہو، ان کے مال ودولت سے بے تعلق ہو، اور جماعت مسلمین کا خیر خواہ ہو۔''

معلوم ہوا کہ ''فقیہ'' ہونے کیلئے تمام دینی احکام کا محض علم ''دانستن'' کافی نہ تھا بلکہ اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنا بھی فقیہ کی تعریف میں شامل تھا، جس کے بغیر کوئی خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہو ''فقیہ'' کہلانے کا مستحق نہ سمجھا جاتا تھا۔

(۱) ردالمختار، ص ۳۵، ج۱، ومرقاۃ شرح مشکوۃ، ص ۲۶۷ ج۱۔

احادیث میں فقہ اور فقیہ کے جو فضائل آئے ہیں وہ اسی قدیم معنی کے فقہ اور فقیہ سے متعلق ہیں، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

(من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین)

''جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کا فقہ (سمجھ) عطا فرمادیتا ہے''

اس میں دین کے کسی شعبہ کی تخصیص نہیں کی گئی، بلکہ علم دین کی تینوں اقسام کی فضیلت بیان کی گئی ہے، لہٰذا یہ سمجھنا صحیح نہ ہوگا کہ احادیث میں فقہ اور فقیہ کے فضائل صرف اسی جدید اصطلاحی معنی کے ساتھ خاص ہیں جو اب معروف ہیں، اور جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

مسائل کی کثرت اور مباحث کا پھیلاؤ

قرآن وسنت میں ہر زمانہ اور ہر مقام میں پیدا ہونے والے تمام مسائل کا حکم الگ الگ صریح طور پر بیان نہیں کیا گیا، فردعی اور جزئی احکام وہی بیان کئے گئے ہیں جن کی عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ضرورت تھی، البتہ ایسے اصولی احکام بیان کردیئے گئے ہیں جو قیامت تک کی ضرورت کیلئے کافی ہیں، اور ان اصولوں کی روشنی میں ہر زمانہ اور ہر حالت کے فروعی احکام مستنبط کئے جا سکتے ہیں۔

عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب اسلام کی فتوحات دنیا میں پھیلیں، بڑے بڑے متمدن ممالک اسلام کے زیر حکومت آئے، دوسری قوموں کے بے شمار لوگ اسلام میں داخل ہوئے، مسلمانوں کو مختلف تہذیبوں سے واسطہ پڑا، نئی نئی چیزیں ایجاد ہوئیں، اور نت نئے حالات ونظریات سامنے آئے تو ہر زمانہ کے فقہاء مجتہدین نے ان کے شرعی احکام قرآن وسنت ہی کے ابدی اصولوں سے

مستنبط کئے، اور امت کو بتائے، اس طرح ہر زمانہ میں قرآن وسنت سے حاصل کئے ہوئے جزئی اور فروعی احکام میں اضافہ ہوتا رہا۔

چونکہ قرآن وسنت سے نئے مسائل کا حکم معلوم کرنے اور اس کے طریق کار میں فقہاء کا بہت سے مواقع میں اختلاف رائے بھی ہوا، جو شرعی دلائل پر مبنی ہوتا تھا، اور عقل ودیانت کی رو سے ناگزیر تھا، اس لئے ہر حکم کے شرعی دلائل کو بھی خوب خوب واضح کرنا پڑا، اس طرح تینوں قسم کے احکام ومسائل میں دلائل اور متعلقہ مباحث کا اضافہ بھی قرآن وسنت کے ہی بیان کردہ اصولوں کی بنیاد پر ہوتا رہا، اور علم دین کا نہایت قیمتی ذخیرہ جمع ہوتا گیا، جسے منضبط کرنا بعد کے لئے لوگوں کے آسان نہ تھا۔

ترتیب وتدوین:

اب ضرورت ہوئی کہ تمام دینی احکام کو دلائل اور متعلقہ مباحث کے ساتھ مرتب اور مدون کردیا جائے، تاکہ بعد کی نسلوں میں ان کی تعلیم وتدریس آسان ہو یہ کارنامہ متاخرین یعنی تابعین کے بعد آنے والے علماء کرام نے انجام دیا۔

دینی احکام کی تقسیم تین الگ الگ فنون کی حیثیت سے:

ان حضرات نے سہولت پیدا کرنے کیلئے دینی احکام کی تینوں قسموں کو ایک دوسرے سے ممتاز کرکے الگ الگ مرتب کیا، اور کچھ بزرگوں نے باطنی اعمال کے احکام اور متعلقہ مباحث پر مشتمل کتابیں تصنیف کیں، کچھ علماء نے صرف ظاہری اعمال کے احکام اور متعلقہ مباحث کو اپنی کتابوں میں مرتب کیا، اور کچھ بزرگوں نے باطنی اعمال کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا، اور اس کے احکام ومباحث کو

اپنی کتابوں میں جمع کیا، اس طرح رفتہ رفتہ دینی احکام کی یہ تینوں قسمیں الگ الگ علم وفن کی حیثیت اختیار کر گئیں، یعنی علم فقہ تین علوم میں تقسیم ہو گیا، اور ہر علم کا الگ نام رکھ دیا گیا۔

علم کلام، فقہ، تصوف

عقائد اور متعلقہ تفصیلات ومباحث کے علم کا نام ''علم کلام'' رکھ دیا گیا، اعمال ظاہرہ، نماز، روزہ، نکاح وطلاق، تجارت وسیاست اور معاشرت وغیرہ کے احکام ودلائل کے علم کا نام ''فقہ'' رکھ دیا گیا اور اعمال باطنہ، تقوی وتوکل، اخلاص وتواضع، صبر وشکر اور زہد وقناعت وغیرہ کی بصیرت ومہارت کو ''تصوف'' اور ''سلوک'' اور ''طریقت''[1] کہا جانے لگا۔

فقہ کی جدید اصطلاحی تعریف:

اس تقسیم میں دینی احکام کی دو قسمیں چونکہ فقہ سے الگ کر دی گئیں، لہٰذا فقہ کا موضوع اور دائرہ کار نسبتاً کافی محدود ہو گیا اسی وجہ سے متاخرین کو ایک مستقل علم وفن کی حیثیت سے فقہ کی تعریف بھی از سر نو کرنی پڑی، اب ''فقہ'' کی اصطلاحی تعریف یہ ہو گئی کہ:

''فقہ ظاہری اعمال کے متعلق تمام احکام شرعیہ کا علم ہے جو ان کے تفصیلی دلائل سے حاصل کیا جائے[2]۔''

---

(۱) البحر الرائق ص ۶ ج اول، والتوضیح مع التلویح ص ۱۱ ج اول (مطبوعہ مصر) ورد المحتار، ص ۳۴ ج ۱ (نسخہ استنبول)

(۲) عربی میں تعریف کے الفاظ یہ ہیں: ''هو العلم بالاحكام الشرعية العملية المكتسب من ادلتها التفصيلية''، فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ اس تعریف کے لفظ (باقی اگلے صفحہ میں)

جدید اصطلاح کے اعتبار سے یہ فقہ کی نہایت جامع، مانع اور مکمل تعریف ہے، اور اب فقہ کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے، اسے پوری طرح سمجھنے اور سمجھانے کیلئے فقہائے کرام نے اپنی عادت کے مطابق نہایت باریک بینی اور خوب تفصیل سے کام لیا ہے کئی کئی صفحات میں اس کے ایک ایک لفظ کی تشریح اس طرح فرمائی ہے کہ کوئی پہلو تشنہ نہیں رہتا، یہاں اس تعریف کے اہم حصوں کی تشریح کی جاتی ہے۔

تشریح

ظاہری اعمال:

سے مراد وہ اچھے یا برے کام ہیں جو بدن کے ظاہری اعضاء، مثلاً ہاتھ پاؤں، کان، ناک، حلق وغیرہ سے انجام دیئے جاتے ہیں، جیسے، نماز، روزہ، زکوۃ، حج، تلاوت، کھانا، پینا، سننا، سونگھنا، چھونا، پہنا، زنا، چوری وغیرہ۔

"ظاہری اعمال" کے لفظ سے فقہ کو تصوف اور علم کلام سے ممتاز کرنا مقصود ہے، کیونکہ علم کلام میں عقائد کا بیان ہوتا ہے، اور تصوف میں باطنی اعمال کا، برخلاف فقہ کے کہ اس میں صرف ظاہری اعمال کے احکام بتائے جاتے ہیں، اس میں اگر کہیں عقائد یا باطنی اعمال کا ذکر آتا بھی ہے تو ضمناً آتا ہے، اصل مقصود ظاہری اعمال کا بیان ہوتا ہے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) "العملیۃ" میں اعمال سے مراد "ظاہری اعمال" ہیں: اسی لئے احقر نے اردو میں لفظ "ظاہری" کو صریح طور پر ذکر کیا ہے، تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو التوضیح مع التلویح ص ۱ تا ۱۹ ج ۱، اور البحر الرائق ص ۳ تا ص ۶ مع حاشیہ منحۃ الخالق، وتسہیل الوصول، ص ۳ تا ص ۱۰ اور رد المحتار مع الدر المختار، ص ۴ تا ص ۳۶، ج ۱۔

احکام شرعیہ کا علم:

''احکام'' حکم کی جمع ہے، اور ''شرعیہ'' شریعت کی طرف منسوب ہے، ''احکام شرعیہ'' ان احکام کو کہا جاتا ہے جو شریعت کی طرف منسوب یعنی شریعت سے ماخوذ ہوں، تفصیل اس کی یہ ہے کہ شریعت میں انسان کے سب کاموں کی کچھ صفات مقرر کر دی گئی ہیں، جو کل سات ہیں، فرض، واجب، مندوب، (مستحب) مباح[1] حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، ان صفات کو ''احکام شرعیہ'' کہا جاتا ہے، انسان کے ہر کام کیلئے ان میں سے کوئی نہ کوئی حکم شرعی ضرور مقرر ہے، یعنی بندے کا ہر عمل شریعت کی رو سے یا فرض ہے یا واجب یا مندوب یا مباح، یا حرام یا مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی، پس ہر اچھے برے کام کے متعلق یہ جاننا کہ اس پر شریعت نے ان میں سے کونسا حکم لگایا ہے، ''احکام شرعیہ کا علم'' ہے، مثلاً یہ جاننا کہ زکوۃ فرض ہے، سلام کا جواب دینا واجب ہے، کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا مندوب (مستحب) ہے، ریل میں سفر کرنا مباح (جائز) ہے، چوری حرام ہے، بازار میں جب عام اشیاء ضرورت کی قلت ہو تو ان کی ذخیرہ اندوزی مکروہ تحریمی ہے، کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے، اسی طرح تمام اعمال کے متعلق ان کا الگ الگ شرعی حکم جاننا ''احکام شرعیہ کا علم'' ہے، احکام اگرچہ صرف سات ہیں، مگر انسان کے اعمال بے شمار ہیں، اور ہر عمل کے لئے ان سات میں ایک حکم مقرر ہے، اس لئے اعمال کی نسبت سے شریعت کے احکام بھی بے شمار ہو جاتے ہیں۔

---

(۱) مباح وہ عمل ہے جس کے کرنے میں کوئی ثواب نہیں، اور ترک کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ (رفیع)

تفصیلی دلائل:

''دلائل'' دلیل کی جمع ہے، یہاں احکام شرعیہ کی دلیلیں مراد ہیں، علم کبھی دلیل سے حاصل ہوتا ہے کبھی بغیر دلیل کے، احکام شرعیہ کا علم اگر دلائل کے بغیر ہو۔ جیسے بہت سے لوگوں کو ہزار ہا شرعی احکام کا علم فقہاء سے سن کر یا ان کی کتابوں میں پڑھ کر حاصل ہو جاتا ہے۔ تو وہ فقہ نہیں، فقہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ علم احکام شرعیہ کے تفصیلی دلائل سے حاصل کیا گیا ہو، عوام کو بلکہ بہت سے علماء کو بھی ''فقیہ'' اسی لئے نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے یہ علم ''احکام شرعیہ کے دلائل'' سے مستنبط نہیں کیا۔

''احکام شرعیہ کے دلائل'' صرف چار ہیں، (۱) قرآن، (۲) سنت، (۳) اجماع، (۴) قیاس، ہر عمل کا حکم شرعی انہی چار میں سے کسی نہ کسی دلیل سے ثابت ہوتا ہے، یعنی انسان کے کسی بھی عمل کے متعلق یہ بات کہ وہ فرض ہے، یا واجب، یا مندوب یا مباح، یا حرام یا مکروہ، ثابت کرنے کا ذریعہ یا تو قرآن حکیم ہے یا سنت نبویہ ﷺ، یا اجماع یا قیاس، ان کے علاوہ حکم شرعی ثابت یا مستنبط کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں، ان چاروں دلائل کا تعارف آگے آئے گا۔

فقہ کی تعریف میں ''دلائل'' کی قید لگا کر یہ بتانا مقصود ہے کہ کسی فقیہ مجتہد کے علم وتقوی پر اعتماد کر کے اس کی تقلید کرنے والے عوام یا علماء کو جو احکام شرعیہ کا علم ہوتا ہے ان کے اس علم کو فقہ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ انہوں نے یہ علم قرآن، سنت، اجماع یا قیاس سے خود مستنبط نہیں کیا، بلکہ جس امام مجتہد کی وہ تقلید کرتے ہیں اس کے بتانے سے حاصل ہوا ہے، حالانکہ فقہ شرعی احکام کے صرف اسی علم کو کہا جاتا ہے جو احکام شرعیہ کے دلائل سے حاصل کیا جائے۔

یہاں قارئین کرام کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہوگا کہ عوام کے حق میں تو یہ بات درست ہے، کیونکہ انہیں دلائل معلوم نہیں ہوتے، مگر علماء اگر چہ کسی امام مجتہد کی تقلید کرتے ہوں، مگر انہیں تو احکام شرعیہ کے دلائل بھی معلوم ہوتے ہیں، لہٰذا انہیں تو فقیہ اور ان کے علم کو فقہ کہنا چاہئے۔

جواب یہ ہے کہ احکام شرعیہ مع ان کے دلائل کے جاننا اور چیز ہے، اور دلائل سے احکام شرعیہ کو معلوم کرنا یعنی مستنبط کرنا بالکل دوسری چیز، تقلید کرنے والے علماء کرام کو احکام شرعیہ کا علم دلائل کے ساتھ تو معلوم ہوتا ہے، مگر دلائل سے حاصل کیا نہیں ہوتا، یعنی احکام شرعیہ کا علم تو انہیں صرف امام مجتہد کے قول سے حاصل ہوتا ہے، پھر وہ تحقیق کرتے ہیں کہ ان کے امام نے یہ حکم کس دلیل شرعی سے حاصل کیا ہے تو احکام کے بعد دلائل کا علم بھی حاصل کر لیتے ہیں، یہ نہیں ہوتا کہ احکام شرعیہ کو خود انہوں نے قرآن وسنت یا اجماع وقیاس سے مستنبط کیا ہو برخلاف مجتہد کے کہ وہ براہ راست ان چاروں دلائل سے احکام کو مستنبط اور معلوم کرتا ہے، یعنی وہ دلائل کو پہلے سمجھتا ہے اور پھر گہرے غور وخوض کے بعد یہ معلوم کرتا ہے کہ ان سے کیا کیا شرعی احکام ثابت ہوئے، اور عالم مقلد پہلے احکام معلوم کرتا ہے پھر دلائل کی تحقیق کرتا ہے، لہٰذا عالم مقلد کو حقیقتاً فقیہ نہیں کہہ سکتے۔

اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ فقیہ درحقیقت صرف مجتہد ہی کو کہہ سکتے ہیں، غیر مجتہد کو خواہ ہزارہا احکام شرعیہ مع ان کے دلائل کے معلوم ہوں تب بھی وہ فقیہ نہیں، یہ اور بات ہے کہ عرف عام میں ایسے عالم مقلد کو بھی ''فقیہ'' کہہ دیتے ہیں، مگر یہ کہنا مجازاً ہے حقیقتاً اور اصطلاحاً وہ فقیہ نہیں [1]۔

---

(۱) ردالمحتار، ص ۳۵ ج اول، نسخہ استنبول، والبحر الرائق، ص ۷ ج اول۔

تعریف میں ''دلائل'' کے ساتھ ''تفصیل'' کی قید بھی لگی ہوئی ہے، کیونکہ دلیل کی دو قسمیں ہیں، اجمالی اور تفصیلی، ''دلیل اجمالی'' مبہم اور نامکمل دلیل کو کہتے ہیں، مثلاً ''نماز قائم کرنا فرض ہے'' یہ ایک حکم شرعی ہے، اس کی دلیل کے طور پر صرف اتنا معلوم کرلیا جائے کہ ''یہ حکم قرآن شریف سے ثابت ہے''۔ وہ آیت اور لفظ متعین نہ کیا جائے جس سے یہ حکم ثابت ہوا ہے نہ یہ تحقیق کی جائے کہ اس لفظ کے معنی کیا ہیں، اور فرضیت اس سے کیونکر ثابت ہوتی، نہ یہ تحقیق کی جائے کہ فرضیت صلوۃ کے خلاف کوئی اور آیت یا حدیث مشہور تو موجود نہیں، ظاہر ہے کہ ایسی نامکمل اور مبہم دلیل سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوسکتا، اور ایسی دلیل سے بالفرض کوئی علم حاصل ہو بھی تو اسے ''فقہ'' نہیں کہا جاسکتا۔ اور ''دلیل تفصیلی'' وہ ہے جس میں مذکورہ بالا تفصیل بدرجہ اتم موجود ہو، مثلاً فرضیت صلوۃ کی دلیل یوں بیان[1] کی جائے کہ۔

''قرآن حکیم کے ارشاد ''اقیموا الصلوۃ'' کے معنی ہیں ''نماز قائم کرو'' اس میں لوگوں سے نماز قائم کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، اور جس کا مطالبہ قرآن حکیم میں کیا گیا ہو وہ فرض ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ مطالبہ منسوخ نہ ہوا ہو، اور فرضیت کے منافی کوئی اور آیت یا حدیث موجود نہ ہو، اور اس ارشاد قرآنی کا یہی حال ہے کہ نہ اس کے منسوخ ہونے کی کوئی دلیل ہے، نہ فرضیت صلوۃ کے منافی کوئی آیت پورے قرآن شریف میں موجود ہے، نہ کوئی حدیث مشہور پورے ذخیرہ احادیث میں اس کے منافی موجود ہے، لہٰذا نماز قائم کرنا فرض ہے''۔

''دلائل'' کے ساتھ ''تفصیلی'' کی قید لگا کر یہی بتانا مقصود ہے کہ ظاہری اعمال کے متعلق احکام شرعیہ کے صرف اسی علم کو ''فقہ'' کہا جائیگا جو احکام شرعیہ

(۱) تسہیل الوصول، ص ۷۔

کے تفصیلی دلائل سے حاصل کیا جائے "اجمالی دلائل" سے اول تو علم حاصل ہوتا نہیں، اگر حاصل ہونا فرض کرلیا جائے تب بھی وہ فقہ نہیں۔

تعریف وتشریح کا حاصل:

فقہ کی تعریف تو مختصر تھی، تشریح میں بہت سی دقیق بحثوں کو چھوڑنے اور اختصار کی حتی الامکان کوشش کے باوجود تشریح خاصی طویل ہوگئی ہے، مجبوری یہ تھی کہ فقہ کی تعریف کو ضروری حد تک سمجھنا اس کے بغیر ممکن نہ تھا، بہرحال اب فقہ کی تعریف وتشریح کا حاصل یہ نکل آیا کہ:

"بندے کے ظاہری اعضاء سے ہونے والے ہر کام کے متعلق قرآن، سنت، اجماع یا قیاس کے مفصل دلائل کے ذریعہ یہ جاننے کو فقہ کہا جاتا ہے کہ، وہ کام فرض ہے یا واجب یا مستحب یا حرام یا مکروہ (تحریمی یا تنزیہی)"۔

فقہ کا موضوع:

کسی علم میں جس چیز کے حالات وصفات سے بحث کی جاتی ہے، وہی چیز اس علم کا موضوع ہوتی ہے، اور بحث کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان حالات و صفات کو موضوع کیلئے ثابت کیا جاتا ہے۔

علم طب میں بدن انسانی کے ان حالات سے بحث کی جاتی ہے جن کا تعلق اس کی صحت و بیماری سے ہے، اس لحاظ سے علم بدن کا موضوع انسانی بدن ہے۔

اسی طرح فقہ میں چونکہ انسان کے ظاہری افعال کی کچھ صفات (احکام شرعیہ) سے بحث کی جاتی ہے، لہٰذا فقہ کا موضوع انسان کا ظاہری افعال ہیں[1] یعنی

---

(۱) ردالمحتار، ص ۳۴، ۳۵، ۳۶ ج اول (البحر الرائق ص ۷ ج اول)۔

انسان[1]، کے صرف ظاہری افعال کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ ان کے احکام کیا ہیں۔

غرض فقہ کی جدید اصطلاحی تعریف کی رو سے نہ عقائد فقہ کا موضوع ہیں نہ باطنی اعمال و اخلاق بلکہ عقائد علم کلام کا موضوع ہیں اور باطنی اعمال و اخلاق تصوف کا، فقہ کا موضوع انسان کے صرف ظاہری افعال ہیں۔

قدیم اصطلاحی فقہ کا موضوع:

مگر ظاہر ہے کہ یہ سب تفصیل فقہ کا جدید اصطلاحی تعریف کی بنیاد پر ہے، جس میں عقائد اور تصوف کا فقہ سے الگ کر دیا گیا ہے، ورنہ جہاں تک قدیم اصطلاحی فقہ (پورے دین کی بصیرت و مہارت) کا تعلق ہے، اس میں نہ عقائد و اعمال کی تفریق ہے نہ ظاہر و باطن کی، عقائد ہوں یا اعمال، اعمال بھی ظاہر کے ہوں یا باطن کے، سب ہی میں شریعت کے احکام کو بجالانا دین ہے، اور ان سب کے شرعی احکام کو دلیل سے جاننا علم دین، اسی علم دین کو قرآن وسنت میں ''فقہ'' اور ''تفقہ فی الدین'' کا نام دیا گیا ہے، اور اس کا موضوع صرف ظاہری اعمال نہیں بلکہ عقائد اور تمام ظاہری و باطنی اعمال اس کا موضوع ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ جدید اصطلاحی فقہ پورا علم دین نہیں بلکہ علم دین کا تہائی حصہ ہے، اور یہ تہائی بھی عقائد اور تصوف کی مدد کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، جیسا کہ اگلے

---

(۱) یہاں انسان سے صرف عاقل، بالغ مراد ہے، مجنون یا نابالغ پر چونکہ شرعی احکام کی ذمہ داریاں نہیں، لہٰذا ان کے اعمال فقہ کا موضوع نہیں، یعنی ان کے کسی فعل کو فرض، واجب یا حرام و مکروہ نہیں کہہ سکتے، اور فقہ میں جو مسائل مجنون یا نابالغ کے افعال سے متعلق ذکر کئے جاتے ہیں ان کا مقصد صرف یہ بتانا ہوتا ہے کہ ان افعال کی بناء پر اس کے ولی اور سرپرست کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔

مباحث سے معلوم ہوگا۔

تفقہ فی الدین فرض کفایہ ہے:

پورا علم دین قدیم اصطلاحی فقہ ہے، جسے قرآن حکیم نے "تفقه فی الدین" پورے دین کی سمجھ بوجھ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، اور فرض [۱] کفایہ قرار دیا ہے، ارشاد ہے۔

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ﴾

(توبہ : ۱۲۲)

"ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ مسلمانوں کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے، تاکہ باقی ماندہ لوگ "دین کی سمجھ" حاصل کرتے رہیں"

حضرت ابن عباسؓ کیلئے جس فقہ کی دعا رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی کہ:

(اللهم فقهه فی الدین [۲])

"اے اللہ ان کو دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما"

وہ بھی یہی "تفقہ فی الدین" ہے، جس کی وسعت دین کی تینوں شاخوں عقائد، تصوف اور "جدید اصطلاحی فقہ" کو سمیٹے ہوئے ہے، دور تابعین تک فقہ کا لفظ اسی وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا تھا، بعد میں متاخرین نے محض درس وتدریس وغیرہ میں سہولت کیلئے دین کی ان تینوں شاخوں کو الگ الگ مرتب اور مدون کرکے ہر شاخ کا الگ الگ نام رکھ دیا، جس کے نتیجہ میں ہر شاخ کی تعریف بھی الگ الگ کرنی پڑی، چنانچہ اس مضمون میں بھی آگے لفظ "فقہ" اسی دوسرے

(۱) تفسیر معارف القرآن ص ۴۸۹ ج ۴۔

(۲) صحیح بخاری، ص ۲۶ ج اول، باب وضع الماء عند الخلاء، کتاب الوضوء۔

معنی میں استعمال ہوگا، جو متاخرین کی اصطلاح ہے۔

تصوف کی حقیقت:

تصوف بھی چونکہ دین کا ایسا ہی اہم شعبہ ہے جیسا فقہ، اور دونوں میں ربط اتنا گہرا ہے کہ فقہ پر عمل تصوف کے بغیر اور تصوف پر عمل فقہ کے بغیر ممکن نہیں، جیسا کہ آگے معلوم ہوگا، بلکہ جو فقہ قرآن وسنت کا مطلوب ہے وہ تو تصوف کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوتا، اس لئے یہاں تصوف کی حقیقت کا مختصر بیان بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، اس کے بغیر درحقیقت فقہ کا تعارف بھی تشنہ ہی رہے گا۔

تصوف کے کئی نام ہیں، علم القلب، علم الاخلاق، احسان، سلوک اور طریقت، یہ سب ایک ہی چیز کے کئی نام ہیں، قرآن وسنت میں اس کیلئے زیادہ تر ''احسان'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور ہمارے زمانہ میں لفظ ''تصوف'' زیادہ مشہور ہوگیا ہے، بہرحال حقیقت ان سب کی ایک ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہمارے بہت سے افعال جس طرح ہمارے ظاہری اعضاء سے انجام پاتے ہیں، اسی طرح بہت سے اعمال ہمارا قلب انجام دیتا ہے، جن کو ''اعمال باطنہ'' کہا جاتا ہے جس طرح ہمارے ظاہری افعال شریعت کی نظر میں کچھ اچھے فرض و واجب ہیں، اور کچھ ناپسندیدہ اور حرام ومکروہ،

.... اسی طرح باطنی اعمال قرآن وسنت کی نظر میں کچھ پسندیدہ اور فرض و واجب ہیں، جیسے تقویٰ، اللہ کی محبت، اخلاص، توکل، صبر وشکر، تواضع، قناعت، حلم، سخاوت، حیاء، رحم دلی وغیرہ، ان باطنی پسندیدہ اخلاق کو ''فضائل'' اور ''اخلاق حمیدہ'' کہا جاتا ہے، اور کچھ باطنی اعمال برے اور حرام ہیں [1]، جیسے تکبر، عجب، غرور، ریاء، حبِ مال، حبِ جاہ، بخل، بزدلی، لالچ، دشمنی،

(۱) ردالمحتار مع الدر المختار، ص ۴۰ جلد اول۔

حسد کینہ، سنگدلی، اور بے رحم یا حد سے زیادہ غصہ وغیرہ، ان کو ''رذائل'' یا اخلاق رذیلہ'' کہا جاتا ہے۔

''فضائل'' اور ''رذائل'' دونوں کا تمام تر تعلق قلبی احوال اور نفس کی اندرونی کیفیتوں سے ہے مگر ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے یہی قلبی احوال اور اندرونی کیفیتیں درحقیقت ہمارے تمام ظاہری افعال کی بنیاد اور احساس ہیں، ظاہری اعضاء سے ہم اچھا یا برا جو کام بھی کرتے ہیں، درحقیقت وہ انہی باطنی ''فضائل یا رذائل'' کا نتیجہ ہوتا ہے۔

مثلاً تقویٰ (خوف خدا) اور اللہ کی محبت، یہ قلب کی اندرونی کیفیتیں ہیں، مگر ان کا اثر ہمارے تمام ظاہری اعمال پر پڑتا ہے، ہماری ہر عبادت روزہ نماز وغیرہ انہی دو باطنی اخلاق کی پیداوار ہے، ہم نفسانی اور شیطانی تقاضوں کے باوجود اگر بدنظری، لڑائی جھگڑے اور جھوٹ، وغیرہ گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں، تو اس اجتناب کا اصل محرک بھی یہی تقوی اور اللہ کی محبت ہے۔

اسی طرح ظاہری اعضاء سے ہم جو گناہ بھی کرتے ہیں اس کا سبب بھی کوئی نہ کوئی باطنی خصلت ہوتی ہے، مثلاً مال کی محبت یا جاہ پسندی یا عداوت یا حسد یا غصہ یا آرام طلبی یا تکبر وغیرہ۔

تمام ظاہری اعمال کا حسن وقبح اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا مقبول یا مردود ہونا بھی ہمارے باطنی اخلاق پر موقوف ہے، مثلاً اخلاص وریا یہ قلب ہی کے متضاد اعمال ہیں، مگر ہمارے تمام ظاہری اعمال کا حسن وقبح اُن سے وابستہ ہے، کوئی بھی عبادت نماز، حج وغیرہ جو محض ریاء کے طور پر دنیا کی شہرت حاصل کرنے کیلئے کی جائے عبادت نہیں رہتی، اور تجارت ومزدوری جو اپنی اصل کے اعتبار سے دنیاداری کا کام ہے مگر حکم خداوندی کی تعمیل میں اللہ کی رضا کی نیت سے کی جائے

تو یہی تجارت و مزدوری باعث اجر و ثواب اور عبادت بن جاتی ہے، یہ ریا اور اخلاص ہی کا کرشمہ ہے کہ جس نے عبادت کو دنیاداری اور دنیاداری کو اللہ کی عبادت بنادیا ہے، یہی مطلب ہے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا کہ:

انما الاعمال بالنیات[۱]،

''تمام اعمال کا ثواب نیتوں پر موقوف ہے۔''

تقریباً یہی حال تمام باطنی ''فضائل و رذائل'' کا ہے کہ ہمارے ظاہری اعمال کے حسن و قبح، رد و قبول اور اجر و ثواب، بلکہ بہت سے اعمال کا وجود بھی انہی کا رہین منت ہے، یہی وہ حقیقت ہے جس کی نشاندہی رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں فرمائی[۲] ہے کہ:

الا ان فی الجسد مضغة ، اذا صلحت صلح الجسد کله، واذا فسدت فسد الجسد کله، الاوھی القلب،

''ہوشیار رہو کہ بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ایسا ہے کہ جب وہ درست ہوتو سارا بدن درست ہوتا ہے، اور وہ خراب ہوتو سارا بدن خراب ہوجاتا ہے، ہوشیار رہو کہ وہ دل ہے۔''

اسی لئے تمام علماء و فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ''رذائل'' سے بچنا اور ''فضائل'' کو حاصل کرنا ہر عاقل، بالغ پر فرض ہے[۳] یہی فریضہ ہے جس کو اصلاحِ نفس یا تزکیہ نفس اور تزکیہ اخلاق یا تہذیبِ اخلاق کہا جاتا ہے، اور یہی تصوف کا

---

(۱) یہ مشکوۃ شریف کی سب سے پہلی حدیث ہے۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الایمان ''باب من استبراء لدینه، وصحیح مسلم باب اخذ الحلال و ترک الشبهات''.

(۳) ردالمحتار مع الدرالمختار، ص۳۰ ج اول۔

حاصل (۱) ومقصود ہے۔

دل کی پاکی، روح کی صفائی اور نفس کی طہارت ہر مذہب کی جان اور نبوتوں کا مقصود رہا ہے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے جو چار مقاصد قرآن حکیم میں بتائے گئے ان میں دوسرا یہ ہے کہ:

﴿وَيُزَكِّيهِمْ﴾ (بقرہ، آل عمران، جمعہ)

''آپ مسلمانوں (کے اخلاق و اعمال) کا تزکیہ فرماتے رہیں''

قرآن نے ہر انسان کی کامیابی و نامرادی کا مدار بھی اسی تزکیہ نفس پر رکھا ہے

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾

(الشمس: ۹، ۱۰)

''یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے نفس کو پاک کر لیا اور نامراد ہوا وہ شخص جس نے اسے (رذائل میں) دھنسا دیا۔''

اور بتایا کہ گناہ ظاہری اعضاء ہی سے نہیں ہوتے بلکہ باطن کے بھی گناہ ہیں دونوں سے بچنا فرض عین ہے، اور ہر گناہ موجب عذاب خواہ ظاہر ہو یا باطن کا، ارشاد ربانی ہے:

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَه اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ (انعام: ۱۲۰)

---

(۱) تصوف کے مشہور امام حضرت عبدالقاہر سہروردیؒ نے اپنی کتاب ''عوارف المعارف'' میں تصوف کی جو حقیقت تفصیل سے بیان فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہی ہے، دیکھئے ''عوارف المعارف'' ص ۲۹۰ ج اول برحاشیہ احیاء العلوم للغزالیؒ۔

''تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی، بلا شبہ جو لوگ گناہ (ظاہر یا باطن کا) کر رہے ہیں ان کو ان کے کئے کی سزا عنقریب ملے گی''

باطنی گناہ قلب کے وہی گناہ ہیں جن کے متعلق پیچھے عرض کیا گیا ہے کہ وہ ہماری تمام ظاہری گناہ کا منبع ہیں، ہمارے ہر گناہ کا سوتا وہی سے پھوٹتا ہے، تصوف کی اصطلاح میں انہی کو ''رذائل یا اخلاق رذیلہ'' کہا جاتا ہے، ان کے بالمقابل دل کی نیکیاں اور عبادتیں ہیں جو ہماری تمام ظاہری عبادتوں اور نیکیوں کا سرچشمہ ہیں، ہر عبادت اور ہر نیکی انہی کا مرہون منت ہے، قلب کے ان نیک اعمال کو تصوف کی اصطلاح میں ''فضائل یا اخلاق حمیدہ'' کہا جاتا ہے۔

جس طرح اچھے برے ظاہری اعمال کی ایک طویل فہرست ہے جن کے شرعی احکام فقہ میں بتائے جاتے ہیں، اسی طرح باطنی اعمال یعنی ''رذائل یا فضائل'' کی تعداد بھی بہت ہے جو تصوف کا موضوع ہے، یہاں چند فضائل اور چند رذائل بطور مثال ذکر کئے جاتے ہیں، جن سے اندازہ ہوگا کہ قرآن وسنت نے فضائل کی تاکید اور رذائل کی ممانعت کتنے شد و مد سے کی ہے، اور یہ تاکید کسی طرح اس تاکید سے کم نہیں جو ظاہری اعمال کی اصلاح کیلئے قرآن وسنت میں کی گئی ہے۔

فضائل:

ایک باطنی عمل ''تقویٰ'' ہے، قرآن حکیم نے اپنی دوسری ہی سورت میں اعلان کیا ہے کہ اس کی تعلیم سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، جو تقویٰ والے ہیں، ارشاد ہے:

﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ (بقرہ:۲)

''یہ کتاب (قرآن) تقوی والوں کو راہ دکھاتی ہے۔''

تقوی والوں کیلئے آخرت کی لازوال نعمتوں کی جگہ جگہ بشارت ہے، مثلاً

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ﴾ (طور:۱۷)

''بے شک تقوی والے باغوں میں اور نعمتوں میں ہوں گے''

قرآن نے جا بجا تقوی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتا دیا ہے کہ سچے لوگوں کی معیت اور صحبت اختیار کرو:

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ﴾ (توبہ:۱۱۹)

''اے ایمان والو: اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ یعنی ایسے لوگوں کے ساتھ رہو جو نیت اور بات میں سچے ہیں''

اللہ کے نزدیک ہر عزت و برتری کا معیار بھی یہی تقوی ہے، ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ﴾ (حجرات:۱۳)

''اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ تقوی والا ہو۔''

یہ چند آیات بطور نمونہ ہیں، سب آیات جمع کی جائیں تو کئی ورق درکار ہوں گے۔

اسی طرح ''اخلاص'' دل کا عمل ہے، قرآن حکیم نے اس کی تاکید میں بھی کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ:

﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ﴾ (زمر:۱۱)

﴿قُلْ اِنِّيْ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ﴾ (زمر:۱۱)

''سو آپ اللہ کی عبادت کیجئے ، اسی کیلئے عبادت کو خالص
کرتے ہوئے۔''
''آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح
عبادت کروں کہ عبادت کو اسی کیلئے خالص رکھوں[1]''

قرآن پاک میں سات جگہ یہ ارشاد ہے:

﴿مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾
''اطاعت گزاری کو اللہ کیلئے خالص کرتے ہوئے۔''

اسی طرح ''توکل'' جو نفس کا اندرونی عمل ہے اسکے متعلق رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا اور ساتھ ہی بشارت سنائی گئی کہ:

﴿فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾
(آل عمران: ۱۵۹)

''تو آپ ، اللہ پر بھروسہ کریں، بے شک اللہ تعالی توکل
کرنیوالوں سے محبت رکھتا ہے۔''

سب مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ:

﴿عَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (آل عمران: ۱۲۲)
''پس مسلمان تو اللہ تعالی ہی پر بھروسہ رکھیں۔''

قرآن پاک نے بتایا کہ پچھلے انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنی امتوں کو توکل کی تعلیم دیتے رہے، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب فرمایا کہ:

﴿يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ﴾ (یونس: ۸۴)

---

(۱) تفسیر معارف القرآن، ص ۵۴۴ ج ۷۔

''اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل کرو، اگر تم (اس کی) اطاعت کرنے والے ہو۔''

اللہ تعالی نے اپنے اس اصول کا اعلان عام فرمادیا ہے کہ:

﴿مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُه﴾ (طلاق:۳)

''جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالی اس کے لئے کافی ہے''

اسی طرح ''صبر'' باطنی فضائل میں سے ہے، جس کے معنی ہیں ''طبیعت کے خلاف باتیں پیش آنے پر نفس کو اضطراب اور گھبراہٹ سے روکنا، اور ثابت قدم رکھنا'' رسول اللہ ﷺ کی پوری حیات طیبہ اس صبر کا جیتا جاگتا نمونہ ہے، قرآن حکیم نے آپ کو ہدایت کی گئی ہے کہ:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ (احقاف:۳۵)

''تو آپؐ (ویسا ہی) صبر کیجئے جیسا ہمت والے رسولوں نے صبر کیا تھا''

مسلمانوں کو بتایا گیا کہ:

﴿وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ﴾ (نحل:۱۲۶)

''صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھا ہے''

اور حکم کے ساتھ بشارت دی گئی کہ:

﴿وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (انفال:۴۶)

''اور صبر کرو، بے شک اللہ تعالی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

جنت کی نعمت عظمی بھی صبر کرنے والوں کا حصہ ہے، ارشاد ہے:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللهُ الَّذِيْنَ

جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (آل عمران:۱۴۲)

''کیا تم خیال کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو گے حالانکہ ابھی
اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں کو (آزما کر) نہیں دیکھا،
جنہوں نے خوب جہاد کیا ہو اور صبر کرنے والے ہوں۔''

یہ صرف چار فضائل کے متعلق آیات قرآنیہ کی چند مثالیں ہیں، تمام آیات و احادیث جمع کی جائیں تو ضخیم کتاب تیار ہو جائے، ان مثالوں سے بتانا یہ مقصود ہے کہ شرعی فرائض صرف ظاہری اعمال پر منحصر نہیں، فضائل کا حاصل کرنا بھی نماز، روزہ وغیرہ کی طرح فرض ہے، بلکہ خود نماز، روزہ وغیرہ بھی ان کے بغیر مکمل نہیں ہوتے۔

رذائل:

رذائل وہ ناپاک باطنی اخلاق و اعمال ہیں جن کو قرآن و سنت میں حرام قرار دیا گیا ہے ان کی یہاں فہرست دینا نہ ممکن ہے نہ مقصود، چند مثالیں یہ ہیں:

تکبر کے بارے میں قرآن حکیم نے صاف الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

اور جسے اللہ پسند نہ کرے اس کا ٹھکانا جہنم کے سوا کہاں ہوگا چنانچہ ارشاد ہے:

﴿اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾ (زمر:۶)

''کیا ان متکبرین کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے''

شافع محشر رحمۃ للعالمین ﷺ نے بھی صاف صاف بتادیا کہ:

لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر[1]

''جس شخص کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا''۔

ریاء، ایسا خطرناک باطنی رذیلہ ہے کہ وہ انسان کی بہتر سے بہتر عبادت کو تباہ کرتا بلکہ الٹا عذاب میں گرفتار کراکے چھوڑتا ہے، قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاءُوْنَ﴾ (ماعون)

''بڑا عذاب ہے ایسے نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھے ہیں، جو ریاکاری کرتے ہیں''

رسول اللہ ﷺ نے ریا کو ''چھوٹی قسم کا شرک'' قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ:

ان اخوف ما اخاف علیکم الشرک الاصغر ، قالو : وما الشرک الاصغر یا رسول الله! قال: الریاء یقول الله عزوجل یوم القیامة :اذا جازی العبادباعمالهم ، اذهبوا الی الذین کنتم ترائون فی الدنیا ، فانظروا هل تجدون عندهم الجزاء

(مسند احمد، طبرانی ، بیهقی ، شعب الایمان)

''تمہارے متعلق جن چیزوں کا مجھے ڈر ہے ان میں سب سے زیادہ خوفناک ''چھوٹا شرک'' ہے، صحابہؓ نے دریافت کیا ''چھوٹا شرک'' کیا ہے یا رسول اللہ؟ آپؐ نے فرمایا، ریاء، قیامت کے دن جب اللہ عزوجل اپنے بندوں کو ان کے کاموں کا ثواب عطا فرمائے گا تو

(۱) مسلم شریف، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانہ ص ۶۵ ج ۱۔

دکھاوے کیلئے کام کرنیوالوں سے فرمادے گا کہ ''جاؤ ان لوگوں کے
پاس جاؤ جنہیں دکھانے کے لئے تم دنیا میں کام کرتے تھے، اور دیکھو
ان سے تمہیں ثواب ملتا ہے کہ نہیں[1]''۔

حسد، وہ باطنی بیماری ہے کہ اس کا بیمار دنیا میں تو چین پاتا ہی نہیں، اس کی آخرت بھی برباد ہو کر رہتی ہے، قرآن پاک کے بیان کردہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب سے پہلا گناہ ہے جو آسمان میں کیا گیا اور سب سے پہلا گناہ ہے جو زمین پر کیا گیا[2]، کیونکہ آسمان پر ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا، اور زمین پر سب سے پہلا قتل جو قابیل نے ہابیل کا کیا تھا وہ بھی اسی حسد کا شاخسانہ تھا۔ حاسد کا شر اتنا خطرناک ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی تلقین کی گئی کہ آپؐ اس کے شر سے پناہ مانگیں:

﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾ (الفلق:۵)

''اور (آپؐ کہئے کہ میں پناہ مانگتا ہوں) حسد کرنے والے کے شر سے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ[3]:

ایاکم والحسد، فان الحسد یاکل الحسنات کما یاکل النار الحطب.

---

(۱) حافظ زین الدین عراقیؒ نے شرح احیاء العلوم میں کہا ہے کہ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں، دیکھئے احیاء العلوم مع شرح، ص ۲۵۴۔ ج ۳۔

(۲) احیاء العلوم، ص ج ۳ و تفسیر معارف القرآن، ص ج ۳ و تفسیر معارف القرآن، ص ۸۴۵ ج ۸ بحوالہ تفسیر قرطبی۔

(۳) ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الحسد، ص ۶۷۲ ج ۲، اصح المطابع۔

''تم حسد سے بچو، اس لئے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے (برباد کر دیتا) ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھاتی ہے''۔

اسی طرح بخل باطن کی وہ رذیل خصلت ہے جو انسان کو ہر مالی ایثار وقربانی سے روکتی ہے، اس باطنی بیماری کا ذکر قرآن حکیم نے ان خصلتوں کے ساتھ کیا ہے جو کافروں کا خاصہ ہیں، ارشاد ہے:

﴿وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗ اِذَا تَرَدّٰى﴾ (اللیل: ۸تا۱۱)

''اور جس نے بخل کیا، اور بے پروائی اختیار کی اور اچھی بات کو جھٹلایا، ہم اس کو رفتہ رفتہ سختی میں پہنچا دیں گے، اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا، جب وہ (جہنم) کے گڑھے میں گرے گا''۔

جس شخص کا بخل اس حد تک پہنچ گیا ہو کہ شریعت نے جو مالی واجبات اس کے ذمہ کئے ہیں ان کی ادائیگی سے بھی محروم ہو جائے، اس کیلئے قرآن حکیم میں سخت عذاب کی خبر دی گئی ہے:

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾

''جو لوگ ایسی چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالی نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ یہ بات ان کے لئے کچھ اچھی ہوگی، بلکہ یہ بات ان کے لئے بہت ہی بری ہے، ان لوگوں کو قیامت کے دن اس مال کا (سانپ بنا کر) طوق پہنایا جائے گا، جس میں انہوں نے بخل کیا تھا''

بخل کا بیمار دوسروں کے ساتھ نہیں بلکہ درحقیقت وہ خود اپنے ساتھ بخل کرتا

ہے، وہ اس کی بدولت اس دنیا میں اپنے آپ کو ہر دلعزیزی اور نیک نامی بلکہ جائز آرام وراحت تک سے، اور آخرت میں ثواب کی نعمت سے محروم رکھتا ہے، قرآن حکیم نے اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ:

﴿فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِه﴾ (محمدؐ: ۳۸)

''پس تم میں سے بعض وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں، اور جو بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے۔''

بخل ہی کے بدترین درجہ کا نام ''شح'' ہے، قرآن پاک نے بتایا کہ فلاح و کامیابی انہی لوگوں کا مقدر ہے جو شح سے محفوظ ہوں:

﴿وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِه فَاُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (حشر: ۹)

''اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''

تصوف اور علم تصوف کی اصطلاحی تعریف:

غرض ''فضائل'' اور ''رذائل'' کی ایک طویل فہرست ہے، تمام باطنی خصلتوں کا الگ الگ بیان، ہر ایک کی حقیقت و ماہیت، اس کے اسباب و علامات، فضائل حاصل کرنے کے طریقے اور رذائل سے چھٹکارا پانے کی تدابیر، یہ تفصیلات تو تصوف کی کتابوں[1] اور صوفیاء کرام کی مجلسوں میں ملیں گی، یہاں

---

(۱) مثلاً امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ''احیاء العلوم جلد ثالث'' حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی ''التشرف'' اور ''تعلیم الدین'' اور ''روح تصوف'' و ''قصد السبیل'' وغیرہ۔

ان مثالوں سے صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے، کہ جس طرح ظاہر کے کچھ اعمال فرض عین اور کچھ حرام ہیں اسی طرح باطن کے اعمال میں بھی کچھ فرض عین ہیں، اور کچھ حرام، اور ان باطنی فرائض پر عمل کرنا اور باطن کی حرام خصلتوں سے اجتناب کرنا ہی تصوف ہے، چنانچہ علم تصوف کی اصطلاحی تعریف جو امام غزالیؒ[۱] نے تفصیل سے بیان کی ہے، اس کا جامع مانع خلاصہ علامہ شامیؒ نے یہ لکھا[۲] ہے کہ:

هو علم يعرف به انواع الفضائل و كيفية اكتسابها، وانواع الرذائل و كيفية اجتنابها.

''تصوف وہ علم ہے جس سے اخلاق حمیدہ کی قسمیں اور ان کے حاصل کرنے کا طریقہ اور اخلاق رذیلہ کی قسمیں اور ان سے بچنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے''

فقہ کی طرح علم تصوف کا بھی ایک حصہ فرض عین اور پورا علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے:

جس طرح ہر مرد وعورت پر اپنے اپنے حالات ومشاغل کی حد تک ان کے فقہی مسائل جاننا فرض ہے اور پورے فقہ کے مسائل میں بصیرت ومہارت حاصل کرنا اور مفتی بننا سب پر فرض نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے،[۳] اسی طرح جو اخلاق حمیدہ کسی میں موجود نہیں انہیں حاصل کرنا اور جو رذائل اس کے نفس میں چھپے

(۱) دیکھئے احیاء العلوم، ص ۱۹، ج اول (مطبوعہ مصر)۔

(۲) رد المحتار، مع الدر المختار، ص ۴۰، ج اول۔

(۳) فرض کی دو قسمیں ہیں، فرض عین اور فرض کفایہ، فرض عین اس فرض کو کہا جاتا ہے جس کا ادا کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر ضروری ہے، بعض مسلمانوں کے کر لینے سے باقی (بقیہ اگلے صفحہ میں)

ہوئے ہیں ان سے بچنا، تصوف کے علم پر موقوف ہے اس کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے اور پورے علم تصوف میں بصیرت و مہارت پیدا کرنا کہ دوسروں کی تربیت بھی کر سکے، یہ فرض کفایہ ہے[1]۔

صوفی و مرشد:

جس طرح فقہ کے ماہر کو ''فقیہ''، ''مفتی'' اور ''مجتہد'' کہتے ہیں اسی طرح تصوف و سلوک کے ماہر کو ''صوفی''، ''مرشد''، ''شیخ'' اور عام زبان میں ''پیر'' کہا جاتا ہے جس طرح قرآن وسنت سے فقہی مسائل اور احکام نکالنا اور حسب حال شرعی حکم معلوم کرنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں، بلکہ رہنمائی کیلئے استاذ یا ''فقیہ اور مفتی'' کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اسی طرح باطنی اخلاق کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالنا ایک نازک اور قدرے مشکل کام ہے، جس میں بسا اوقات مجاہدوں، ریاضتوں اور طرح طرح کے نفسیاتی علاجوں کی ضرورت پیش

(بقیہ صفحہ گزشتہ) مسلمان سبکدوش نہیں ہوتے، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ، اور فرض کفایہ وہ فرض ہے جو بعض لوگوں کے بقدر ضرورت ادا کرنے سے باقی مسلمانوں کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے، جیسے مسلمان میت کے کفن دفن کا انتظام، نماز جنازہ اور جہاد وغیرہ، پورے فقہ اور پورے علم تصوف میں بصیرت و مہارت پیدا کرنا بھی فرض کفایہ ہے کہ اگر کسی بستی میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ ہو جو وہاں کے مسلمانوں کو پیش آنے والے شرعی مسائل بتا سکے۔ اور ان کے تزکیہ اخلاق کا کام بقدر ضرورت کر سکے تو اس بستی کے باقی مسلمانوں کے ذمہ سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے، اور اگر اس شہر میں ایک شخص بھی ایسا موجود نہ ہو تو وہاں کے لوگوں پر فرض ہے کہ ایسا عالم اپنے یہاں تیار کریں یا کہیں اور سے بلا کر رکھیں، ورنہ سب اہل شہر گنہگار رہوں گے (تفسیر معارف القرآن: ص ۴۸۷ تا ۴۹۰ ج ۴)

(۱) ردالمحتار مع الدر المختار، ص ۴۰ ج اول، وتفسیر معارف القرآن سورۃ توبہ آیت ۱۲۲ اص ۴۹۰ ج ۴۔

آتی ہے، اور کسی ماہر کی رہنمائی کے بغیر چارہ کار نہیں ہوتا، اس نفسیاتی علاج اور رہنمائی کا فریضہ شیخ و مرشد انجام دیتا ہے۔

اسی لئے ہر عاقل و بالغ مرد و عورت کو اپنے تزکیۂ اخلاق کیلئے ایسے شیخ و مرشد کا انتخاب کرنا پڑتا ہے جو قرآن و سنت کا متبع ہو، اور باطنی اخلاق کی تربیت کسی مستند شیخ کی صحبت میں رہ کر حاصل کر چکا ہو[1]۔

بیعت سنت ہے، فرض و واجب نہیں:

بیعت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مرشد اور اس کے شاگرد (مرید) کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے، مرشد یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس کو اللہ تعالی کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا سکھائے گا، اور مرید وعدہ کرتا ہے کہ مرشد جو بتلائے گا اس پر عمل ضرور کریگا یہ بیعت فرض و واجب تو نہیں، اس کے بغیر بھی مرشد کی رہنمائی میں اصلاح نفس کا مقصد حاصل ہوسکتا ہے، لیکن بیعت چونکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی سنت ہے اور معاہدہ کی وجہ سے فریقین کو اپنی ذمہ داری کا احساس بھی قوی رہتا ہے، اس لئے بیعت سے اس مقصد کے اصول میں بہت برکت اور آسانی ہوجاتی ہے۔

کشف و کرامات مقصود نہیں:

جب اصلاح نفس کا مقصد ضروری حد تک حاصل ہو جاتا ہے، یعنی اپنے ظاہری اور باطنی اعمال قرآن و سنت کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں، اور رسول

---

(۱) شیخ میں کن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے اس کیلئے ملاحظہ فرمایئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا رسالہ "قصد السبیل" ہدایت سوم ص ۵۔

اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی زندگی کے ہر گوشہ میں ہونی لگتی ہے، تو ایسے بعض لوگوں پر بعض حالات میں کشف اور الہام اور کرامات کا ظہور بھی ہو جاتا ہے، جو اللہ تعالی کا انعام ہوتا ہے، جیسا کہ متعدد صحابہ کرامؓ اور اولیاء اللہ کے واقعات مشہور ہیں، مگر یہ کشف و کرامات نہ فقہ کا مقصود ہیں نہ تصوف کا، نہ ان پر دین کا کمال موقوف ہے نہ علم دین کا بلکہ بعض پوشیدہ یا آئندہ پیش آنے والی باتیں معلوم ہو جانا عجیب وغریب واقعات کا پیش آجانا تو کمال دین کی دلیل بھی نہیں، کیونکہ اس قسم کی چیزیں تو مشق کرنے سے بعض اوقات ایسے لوگوں کو بھی پیش آجاتی ہیں جو دین کے پابند نہ ہوں، مسمریزم اور جادو کرنے والوں کی شعبدہ بازیاں بھی دیکھنے میں تو عجیب وغریب ہی ہوتی ہیں، مگر ان کیلئے مسلمان ہونا بھی شرط نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ کشف و کرامات شعبدہ بازی نہیں ہوتی، بلکہ محض اللہ جل شانہ کا عطیہ ہے، جو وہ اپنے کسی نیک بندے کو بعض حالات میں دیدیتا ہے، مگر یہ تصوف کا مقصود نہیں اور دین کا کوئی کمال اس پر موقوف نہیں۔

مقصود صرف اتباع شریعت اور اللہ کی رضا ہے:

دین کا کمال تو اپنے ظاہر و باطن میں شریعت پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنے میں ہے، اسی لئے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے، اور یہی فقہ اور تصوف کا حاصل و مقصود ہے، یہ مقصود نہ فقہ پر عمل کے بغیر حاصل ہوسکتا ہے نہ تصوف کے بغیر، تصوف کا مقصود نہ بیعت ہے نہ ریاضتیں اور مجاہدیں ہیں، اور نہ کشف و کرامات، بیعت اور مجاہدے مقصود حاصل کرنے کے ذرائع ہیں، اور کشف و کرامات مقصود حاصل ہو جانے کے بعد اللہ کی طرف سے ایک قسم کا مزید انعام ہیں، کسی کو یہ انعام ملتا ہے، کسی کو کسی اور انعام سے نواز دیا جاتا ہے، بالفرض جیسے مجاہدوں اور ریاضتوں کے

بغیر ہی اپنی ظاہر و باطن کی اصلاح نصیب ہو جائے اور زندگی بھر ایک بار بھی سچا خواب نظر نہ آئے، نہ کسی کشف و کرامات کا ظہور رہو اس کے بھی ولی اللہ اور مومن کامل ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جس سے کشف و کرامات کا ظہور ہوتا ہو وہ اس کے مقابلے میں زیادہ کامل وافضل ہو، مدار کمال و افضیلت تو صرف اور صرف تقوی پر ہے، جس میں زیادہ تقوی ہے وہی زیادہ افضل اور اللہ عز وجل کا زیادہ مقرب ہے قرآن مجید کا فیصلہ ہے کہ:

﴿ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم﴾ (حجرات:۱۳)

''اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔''

تصوف کی حقیقت جو ان صفحات میں بیان کی گئی، تصوف کی تمام مستند کتابیں اسی اجمال کی تفصیل ہیں، تمام فقہاء اور صوفیاء کرام اس کی تعلیم و تربیت کرتے رہے، رسول اللہ ﷺ کی پوری حیات طیبہ اسی تصوف اور اسی فقہ پر عمل کا کامل نمونہ ہے اور یہی ایمان کے بعد قرآن و سنت کی تعلیمات کا حاصل ہے۔

اس سلسلہ میں افراط وتفریط اور گمراہیاں:

فقہ اور تصوف کی جو حقیقت پچھلے صفحات میں بیان ہوئی اور ان میں جو گہرا ربط قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کیا گیا یہ اتنا صاف اور واضح ہے کہ امت کے تمام مفسرین و محدثین اور تمام صوفیاء و عارفین کا اس پر اجماع و اتفاق چلا آرہا ہے، جس نے قرآن و سنت یا فقہ و تصوف کا مطالعہ کیا ہو اس کیلئے اس میں کسی شبہ یا تردد کی گنجائش نہیں۔

مگر نہ جانے کیوں فقہ اور تصوف کے سلسلہ میں مسلمانوں کا خاصہ بڑا طبقہ

افراط وتفریط بلکہ طرح طرح کی گمراہیوں کا شکار ہوگیا، ان لوگوں نے فقہ اور تصوف کو سمجھے بغیر ان کے بارے میں عجیب وغریب مزعومات قائم کر لئے، جنہیں صرف فقہ کی کتابیں ہاتھ لگیں، مگر نہ علماء صلحاء کی تعلیم وتربیت ملی، نہ تصوف کی مستند کتابوں تک رسائی ہوئی، بلکہ جاہل مدعیان تصوف خودساختہ غلط روش دیکھ کر اس کو تصوف سمجھ بیٹھے، انہوں نے دین اور احکام دین کو صرف فقہ میں منحصر جان کر سرے سے تصوف ہی سے بیزاری اختیار کر لی، اور تصوف کو دین سے خارج بلکہ الحاد وزندقہ قرار دے دیا، یہ ایک شدید گمراہی ہے جو خاصے بڑے طبقہ میں پائی جاتی ہے۔

ایک اور گمراہی اس سے کم درجے کی مگر اس لحاظ سے نہایت تشویشناک ہے کہ وہ علم دین کے بعض طلباء بلکہ بعض نام نہاد اہل علم میں بھی پائی جاتی ہے کہ انہوں نے تصوف کو دین سے خارج تو نہیں سمجھا مگر نہ جانے کیوں یہ خیال کر بیٹھے کہ اس کا حاصل کرنا محض مباح "یا مستحب ہے شرعاً فرض و واجب نہیں، اصلاح باطن بھی ہوگئی تو جنت میں درجات بڑھ جائیں گے، نہ ہوئی تو جنت میں جانے کیلئے ظاہری اعمال کافی ہیں۔

دوسری طرف جاہل مدعیان تصوف کی گرم بازاری ہے، جنہوں نے تصوف اور طریقت کی اہمیت کو تو تسلیم کیا مگر اس کی حقیقت کو گم کر ڈالا، کسی نے کہا ''طریقت اور ہے شریعت اور، فلاں بات اگرچہ شرع میں ناجائز ہے مگر فقیری میں جائز ہے'' ان لوگوں نے تصوف کو'' راز سینہ بسینہ'' قرار دے کر اس من گھڑت ''راز'' کی بنیاد پر دین کی کتنے ہی حرام کاموں کو حلال کر ڈالا، اور دین و تصوف کے نام پر الحاد و بے دینی کا شکار ہو گئے۔

کسی نے تعویذ گنڈوں کا اور کسی نے مریدوں سے نذرانے وصول کرنے کا

نام تصوف رکھ لیا، کسی نے پیر صاحب سے بیعت ہونے کو جنت کا پروانہ سمجھا، اور اصلاح نفس و اعمال سے غافل ہوکر مطمئن ہوگئے، کہ "پیر صاحب بخشش کرادیں گے"، کسی نے دل کی خاص قسم کی دھڑکنوں کو اور کسی نے "غیب کی باتیں" بتلانے کو تصوف کا کمال سمجھ لیا، کسی نے صرف تسبیحات و وظائف اور نوافل کو تصوف و طریقت کا نام دے لیا، ظاہر و باطن کی اصلاح سے بے فکر ہوکر کتنے ہی فرائض اور حقوق العباد کو پامال کرڈالا، کسی نے مجاہدوں، ریاضتوں، چلہ کشی، رہبانیت اور ترک دنیا کو طریقت اور سلوک کی معراج قرار دے کر بال بچوں، ماں باپ اور اعزاء و اقارب سے کنارہ کشی اختیار کرلی، اور جنگلوں میں اور غاروں میں زندگی گزارنے کو ہی دین کا مقصود سمجھ بیٹھے۔

غرض یہ اور اسی طرح کی بہت ہی گمراہیاں تصوف اور فقہ کے بارے میں پھیلی ہوئی ہیں، انتہا پسندی کا دور دورہ ہے، ایک جانب افراط ہے دوسری جانب تفریط اور رسول عربی ﷺ کا لایا ہوا دین افراط و تفریط کے بیچوں بیچ راہ اعتدال ہے، وہ ترک دنیا کو دین نہیں کہتا، وہ شریعت اور طریقت کے تضاد کو نہیں مانتا، بلکہ دونوں کو ساتھ لے کر چلنے کے قائل ہے، شریعت جسم ہے تو طریقت اسکی روح، تصوف "فقہ" کے بغیر ناکارہ ہے اور فقہ تصوف کے بغیر بے جان، حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کا ارشاد(۱) ہے کہ:

> "شریعت بغیر طریقت کے نرا فلسفہ ہے، اور طریقت بغیر شریعت کے زندقہ والحاد"

مشہور مفسر قرآن حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ جو بڑے درجہ کے صوفی بھی ہیں فرماتے ہیں کہ:

---

(۱) تسہیل قصد السبیل، ص ۸۔

''جس شخص کا ظاہر پاک نہ ہو اس کا باطن پاک ہو ہی نہیں سکتا۔''

چھٹی صدی ہجری کے تصوف کے مشہور امام شیخ عبدالقاہر سہروردیؒ (یہی بانی سلسلہ سہروردیہ ہیں) نے حضرت سہل بن عبداللہ کا یہ ارشاد اپنی کتاب[1] میں نقل فرمایا ہے کہ:

کل وجد لا یشھد لہ الکتاب والسنۃ فباطل.

''جس وجدی کیفیت کی کوئی شہادت قرآن وسنت میں موجود نہ ہو وہ باطل ہے''

یہی وہ حقیقت ہے جس کے برملا اظہار کیلئے ہمیں فقہ کے تعارف میں تصوف کا تعارف بھی خاصی تفصیل سے کرانا پڑا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو افراط وتفریط کی بھول بھلیاں سے محفوظ و مامون فرمائے اور قرآن وسنت کی صراط مستقیم پر گامزن فرما کر جنت کی لازوال نعمتوں سے مالا مال فرمائے، آمین۔

آمدم برسرِ مطلب:

اب ہم اپنے اصل موضوع ''فقہ'' کی جانب لوٹتے ہیں، فقہ کی تعریف پیچھے ضروری تفصیل کے ساتھ سامنے آچکی ہے جس کا حاصل متاخرین کی اصلاح کی رو سے یہ ہے کہ:

''انسان کے ظاہری اعضاء سے کئے جانے والے ہر کام کے متعلق قرآن وسنت، اجماع یا قیاس کے تفصیلی دلائل کے ذریعہ یہ جاننے کو فقہ کہتے ہیں، کہ وہ کام فرض ہے یا واجب یا مستحب یا مباح یا حرام یا

---

(۲) عوارف المعارف، برحاشیہ احیاء العلوم، ص ۲۸۰ ج اول مطبوعہ مصر۔

مکروہ۔"

موضوع: بھی پیچھے معلوم ہو چکا ہے کہ "انسان کے ظاہری اعمال" فقہ کا موضوع ہیں۔

فقہ کے ماخذ یعنی احکام شرعیہ کے دلائل:

فقہ کی تعریف کے ذیل میں کئی ورق پیچھے عرض کیا جا چکا ہے کہ احکام شرعیہ کے دلائل صرف چار ہیں، قرآن، سنت، اجماع، قیاس، تمام شرعی احکام انہی میں سے کسی نہ کسی دلیل سے حاصل کئے جاتے ہیں، اسی لئے ان کو "فقہ کے ماخذ" بھی کہا جاتا ہے، یہاں ان چاروں کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

پہلا ماخذ قرآن حکیم:

قرآن حکیم کے نام یوں تو بعض علماء کرام [1] نے نوے سے بھی اوپر بتائے ہیں، مگر مشہور نام جو خود قرآن نے بتائے پانچ ہیں:

القرآن، الفرقان، الکتاب، الذکر، التنزیل، ان میں سے بھی سب سے زیادہ مشہور نام "القرآن" ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے اپنی اس کتاب کو کم از کم اکسٹھ مقامات پر اسی نام سے یاد کیا ہے، مگر اصول فقہ کی کتابوں میں جس نام کا زیادہ استعمال ہوا وہ "الکتاب" ہے۔

جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ قرآن نے سورۂ فاتحہ کے بعد سب سے پہلی سورت کے بالکل شروع میں اپنا یہی نام بتایا ہے:

﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾

---

(۱) مناہل العرفان للزرقانی، ص ۸ ج اول مطبوعہ مصر۔

''یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں''

قرآن حکیم اس کائنات کی مشہور کتاب ہونے کے باعث درحقیقت تو کسی تعارف کا محتاج نہیں، مگر علماء اصول فقہ جنکا منصب ہی یہ ہے کہ جو بات بھی فقہ کے دلائل سے متعلق ہو اسے قاعدہ ضابطہ میں لے آئیں، جو بات کہیں جچی تلی ہو، انہوں نے قرآن حکیم جیسی بدیہی کتاب کی بھی تعریف کی ہے، تعریف بیان کر دینے میں بعض مصلحتیں ان کے پیش نظر تھیں جن کا ذکر کرنے کا یہاں فائدہ نہیں، بہرحال قرآن حکیم کی جو اصطلاحی تعریف کی گئی ہے[۱] وہ یہ ہے کہ:

> ''قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو حضرت محمد ﷺ پر لفظ بہ لفظ[۲] نازل ہوا مصاحف میں لکھا گیا، اور آپؐ سے بغیر کسی شبہ کے تواتر کے ساتھ منقول ہے۔''

وحی کی دو قسمیں:

آنحضرت ﷺ پر جو وحی بھیجی گئی وہ دو قسم کی تھی، ایک تو یہی قرآن حکیم جس کے الفاظ اور معنی دونوں اللہ جل شانہ کی طرف سے ہیں، یعنی جس طرح اس کے مضامین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اسی طرح اس کے الفاظ بھی بعینہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں، الفاظ کے انتخاب، ترکیب، یا اسلوب وانشاء میں نہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا کوئی دخل ہے نہ آنحضرت ﷺ کا، اس وحی کو ''وحی متلو'' کہا جاتا ہے، یعنی ایسی وحی جس کی تلاوت کی جاتی ہے، وحی کی یہ قسم پوری کی پوری حفاظ قرآن کے سینہ میں اور قرآنی مصاحف مین ہمیشہ کیلئے اس طرح محفوظ

---

(۱) التلویح مع التوضیح، ص ۲۶، ج اول مطبوعہ مصر۔

(۲) تسہیل الوصول الی علم الاصول، ص ۳۴ تا ۳۵، مطبوعہ ملتان۔

کر دی گئی ہے کہ اس کا ایک حرف بلکہ کوئی نقطہ بھی نہ بدلا جا سکا ہے نہ بدلا جا سکے گا۔

دوسری قسم وحی کی وہ ہے جو قرآن پاک کا جزء بنا کر نازل کی گئی، اس کے ذریعہ آپ کو بہت سی تعلیمات اور شریعت کے احکام اس طرح بتائے گئے ہیں کہ آپ کے قلب مبارک پر صرف معانی و مضامین کا القاء ہوتا تھا، الفاظ اس کے ساتھ نہ ہوتے تھے، ان معانی و مضامین کو آپؐ نے صحابہ کرامؓ کے سامنے کبھی اپنے الفاظ سے کبھی اپنے افعال سے اور کبھی دونوں سے بیان فرمایا، وحی کی اس قسم کا نام ''وحی غیر متلو'' ہے یعنی ایسی وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی اسی وحی کو ''حدیث'' اور ''سنت'' کہا جاتا ہے، جس کا مفصل تعارف آگے آرہا ہے۔

تواتر:

تواتر کسی خبر کے اس طرح پے درپے نقل ہونے کو کہتے ہیں کہ جب سے وہ خبر وجود میں آئی اس وقت سے اسے ہر زمانے میں لوگوں کی اتنی بڑی تعداد بلا اختلاف نقل کرتی چلی آئی ہو کہ عقل یہ باور نہ کرے کہ ان سب نے سازش کر کے جھوٹ بولا ہوگا یا ان سب کو مغالطہ لگ گیا ہوگا، جو خبر اس طرح سے تواتر کے ساتھ منقول ہو اسے ''متواتر''[1] کہتے ہیں ایسی خبر دنیا کے قابل ذکر اہل عقل اور ادیان و مذاہب کے نزدیک ہمیشہ قطعی اور ہر شک و شبہ سے بالاتر سمجھی جاتی ہے، اس سے ایسا ہی یقین حاصل ہوتا ہے جیسا مشاہدہ سے ہوتا ہے، ہم نے شہر نیو یارک اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا مگر امریکہ کے اس شہر کا ذکر اور اس کی متفرق تفصیلات اتنے بے شمار انسانوں سے سنی ہیں کہ عقل یہ باور نہیں کر سکتی کہ نیو یارک

(۱) مقدمہ فتح الملہم ص ۵ ج اول، بحوالہ فخر الاسلام بزدوی و علامہ جزائری۔

امریکہ کا کوئی شہر ہی نہ ہو، اور جتنے لوگوں نے، اخبارات ورسائل نے ہمیں اس کے حالات بتائے ان سب نے سازش کر کے متفقہ جھوٹ بولا ہو، یا سب ہی کو مغالطہ لگ گیا ہو اور وہ پاکستان کے کسی گاؤں کو امریکہ کا عظیم شہر سمجھ بیٹھے ہوں، یہ تواتر ہی ہے جس کی بناء پر ہم نیویارک کو اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر امریکہ کا بڑا شہر یقین کرنے پر مجبور ہیں، اس یقین کو ہم اگر اپنے ذہن اور حافظہ سے کھرچنے کی جتنی بھی کوشش کریں تو ظاہر ہے بے سود ہوگی۔

تواتر کی یہی وہ قوت ہے جسے اسلام نے بھی قبول کیا ہے اور خبر متواتر کے ثبوت کو ہر قسم کے جھوٹ اور بھول چوک کے شبہ سے بالاتر قرار دیا ہے، قرآن کریم بھی حرف بہ حرف تواتر کے ساتھ ہی منقول ہے، بلکہ اس کے تواتر کا تو یہ حال ہے کہ جب سے رسول اللہ ﷺ نے اسے اللہ کا کلام بتا کر امت کے سامنے پیش کیا اس وقت سے اب تک اسے جوں کا توں نقل کرنے والوں اور حفظ کرنیوالوں کی اتنی بڑی تعداد ہر زمانہ میں رہی ہے کہ کسی بھی زمانے میں ان کو شمار نہیں کیا جا سکا، ایک نسل دوسری نسل کو اور دوسری تیسری کو اللہ کا یہ پیغام حرف بہ حرف پہنچاتی رہی اور قیامت تک پہنچاتی رہے گی۔

دوسرا ماخذ سنت:

لفظ ''سنت'' لغت عرب میں ''طریقہ اور عادت'' کیلئے اور فقہ میں ایسی عبادت کیلئے استعمال ہوتا ہے جو فرض یا واجب نہ ہو، اور علم حدیث اور اصول فقہ کی اصطلاح میں ''حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کو سنت کہا جاتا ہے۔ یہاں یہی اصطلاحی معنی مراد ہیں، سنت اور حدیث میں یہ فرق ہے کہ ''حدیث'' تو رسول اللہ ﷺ کے صرف اقوال کا نام ہے اور ''سنت'' آپؐ کے

اقوال وافعال دونوں کا، اقوال کی طرح آپ کے افعال بھی حجت ہیں یعنی احکام شرعیہ کی دلیل صرف حدیث نہیں، بلکہ سنت ہے جس طرح قرآن حکیم پورا کا پورا وحی ہے رسول اللہ ﷺ کی احادیث بھی امور دین کے مطابق سب کی سب وحی ہے، اور آپؐ کے تمام اعمال واخلاق وحی کے عین مطابق، اس لئے قرآن پاک کے بعد شرعی احکام کا سب سے بڑا ماخذ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

سنت کو خود قرآن نے حجت قرار دیا ہے:

آپؐ کے تمام ارشادات کے وحی ہونے اور افعال کے ہر غلطی سے پاک ہونے کی شہادت قرآن پاک نے قسم کھا کر دی ہے کہ:

﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (النجم: ۱ تا ۴)

''قسم ہے ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے، یہ تمہارے ساتھ رہنے والے (پیغمبر) نہ راہ سے بھٹکے اور نہ غلط راستہ ہوئے اور نہ آپؐ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ہیں ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر وحی بھیجی جاتی ہے (خواہ الفاظ کی بھی وحی ہو جو قرآن کہلاتی ہے، خواہ صرف معانی کی ہو جو سنت کہلاتی ہے، اور خواہ وحی جزئی ہو یا کسی قاعدہ کلیہ کی ہو جس سے اجتہاد فرماتے ہوں)''

سورہ قلم میں بھی آپؐ کے اخلاق وعادات کی عظمت کا اعلان قسم کھا کر کیا گیا ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (القلم: ۴)

''اور بے شک آپؐ اخلاق کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں''

قرآن ہی نے آپؐ کے پورے طرز زندگی کو سب مسلمانوں کیلیے اللہ کا پسندیدہ نمونہ بنا کر پیش کیا۔

﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ﴾

(احزاب:۲۰)

''تم لوگوں کیلیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایک عمدہ نمونہ تھا۔''

اسی نمونہ کو اللہ کی محبت کا معیار ٹھہرا کر مسلمانوں کو یہ مژدہ سنایا کہ:

﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَ یَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ﴾ (آل عمران:۳۱)

''آپؐ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے، اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کردیں گے۔''

اور صاف الفاظ میں حکم دیا کہ:

﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوْا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ﴾

(نساء:۵۹)

''اے ایمان والوں! تم اللہ تعالیٰ کا کہنا مانو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کہنا مانو''

اور بتایا کہ آپؐ کی اطاعت بھی درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے:

﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ﴾ (نساء:۸۰)

''جس شخص نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔''

غرض وحی ہونے کے اعتبار سے قرآن وسنت میں کوئی فرق نہیں، دونوں کی

اطاعت واجب ہے، جو درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔

آثار صحابہ کی فقہی حیثیت:

یہاں ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے، اور وہ یہ کہ بعض شرائط کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے آثار یعنی افعال واقوال سے بھی شرعی احکام ثابت ہونے میں ایک حد تک استدلال کیا جاتا ہے، مگر ان کے سب اقوال وافعال مکمل دلیل کی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ ان میں کچھ تفصیل ہے جو اصول فقہ اور اصول حدیث کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے چونکہ یہ کوئی مستقل دلیل نہیں بلکہ سنت ہی کے تابع ہے لہٰذا اس دلیل کو الگ شمار نہیں کیا جاتا۔

قرآن وسنت کے درمیان درجہ کا تفاوت:

یہ بات پیچھے واضح ہوچکی ہے کہ وحی ہونے کے اعتبار سے قرآن وسنت میں کوئی فرق نہیں، اور دونوں ہی کی اطاعت لازمی ہے مگر اس کے باوجود دو بنیادی فرق ایسے ہیں جن کا اثر فقہ کے بہت سے احکام پر پڑتا ہے۔

(۱)......ایک یہ کہ قرآن کریم ''وحی متلو'' ہے اور سنت ''وحی غیر متلو'' یعنی جیسا کہ پیچھے بیان ہوا کہ قرآن کریم کے الفاظ اور معنی دونوں وحی ہیں، اور سنت کے صرف معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کئے گئے ہیں، الفاظ آنحضرت ﷺ کے اپنے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کو بلاوضو چھونا جائز نہیں جبکہ حدیث شریف کو بلا وضو بھی چھویا جاسکتا ہے، اگرچہ بہتر یہی ہے کہ وضو کرکے چھویا جائے، نیز قراءت قرآن جو نماز میں فرض ہے وہ فرض حدیث کے پڑھ لینے سے ادا نہیں ہوسکتا۔

(۲)......قرآن وسنت میں دوسرا فرق یہ ہے کہ قرآن کریم تو پورا پورا

متواتر ہونے کی وجہ سے ...... "قطعیَ الثبوت" (قطعی اور بالکل یقینی طور پر ثابت شدہ) ہے اور سنت کی تعلیمات چونکہ سب کی سب تواتر سے ثابت نہیں، لہٰذا اس کی جو تعلیمات تواتر سے ثابت ہو گئیں وہ تو "قطعی الثبوت" ہیں اور جو تعلیمات ہم تک بغیر تواتر کے مگر قابل اعتماد سند کے ذریعہ پہنچی ہیں وہ "ظنی الثبوت" (ظنی طور پر ثابت شدہ) ہیں۔

تفصیل اسکی یہ ہے کہ قرآن کریم کا تو ایک ایک حرف بلکہ زیر، زبر، پیش بھی ہم تک تواتر سے پہنچا ہے، لہٰذا اس کے متعلق ہمیں قطعی علم اور پختہ یقین ہے کہ یہی وہ بعینہ کلام ہے، جسے حضرت محمد ﷺ نے دنیا کے سامنے اللہ کا کلام بتا کر پیش کیا تھا، تواتر کی وجہ سے ہمیں اس کے ثبوت کیلئے سند اور راویوں کے حالات کی جانچ پڑتال کی ضرورت نہیں، کیونکہ سند اور راویوں کے حالات کی چھان بین کی ضرورت تو وہاں ہوتی ہے، جہاں روایت کرنے والے تھوڑی تعداد میں ہوں، اور جہاں روایت کرنے والوں کی تعداد ہر زمانہ میں تواتر تک پہنچی ہوئی ہو وہاں سند اور راویوں کی تحقیق کا مطالبہ وہی شخص کرسکتا ہے جو دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں کھڑا ہوا اور لوگوں سے وجودِ آفتاب کی دلیل مانگ رہا ہو۔

برخلاف سنت کے کہ وہ ہم تک سب کی سب تواتر سے نہیں پہنچی، بلکہ سنت کی کچھ تعلیمات تواتر سے کچھ بغیر تواتر کے سند کے ذریعہ پہنچی ہیں، جو تعلیمات بغیر تواتر سے پہنچی ہیں ان کے متعلق یہ علم حاصل کرنے کیلئے کہ یہ واقعی رسول اللہ ﷺ کی بیان فرمودہ تعلیمات ہیں سند کے ایک ایک راوی کے حالات کی مکمل چھان بین اور سند کی نہایت دقیق اور پیچیدہ تحقیقات سے گزرنا پڑتا ہے جن کے اصول "علم روایت حدیث"، "فن اصول حدیث"، "فن اسماء الرجال" اور "فن اصول فقہ" میں بیان کئے گئے ہیں، ان تمام تحقیقات میں جو حدیث (غیر

متواتر) سند کے اعتبار سے قابل اعتماد ثابت ہو اس سے ایک گونہ یقین اس بات کا حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ واقعی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، مگر اس ''ایک گونہ یقین'' کے باوجود بھی ضعیف سا احتمال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ سند کے راویوں سے پوری کوشش اور احتیاط کے باوجود بھول چوک ہوگئی ہو، اس لئے ایک گونہ یقین قوت میں اس یقین کے برابر نہیں ہوتا جو قرآن کریم یا سنت متواترہ سے حاصل ہوتا ہے۔

ظن غالب کی حقیقت اور اس کا درجہ:

تواتر سے ہونے والے یقین کو ''علم قطعی'' کہا جاتا ہے، اور اسکا انکار کفر ہے، اور جو یقین کے تواتر کے بغیر سند سے حاصل ہو اسے اصطلاح میں ''ظن'' کہتے ہیں، اس کا انکار گناہ ہے مگر کفر نہیں۔

عام طور پر ''ظن'' کا اردو ترجمہ صرف ''گمان'' سے کر دیا جاتا ہے، مگر یاد رہے کہ اصول فقہ کی اصطلاح میں ''ظن'' سے مراد صرف گمان نہیں، بلکہ ایک درجہ کا یقین مراد ہے، جسے ''ظن غالب'' کہا جاتا ہے اور ''ظن غالب'' دنیا کے تمام ادیان و مذاہب، ہر ملک کے قوانین اور روزمرہ کے معاملات میں قابل اعتماد اور قابل استدلال قرار دیا جاتا ہے، دنیا بھر کی عدالتیں گواہوں کی بنیاد پر بڑے بڑے فیصلے کرتی ہیں، ظاہر ہے کہ محض دو چار گواہوں کا بیان حد تواتر کو نہیں پہنچاتا، اور نہ اس کے بالکل سچ اور درست ہونے کا علم قطعی حاصل ہوسکتا ہے، کیونکہ یہ احتمال عقلی طور پر موجود رہتا ہے کہ ان چاروں گواہوں نے سازش کر کے جھوٹ بولا ہو یا ان سب کو مغالطہ لگ گیا ہو، لہٰذا ان گواہوں سے حاصل ہونے والا علم ظن غالب ہی ہے علم قطعی نہیں، علم قطعی تو وہ ہے جس میں عقل کے نزدیک جھوٹ یا مغالطہ کا کوئی احتمال سرے سے باقی ہی نہ رہے، غرض دنیا بھر کی

عدالتوں میں گواہوں پر اعتماد کر کے جو فیصلے کئے جاتے ہیں وہ ''ظن غالب'' ہی کی بنیاد پر ہوتے ہیں، اسی طرح جو سنت تواتر سے تو ثابت نہ ہو، مگر ایسی قابل اعتماد سند کے ذریعہ پہنچی ہو کہ اس کے درست ہونے کا ظن غالب ہو جائے شریعت میں اس کو حجت (یعنی فقہی دلیل) قرار دیا گیا ہے، یہ اور بات ہے کہ یہ دلیل ''ظنی'' ہونے کے باعث ''قطعی'' سے کم درجہ رکھتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ قرآن وسنت کے درمیان دوسرا فرق یہ ہے کہ قرآن کریم تو پورا کا پورا متواتر ہونے کی وجہ سے قطعی ہے، اور سنت کی تمام تعلیمات چونکہ تواتر سے ثابت نہیں، اس لئے سنت متواترہ قطعی ہے اور سنت غیر متواترہ جو قابل اعتماد سند سے ثابت ہوئی ہو وہ ظنی ہے۔

دلیل قطعی اور دلیل ظنی کے فرق کا اثر احکام پر:

دلیل قطعی اور دلیل ظنی میں چونکہ قوت کے اعتبار سے تفاوت ہے لہذا ان سے ثابت ہونے والے احکام پر بھی اس تفاوت کا اثر ظاہر ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ پیچھے احکام شرعیہ کی جو سات قسمیں بیان ہوئی ہیں، یعنی فرض، واجب، مستحب، مباح، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی ان میں سے فرض اور حرام کا ثبوت صرف دلیل قطعی سے ہوتا ہے، دلیل ظنی کسی فعل کی فرضیت یا حرمت ثابت کرنے کیلئے کافی نہیں اور باقی پانچ قسم کے احکام یعنی واجب، مستحب، مباح، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی کا ثبوت '' دلیل ظنی'' سے بھی ہوسکتا ہے، قرآن کریم اور سنت متواترہ دونوں ''قطعی الثبوت'' ہیں، لہذا ان سے ساتوں قسم کے احکام ثابت ہوسکتے ہیں، اور سنت غیر متواترہ دلیل ظنی ہے، لہذا اس سے کسی فعل کا فرض یا حرام ہونا ثابت نہیں کیا جاسکتا، البتہ باقی پانچ قسم کے احکام اس سے بھی ثابت ہو

سکتے ہیں۔

مثلاً نماز اس لئے فرض ہے کہ قرآن کریم میں اس کا مطالبہ صراحت سے کیا گیا ہے، اسی طرح مثلاً ہر نماز میں رکعتوں کی ایک خاص تعداد یعنی فجر کی دو، مغرب کی تین، اور باقی تین نمازوں میں چار چار رکعتیں اگرچہ قرآن کریم سے صراحتاً ثابت نہیں مگر سنت متواترہ سے ان کی پابندی ثابت ہے، لہٰذا اس تعداد کی پابندی بھی فرض اور اس کی کمی بیشی حرام ہے، اور نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورت یا چند آیات پابندی سے پڑھنے کا مطالبہ نہ قرآن کریم سے صراحتاً ثابت ہے نہ سنت متواترہ سے، بلکہ اس کا ثبوت صرف سنت غیر متواترہ سے ہوا ہے، لہٰذا یہ واجب ہے فرض نہیں۔

فرض اور واجب میں یہی فرق ہے کہ فرض کا مطالبہ دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے اور واجب کا مطالبہ دلیل ظنی سے، لہٰذا عمل تو دونوں پر فرض ہے، اور خلاف ورزی بھی دونوں کی گناہ ہے، مگر فرض کا انکار کفر ہے، واجب کا انکار کفر نہیں، اسی طرح حرام اور مکروہ تحریمی میں یہ فرق ہے کہ حرام کی ممانعت دلیل قطعی سے ثابت ہوتی ہے، اور مکروہ تحریمی کی ممانعت دلیل ظنی سے، دونوں کا ارتکاب گناہ ہے، مگر حرام کی ممانعت کا انکار کفر ہے، مکروہ تحریمی کی ممانعت کا انکار کفر نہیں۔

فقہ کا تیسرا ماخذ ''اجماع'':

لغت میں ''اجماع'' متفق ہونے کو کہتے ہیں، لغوی معنی کے اعتبار سے اتفاق اور اجماع ایک ہی چیز ہے، مگر اصطلاح شریعت میں ایک خاص قسم کے اتفاق کو ''اجماع'' کہا جاتا ہے، جس کی تعریف یہ ہے کہ:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کسی زمانہ کے تمام فقہاء

مجتہدین کا کسی حکم شرعی پر متفق ہو جانا ''اجماع'' ہے(۱)۔

یہ ''اجماع'' فقہ کا تیسرا ماخذ اور احکام شرعیہ کے چار دلائل میں سے ایک ہے، جس مسئلہ کے شرعی حکم پر اجماع منعقد ہو گیا ہے اسے ''اجماعی فیصلہ'' یا ''مسئلہ اجماعیہ'' یا ''مسئلہ مجمع علیہا'' کہا جاتا ہے، اس کی حیثیت احکام شرعیہ کی دلیل اور فقہ کا ماخذ ہونے کے اعتبار سے وہی ہے جو آنحضرت ﷺ کی سنت کی ہے، کہ جس طرح سنت متواترہ دلیل قطعی ہے، اور سنت غیر متواترہ دلیل ظنی، اسی طرح جو اجماعی فیصلہ ہم تک تواتر سے پہنچا ہو وہ فقہی احکام کیلئے دلیل قطعی ہے، اور جو تواتر کے بغیر قابل اعتماد روایت سے پہنچا ہو وہ دلیل ظنی۔

اجماع کو خود قرآن وسنت نے حجت قرار دیا ہے:

قرآن وسنت نے مسلمانوں پر اجماع کی پیروی ایسی لازمی قرار دی ہے جیسی وحی سے ثابت شدہ احکام کی پیروی لازم ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات پر شریعت کے احکام بذریعہ وحی آنے کا سلسلہ ہمیشہ کیلئے بند ہونے والا تھا، ادھر یہ شریعت قیامت تک نافذ رہنے والی اور طرح طرح کے نت نئے مسائل امت کو قیامت تک پیش آنے تھے، لہٰذا آئندہ کے مسائل شرعی اصول پر حل کرنے کا انتظام اللہ جل شانہ نے یہ فرمادیا کہ خود قرآن و سنت میں ایسے اصول اور نظائر رکھ دیئے جن کی روشنی میں غور وفکر کر کے ہر زمانہ کے مجتہدین اس وقت کے پیدا شدہ مسائل کا شرعی حکم معلوم کرسکیں، اور جو فیصلہ قرآن وسنت کی روشنی میں وہ اپنے متفقہ اقوال وافعال سے کر دیں، اس کی پیروی بعد کے تمام مسلمانوں پر خود قرآن وسنت کے ذریعہ لازم اور اس کی خلاف

(۱) الاحکام فی اصول الاحکام للآمدی، ص ۱۰۱ ج ۱، مطبوعہ مصر۔

ورزی حرام قرار دی گئی۔

قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعزاز صرف آنحضرت ﷺ ہی کی امت کو ملا ہے، کہ اس کے مجموعہ کو اللہ تعالی نے دینی امور میں ہر خطا ولغزش سے معصوم اور محفوظ فرمادیا ہے، یہ مطلب نہیں کہ اس امت کے کسی فرد سے دینی امور مین غلطی نہیں ہوسکتی، کیونکہ یہ بات تو ہر وقت مشاہدہ میں آتی ہے کہ اس امت میں بھی ہر قسم کے لوگ ہیں، نیکوکار متقی بھی، فاسق وفاجر بھی، ہر مسلمان سے بلکہ علماء صلحاء سے بھی فرداً فرداً بہت سے دینی امور میں غلطی ہو جاتی ہے، لہٰذا امت کا ہر فرد تو خطا ولغزش سے معصوم نہیں، مگر امت کا مجموعہ معصوم ہے، یعنی پوری امت بحیثیت مجموعی متفقہ طور پر کوئی ایسا فیصلہ یا عمل نہیں کرسکتی جو قرآن وسنت اور اللہ کی مرضی کے خلاف ہو، جس طرح قرآن وسنت کا کوئی فیصلہ غلط نہیں ہوسکتا اسی طرح کسی زمانہ کے تمام مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ جو کسی دینی مسئلہ میں ہوا ہو غلط نہیں ہوسکتا، بعد کے تمام مسلمانوں پر اسکی پابندی لازم ہے۔

اس سلسلہ میں چند آیات قرآنیہ:

چنانچہ قرآن کریم نے بتایا کہ آخرت میں جو سزا آنحضرت ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کو ملے گی وہی سزا ان لوگوں کو دی جائے گی جو مسلمانوں کا متفقہ دینی طریقہ چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کریں گے، ارشاد ہے[1]:

(۱) ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّه مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِه جَهَنَّمَ وَسَاءَ تْ

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ آمدی کی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام ص ۱۰۳ تا ص ۱۰۷ ج ۱، وتفسیر معارف القرآن ص ۵۴۶ تا ص ۵۴۷ ج دوم۔

مَصِيْرًا﴾ (نساء:۱۱۵)

''اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر ظاہر ہو چکا ہو اور سب مسلمانوں کے (دینی) راستہ کے خلاف چلے گا تو ہم اس کو (دنیا میں) جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور (آخرت میں) اسکو جہنم میں داخل کر دیں گے، اور وہ بہت بری جگہ ہے''

معلوم ہوا کہ امت کے متفقہ فیصلے (اجماع) کی مخالفت گناہ عظیم ہے۔

(۲) قرآن کریم نے اس امت کے مجموعہ کو یہ مژدہ سنایا ہے کہ:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (بقرہ:۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تم کو ایسی امت بنایا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے، تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور تمہارے (قابل شہادت اور معتبر ہونے کے) لئے رسول (ﷺ) گواہ بنیں۔''

معلوم ہوا کہ اس امت کے جو اقوال و افعال متفقہ طور پر ہوں وہ سب اللہ تعالی کے نزدیک درست اور حق ہیں، کیونکہ اگر سب کا اتفاق کسی غلط بات پر تسلیم کیا جائے تو اس ارشاد کے کوئی معنی نہیں رہتے کہ ''یہ امت نہایت اعتدال پر ہے'' نیز اس آیت میں اللہ تعالی نے اس امت کو گواہ قرار دے کر دوسرے لوگوں پر اس کی بات کو حجت قرار دیا ہے، اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ اس امت کا اجماع حجت ہے، اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اجماع کا حجت ہونا صرف صحابہؓ یا تابعینؒ کے زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر زمانہ کے مسلمانوں کا اجماع معتبر

ہے، کیونکہ آیت میں پوری امت کو خطاب ہے، اور آنحضرت ﷺ کی امت صرف صحابہؓ وتابعینؒ نہ تھے بلکہ قیامت تک کی آنے والی نسلیں جو مسلمان ہیں وہ سب آپؐ کی امت ہیں تو ہر زمانے کے مسلمان اللہ کے گواہ ہو گئے، جن کا قول حجت ہے، وہ سب کسی غلط کاری یا گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتے[1]۔

(۴) قرآن حکیم نے ہی اس امت کو "خیر الامم" قرار دے کر اس کی صفت یہ بتائی ہے کہ وہ اچھے کاموں کا حکم دیتی ہے اور برے کاموں سے منع کرتی ہے، ارشاد ہے۔

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ﴾

"تم سب سے بہتر امت ہو جو لوگوں کے (نفع و ہدایت پہنچانے کے لئے) ظاہر کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

پچھلی آیت کی طرح اس آیت میں بھی پوری امت سے بحیثیت مجموعی خطاب ہے اور اس میں تین طریقوں سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اس امت کا اجماع شرعی حجت اور فقہی دلیل ہے۔

اول یہ کہ اس امت کو ظاہر ہے کہ بہترین امت اس لئے کہا گیا ہے کہ اس امت کا مجموعہ دین کی صحیح تعلیمات پر قائم رہے گا، اگر چہ اس کے بہت سے افراد الگ الگ دین میں کمزور بلکہ بہت کمزور ہوں، مگر ہر زمانہ میں اس امت کا مجموعہ

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے احکام القرآن للجصاص، ص ۱۰۱ تا ص ۱۰۴، ج اول مطبوعہ مصر ۱۳۴۷ھ و تفسیر معارف القرآن، ص ۳۷۲ تا ص ۳۷۳، ج اول۔

مل کر اللہ کے دین کو مکمل طور پر تھامے رہے گا، پورا مجموعہ کبھی گمراہ نہ ہوگا، لہٰذا ان کا مجموعہ بھی لامحالہ حجت ہوگا، اس لئے کہ اگر ان سب کا اتفاق کسی غلط بات پر تسلیم کیا جائے تو وہ اتفاق گمراہی پر ہوگا پھر ایک گمراہ امت بہترین امت کیسے ہوسکتی ہے[۱]؟

دوسرے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کے متعلق یہ تصدیق فرمادی ہے کہ "یہ نیک کاموں کا حکم دیتی ہے" معلوم ہوا کہ جس کام کا یہ حکم دے گی وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور نیک کام ہوگا، اس کا حاصل بھی یہ ہے کہ یہ امت متفقہ طور پر جس کام کا حکم دے گی چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہے لہٰذا اس کی پابندی سب پر لازم ہوگی۔

تیسرے اس آیت میں فرمادیا کہ یہ "امت برے کاموں سے منع کرتی ہے" معلوم ہوا کہ جس کام سے یہ امت متفقہ طور پر منع کردے وہ کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ اور برا ہے اور اس سے اجتناب لازم ہے۔

الحاصل اس امت کا اجماعی فیصلہ خواہ کسی کام کے کرنے کا ہو یا کام سے باز رہنے کا، ہر صورت میں یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے[۲] مطابق ہوگا، ورنہ اگر ان کے فیصلہ کو غلط قرار دیا جائے، یعنی جس کام کا اس نے حکم دیا اسے برا سمجھا جائے اور جس کام سے منع کیا اسے اچھا سمجھا جائے تو لازم آئے گا کہ یہ امت برائی کا حکم دینے والی اور اچھائی سے منع کرنے والی ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ بات اس آیت

---

(۱) دیکھئے شیخ ابوبکر جصاص رازیؒ کی مشہور کتاب "احکام القرآن" ص ۱۴۱ ج ۲، طبع مصر، اور تسہیل الوصول ص ۲۷۴، طبع ملتان۔

(۲) یہ سب تفصیل بھی شیخ ابوبکر جصاص رازیؒ نے "احکام القرآن" میں ذکر فرمائی ہے، ص ۱۴۱ ج ۲۔

کے صریح خلاف ہے[۱]۔

(۴) نیز قرآن کریم کا حکم ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾

(آل عمران:۱۰۳)

''اور اللہ کی رسی (دین) کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑے رہو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو''

اور ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں کے متفقہ دینی فیصلے (اجماع) کی مخالفت امت میں پھوٹ ہی ڈالنا ہے، جس سے قرآن کریم نے واضح طور پر ممانعت فرمائی ہے[۲]۔

رہا یہ سوال کہ فقہ کے بے شمار مسائل میں فقہاء کا آپس میں اختلاف ہوا ہے لہٰذا وہ بھی اس آیت کی رو سے ناجائز ہونا چاہئے؟ جواب یہ ہے کہ فقہاء کا اختلاف جن مسائل میں ہوا ہے ان میں سے کوئی بھی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کا صریح فیصلہ قطعی طور پر قرآن وسنت سے یا اجماع سے ثابت ہو چکا ہو، فقہاء کا اختلاف صرف ان فروعی مسائل میں ہوا ہے جن میں قرآن وسنت کا کوئی صریح اور قطعی فیصلہ موجود نہیں تھا، یا جن کے متعلق خود احادیث میں اختلاف پایا جاتا تھا، اور ان پر امت کا اجماع بھی منعقد نہیں ہوا تھا، لہٰذا فقہاء کا یہ اختلاف اس آیت کی ممانعت میں داخل نہیں، بلکہ ان کا اختلاف فروعی مسائل میں اجتہادی نوعیت کا ہے، جو صحابہ کرامؓ کے زمانے سے چلا آرہا ہے، خود عہد رسالتؐ میں بھی فروعی

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ آمدیؒ کی الاحکام فی اصول الاحکام، ص ۱۰۹ تا ۱۱۱ ج اول مطبوعہ مصر۔

(۲) حوالہ بالا، ص ۱۱۱ جلد اول وتفسیر قرطبی، ص ۱۶۴ ج ۴، مطبوعہ مصر۔

مسائل میں صحابہؓ کا اختلاف ہوا ہے، جس کی بہت سی مثالیں کتب حدیث میں موجود ہیں، اور آنحضرت ﷺ نے اس کی کبھی مذمت نہیں فرمائی، بلکہ ایسے اختلاف کو امت کے لئے رحمت قرار دیا ہے اور جس مسئلہ پر اجماع منعقد ہو چکا ہو وہ مسئلہ ظنی یا اجتہادی نہیں رہتا، بلکہ قطعی ہو جاتا ہے، اس سے اختلاف کرنا فقہاء مجتہدین کو بھی جائز نہیں، کیونکہ اس کی مخالفت امت میں پھوٹ ڈالنا ہے، جسے قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے۔

(۵) ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ، وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ (توبہ:۱۱۹)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو''

اس آیت میں ہر زمانے کے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ سچے لوگوں ''الصادقین'' کے ساتھ رہیں، جس کا مقصد ظاہر ہے یہ ہے کہ اعمال میں ان کی پیروی کی جائے، رہا یہ سوال کہ صادقین سے کیسے لوگ مراد ہیں؟ تو اس کا جواب خود قرآن کریم ہی نے سورۂ بقرہ کی آیت (نمبر ۱۷۷) لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَکُمْ.... تا.... اُوْلٰئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ، وَاُوْلٰئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ میں دیا ہے، وہاں صادقین کی صفات تفصیل سے بیان کی گئی ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ صادقین وہ حضرات ہیں جو اعتقاد کے بھی سچے ہوں اور ظاہر و باطن کے بھی سچے ہوں۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس[1] آیت سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ صادقین کا وجود ہر زمانے میں باقی رہے گا، ورنہ ان کے ساتھ رہنے کا حکم ہر

(۱) تفسیر کبیر، ص ۵۱۳ ج ۴۔

زمانے کے تمام مسلمانوں کو نہ دیا جاتا، کیونکہ اسلام نے کسی کو ایسا حکم نہیں دیا جس پر عمل کرنا اس کی قدرت سے باہر ہو، تو اس آیت سے جب یہ ثابت ہوگیا کہ صادقین ہر زمانے میں موجود رہیں گے تو یہ خود بخود ثابت ہوگیا کہ کسی زمانہ کے سب مسلمان کسی غلط کاری یا گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتے، کیونکہ کچھ لوگ بلکہ اکثر لوگ بھی اگر کوئی غلط کام یا فیصلہ کرنا چاہیں گے تو اس زمانے کے صادقین اس سے متفق نہیں ہو سکتے، معلوم ہوا کہ امت کا اجماعی فیصلہ کبھی گمراہی اور بے دینی کی بات پر یا حق کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

چند احادیث:

آنحضرت ﷺ نے احادیث میں اجماع کی حقانیت کو اور زیادہ صراحت اور تاکید سے بیان فرمایا، اس سلسلہ کی احادیث اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا مجموعہ حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے، فقہاء و محدثین نے آنحضرت ﷺ کی جن احادیث سے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے ان میں سے صرف وہ حدیثیں جو احقر کو سرسری تلاش سے دستیاب ہوگئیں انہی کو روایت کرنے والے صحابہ کرامؓ کی تعداد مجموعی طور پر بیالیس ہے، ذرا اہتمام سے جستجو کی جائے تو اس مضمون کی نہ جانے کتنی حدیثیں جو کتنے ہی مزید صحابہ کرامؓ نے روایت کی ہوں گی اور مل جائیں، بہر حال جن صحابہ کرامؓ کی روایتیں اس ناچیز کو چند روز کی سرسری تلاش میں ملی ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت علی (۴) حضرت عبداللہ بن مسعود (۵) حضرت ابن عباس (۶) حضرت عبداللہ بن عمر (۷) حضرت انس (۸) حضرت ابوسعید خدری (۹) حضرت ابو ہریرہ (۱۰) حضرت حذیفہ بن

الیمان (۱۱) حضرت مغیرہ بن شعبہ (۱۲) حضرت معاویہ (۱۳) حضرت جابر بن عبداللہ (۱۴) حضرت ابو مسعود انصاری (۱۵) حضرت ابو ذر غفاری (۱۶) حضرت ثوبان (۱۷) حضرت قدامہ بن عبداللہ بن عمار الکلابی (۱۸) حضرت ابو مالک اشعری (۱۹) حضرت عرفجہ (۲۰) حضرت حارث اشعری (۲۱) حضرت عامر بن ربیعہ (۲۲) حضرت فضالہ بن عبید (۲۳) حضرت ابو بصرہ (۲۴) حضرت زید بن ارقم (۲۵) حضرت جابر بن سمرہ (۲۶) حضرت ابو امامہ (۲۷) حضرت سعد بن ابی وقاص (۲۸) حضرت مرۃ البہزی (۲۹) حضرت قرۃ (۳۰) حضرت عقبہ بن عامر (۳۱) حضرت معاذ بن جبل (۳۲) حضرت جبیر بن مطعم (۳۳) حضرت زید بن ثابت (۳۴) حضرت نعمان بن بشیر (۳۵) حضرت ابوالدرداء (۳۶) حضرت ابو قرصافہ (۳۷) حضرت اسامہ بن شریک (۳۸) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص (۳۹) حضرت عوف بن مالک (۴۰) حضرت عمرو ابن عوف (۴۱) حضرت عثمان غنی (۴۲) حضرت عائشہ [۱] رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ان حضرات میں بعض صحابہ کرامؓ نے تو مذکورہ بالا مضمون کی کئی کئی حدیثیں روایت کی ہیں، لہٰذا حجیت اجماع پر دلالت کرنے والی احادیث کی تعداد تو بہت ہی زیادہ ہو جاتی ہے، پھر صحابہ کرام کے بعد ان احادیث کے راویوں کی تعداد ہر زمانہ میں بڑھتی ہی چلی گئی ہے، ان میں ہر حدیث اگرچہ الگ الگ خبر واحد (غیر متواتر) ہے اور ان کے الفاظ بھی باہم مختلف ہیں مگر اتنی بات ان سب احادیث میں مشترک اور متواتر [۲] پائی جاتی ہے کہ اس امت کا متفقہ فیصلہ یا

(۱) ان سب صحابہ کرامؓ کی روایتوں کے مفصل حوالے آگے احادیث کے ذیل میں تفصیل سے آئیں گے۔
(۲) دیکھئے علامہ ابن الہمام کی کتاب ''التحریر'' کی شرح ''التقریر والتحبیر'' لابن امیر الحاج، ص ۸۵ ج ۳ مطبوعہ مصر ۱۳۱۷ھ۔

عمل ہر خطاء ولغزش سے پاک ہے، اس طرح اجماع کا حجت ہونا تواتر سے روز روشن کی طرح ثابت ہوجاتا ہے، یہاں سب احادیث نقل کرنے کا تو موقع نہیں مثال کے طور پر چند ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس کے متعلق کوئی صریح حکم یا ممانعت (قرآن وسنت میں) موجود نہ ہوتو میرے لئے آپ کا کیا حکم ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا۔

شاوروافیه الفقهاء و العابدین و لاتمضوا فیه رأی خاصة

(الطبرانی فی الاوسط ورجالہ موثقون من اہل الصحیح کذا فی مجمع الزوائد[۱])

''کہ اس معاملہ میں تم فقہاء اور عابدین سے مشورہ کرو اور شخصی رائے کو نافذ نہ کرو۔''

معلوم ہوا کہ کسی زمانہ کے فقہاء و عابدین متفقہ طور پر جس چیز کا حکم دیں یا ممانعت کریں، اس کی مخالفت جائز نہیں، کیونکہ ان کا متفقہ فیصلہ غلط نہیں ہوسکتا۔

(۲) حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا[۲] ہے کہ:

لا تزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین الی یوم القیامة

''میری امت میں ایک جماعت (قریب) قیامت تک حق کیلئے

(۱) مجمع الزوائد، باب فی الاجماع، ص ۱۷۸ ج اول، طبع بیروت۔

(۲) مسلم شریف، کتاب الایمان ''باب نزول عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام'' ص ۸۷ ج اول، طبع کراچی۔

سربلندی کے ساتھ برسرپیکار رہے گی۔"

آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد حضرت جابرؓ کے علاوہ مزید آٹھ صحابہ کرامؓ نے بھی تھوڑے تھوڑے لفظی فرق کے ساتھ (جس سے معنی نہیں بدلتے) راویت کیا ہے، ان حضرات کی روایتیں صحیح اور قوی سندوں کے ساتھ مستند کتب حدیث میں مذکور ہیں، وہ آٹھ صحابہ کرامؓ یہ ہیں۔

(۱) حضرت [۱] مغیرہ بن شعبہ (۲) حضرت [۲] ثوبان (۳) حضرت [۳] عمر فاروق (۴) حضرت جابر بن سمرۃ (۵) حضرت ابو ہریرہ (۶) حضرت زید بن ارقم (۷) حضرت ابوامامہ (۸) حضرت [۴] مرۃ البہزی رضی اللہ عنہم اجمعین۔

امام بخاریؒ کی رائے ہے کہ اس حدیث میں جس جماعت کا ذکر ہے اس سے مراد اہل علم ہیں، بہرحال اس حدیث میں صراحت ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہر زمانے میں حق پر قائم رہے گی، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس امت کا

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الاعتصام باب قول النبی ﷺ "لاتزال طائفة من امتی الخ" ص ۱۰۸۷ ج ۲، طبع کراچی۔

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الفتن، ص ۵۸۳، ۵۸۴، ج ۲، طبع کراچی، سنن ابن ماجہ ابواب الفتن باب ما یکون من الفتن، ص ۲۸۳، طبع کراچی،

(۳) صحیح بخاری کتاب العلم باب "من یرد الله به خیرا" الخ ص ۱۶ ج اول۔

(۴) حضرت عمرؓ سے حضرت مرۃ البہزی رضی اللہ عنہما تک چھ حضرات صحابہؓ کی روایتیں علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں اسانید و متون اور اصل مآخذ کے حوالوں کے ساتھ نقل فرما کر سب کی سندوں کی توثیق فرمائی ہے، البتہ صرف مرۃ البہزی رضی اللہ عنہ کی روایت جو طبرانی کے حوالہ سے نقل کی ہے، اس کی سند کے متعلق یہ کہا ہے کہ "وفیه جماعة لم اعرفهم" دیکھئے مجمع الزوائد، ص ۲۸۷ تا ص ۲۸۹ ج ۷ طبع بیروت ۱۹۶۷ء۔

مجموعہ کبھی کسی گمراہی یا غلط کاری پر متفق نہیں ہوسکتا۔

(۳) حضرت معاویہؓ نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد خطبہ دیتے ہوئے مجمع عام میں سنایا(۱) کہ:

لن یزال امر هذه الامة مستقيما حتى تقوم الساعة

''اس امت کی حالت قیامت تک سیدھی اور درست رہے گی۔''

معلوم ہوا کہ پوری امت کا مجموعہ کبھی کسی غلط بات پر متفق نہیں ہوسکتا۔

(۴) آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد اجماع کے حجت ہونے پر سب سے زیادہ صریح ہے کہ:

ان الله لا يجمع امتي اوقال امة محمد على ضلالة ، ويدالله على الجماعة ومن شذشذ على النار.

''اللہ میری امت کو کسی گمراہی پر متفق نہیں کرے گا، اور اللہ کا ہاتھ جماعت (مسلمین) پر ہے اور جو الگ راستہ اختیار کرے گا جہنم کی طرف جائے گا''

آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد آٹھ صحابہ کرامؓ نے تھوڑے تھوڑے لفظی فرق کے ساتھ نقل کیا ہے، کسی نے تفصیل سے کام لیا کسی نے اختصار سے، مگر اتنا جملہ سب صحابہ کرامؓ نے نقل فرمایا ہے کہ ''امت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر متفق نہیں کرے گا''

اوپر حدیث کے جو الفاظ لکھے گئے ہیں یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے روایت کردہ ہیں(۲) باقی سات صحابہ کرامؓ جنہوں نے یہ حدیث روایت کی ہے یہ ہیں۔

(۱) صحیح بخاری کتاب العلم باب ''من یرد الله به خیرا'' الخ ص ۱۶ ج اول۔

(۲) جامع ترمذی، ابواب الفتن، باب لزوم الجماعۃ، ص ۳۹ ج ۲، (باقی اگلے صفحہ میں)

(۱) حضرت[۱] ابن عباس (۲) حضرت[۲] انس (۳) حضرت[۳] ابو مالک اشعری (۴) حضرت[۴] ابو بصرہ (۵) حضرت قدامہ بن عبداللہ[۵] بن

(بقیہ صفحہ گزشتہ) طبع کراچی و مستدرک حاکم کتاب العلم، ص ۱۱۵ تا ۱۱۶ ج اول، طبع دکن ۱۳۳۴ھ۔ ترمذی نے اس حدیث کو "حدیث غریب من هذا الوجه" کہا ہے، مگر یہ "غریب" کہنا سند کے ایک خاص طریق کی بناء پر ہے۔ ورنہ حاکم نے اسی حدیث کی سند سات مختلف طرق سے بیان کی ہے، ان سب طرق کا مدار "معتمر بن سلیمان" پر ہے، جو ائمہ حدیث میں سے ہیں، اور ان میں کئی طریق سند کے لحاظ سے صحیح ہیں، چنانچہ طریق اول میں معتمر کے شاگرد خالد کے متعلق حاکم فرماتے ہیں کہ "خالد بن يزيد القرني شيخ قديم للبغداديين ولو حفظ هذا الحديث لحكمناله بالصحة" پانچواں طریق جس میں معتمر کے شیخ سالم بن ابی الزیال" ہیں اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ "ہذا لو کان محفوظا من الراوی لکان من شرط الصحیح" کیونکہ بقول حافظ ابن حجر سالم بن ابی الزیال ثقہ ہیں، اور ان سے ایک حدیث صحیح مسلم میں مروی ہے۔ (تقریب التہذیب، ص ۳۱۴ ج اول)
حاکم نے ساتوں طریق بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ "ان المعتمر بن سليمان احد ائمة الحديث وقد روى عنه هذا الحديث باسانيد يصح بمثلها الحديث فلابد ان يكون له اصل باحد هذه الاسانيد حاکم کی اس پوری تحقیق پر حافظ ذہبیؒ نے سکوت فرمایا ہے جو ان کی توثیق کی علامت ہے۔

(۱) جامع ترمذی حوالہ بالا و مستدرک حاکم حوالہ بالا، ص ۱۱۶ ج اول۔

(۲) سنن ابن ماجہ ابواب الفتن، باب السواد الاعظم، ص ۲۸۳، طبع کراچی و مستدرک کتاب العلم ص ۱۱۶، ۱۱۷ ج اول و کتاب الفقیہ والمتفقہ للخطیب ص ۱۶۱ جزو پنجم مطبوعہ ریاض، ۱۳۸۹ھ۔

(۳) سنن ابی داؤد، کتاب الفتن، ص ۵۸۴، ج ۲، طبع کراچی، و جمع الفوائد، ص ۵۸۴ ج ۲، طبع المدینۃ المنورۃ، ابوداؤد نے ابو مالک اشعری کی اس روایت پر سکوت کیا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ اس کی سند ان کے نزدیک قابل استدلال ہے۔

(۴) مجمع الزوائد بحوالہ احمد والطبرانی، ص ۸۵ ج ۳، ابن امیر الحاج "التقریر" میں نقل فرماتے ہیں کہ: ابوبصرہ کی اس روایت کے تمام راوی "رجال صحیح" ہیں، سوائے ایک تابعی کے جو مبہم ہے، لیکن اس روایت کا ایک شاہد حدیث مرسل ہے، جس کے سب رجال صحیح ہیں، اسے طبریؒ نے سورہ انعام کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

(۵) مستدرک حاکم، ص ۵۰۷ ج ۴، حاکم حضرت قدامہ کی اس روایت (باقی اگلے صفحہ میں)

عمار الکلابی (٦) حضرت ابو ہریرہؓ[1] (۷) حضرت[2] ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ان آٹھ صحابہ کرامؓ کے علاوہ اس حدیث کو مشہور تابعی حضرت حسن بصریؒ نے کسی صحابی کا حوالہ دیئے بغیر آنحضرت ﷺ سے روایت[3] کیا ہے۔

۵۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک مرتبہ حاضرین کے سامنے خطبہ دیا، اور فرمایا کہ آج میں تمہارے سامنے اس طرح خطبہ دینے کیلئے کھڑا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے کھڑے ہوئے تھے، اور آپؐ نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا[4] تھا کہ:

(بقیہ صفحہ گزشتہ) کے متعلق فرماتے ہیں کہ: "هذا الحديث لم نكتب بهذا الاسناد الاحديثا واحدا" حافظ ذہبیؒ نے یہاں بھی سکوت فرمایا ہے۔

(۱) کتاب الفقیہ والمتفقہ للخطیب البغدادی، ص ۱۶۲ جزو خامس، مطبوعہ ریاض، خطیب نے ابو ہریرہؓ کی یہ روایت اپنی سند سے بیان کی ہے، اور سند پر کوئی کلام نہیں کیا۔

(۲) مستدرک حاکم، ص ۵۰۷ ج ۴ و فتح الباری، ص ۱۳۱، ۱۳ مطبوعہ بیروت ۱۳۰۱ھ، حافظ ابن حجرؒ اور حاکم نے ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت موقوفاً بیان کی ہے، حافظ ابن حجرؒ نے سکوت فرمایا ہے کہ جو ان کی توثیق کی علامت ہے، اور حاکم نے اسے "صحیح" علی شرط مسلم قرار دیا ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ یہ حدیث ہم نے مسندا (غالبا مرفوعاً مراد ہیں، رفیع) بھی اپنے پاس لکھی ہے، مگر اس کی سند شرط مسلم کے معیار پر نہیں (اس لئے مستدرک میں اسے ذکر نہیں کیا) حافظ ذہبیؒ نے حاکم کی اس پوری تحقیق پر یہاں بھی سکوت فرمایا ہے۔

(۳) دیکھئے التقریر والتحبیر، ص ۸۵ ج ۳، وتفسیر ابن جریر طبری، سورہ انعام ص ۱۳۷ ج ۷، علامہ ابن امیر الحاج نے حضرت حسن بصریؒ کی اس مرسل روایت کے بارے میں کہا ہے کہ "اس کے تمام راوی صحیح کے رجال ہیں"

(۴) جامع الترمذی، ص ۴۸، ۴۹ ج ۲ مطبوعہ قرآن محل کراچی، ومستدرک حاکم، ص ۱۱۴ ج ۱، امام ترمذی نے اس حدیث کو "حسن صحيح غريب من هذا الوجه" کہا ہے، اور حاکم اور حافظ ذہبی دونوں نے اسے "صحیح علی شرط الشیخین" قرار دیا ہے۔

اوصیکم با صحابی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ، ثم یفشو الکذب حتی یحلف الرجل ولا یستحلف و یشھد ولا یستشھد ، فمن اراد منکم بحبوحة الجنة فلیلزم الجماعة فان الشیطان مع الواحد وھو من الا ثنین ابعد.

(رواه الترمذی فی الجامع و الحاکم فی المستدرک.واللفظ له قال الحاکم: ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخر جاه واقره الذھبی)

’’میں تم کو اپنے صحابہ (کی پیروی) کی وصیت کرتا ہوں، پھران لوگوں (کی پیروی) کی جو ان کے بعد ہوں گے ، (یعنی تابعین) پھر ان لوگوں (کی پیروی) کی جوان (تابعین) کے بعد ہوں گے (یعنی تبع تابعین) پھرجھوٹ پھیل جائے گا حتی کہ آدمی قسم کھائے گا ، حالانکہ اس سے کسی نے قسم کا مطالبہ نہ کیا ہوگا اور گواہی دے گا حالانکہ اس سے کسی نے گواہی طلب نہ کی ہوگی ، پس تم میں سے جوشخص جنت کے بیچوں بیچ رہنا چاہتا ہو وہ ’’الجماعۃ‘‘[1] (مخصوص جماعت) کو لازم پکڑلے (یعنی اپنے اعتقاد اور افعال میں اس جماعت کا اتباع کرے) کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے زیادہ دور رہتا ہے۔‘‘

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تبع تابعین کے بعد دنیا میں جھوٹ پھیل جانے کی خبر دی ہے، مگر ساتھ ہی ’’الجماعۃ‘‘ (مخصوص جماعت) کے ساتھ رہنے اور اس کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دینی اعتبار سے بگڑے ہوئے زمانے میں بھی امت میں ایک خاص ’’جماعت‘‘ ایسی رہے گی جو حق پر ہوگی ، اور اس کا اتباع واجب ہوگا ، جس کا لازمی نتیجہ وہی ہے جو پیچھے کئی آیات

---

(۱) ’’الجماعۃ‘‘ عربی زبان میں مخصوص جماعت کو کہتے ہیں، جس کی تشریح آگے آئے گی۔

اور احادیث سے معلوم ہو چکا ہے، کہ امت کا پورا مجموعہ کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہوگا، رہی یہ بات کہ "الجماعۃ" سے مسلمانوں کی کیسی جماعت مراد ہے؟ اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

"الجماعۃ" کے ساتھ رہنے اور اس کی اتباع کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حکم حضرت عمرؓ نے اس حدیث میں نقل فرمایا ہے اسے چار اور صحابہ کرامؓ (۱) حضرت سعد[۱] بن ابی وقاص (۲) حضرت[۲] عبد اللہ بن عمر (۳) حضرت[۳] حذیفہ اور (۴) حضرت[۴] معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کیا ہے۔

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ کی مسجد خیف میں خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا کہ:

ثلاث لا یغل علیھن قلب مسلم اخلاص العمل للہ، والنصیحۃ للمسلمین، ولزوم جماعتھم فان دعوتھم تحیط من ورائھم.

"تین خصلتیں ایسی ہیں کہ ان کی موجودگی میں کسی مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا عمل میں اللہ کیلئے اخلاص، مسلمانوں کی خیر خواہی اور

---

(۱) مستدرک حاکم، ص ۱۱۴ و ۱۱۵، ج اول، اور ذہبی دونوں نے ان کی روایت کو بھی سنداً "صحیح" قرار دیا ہے۔

(۲) مستدرک حاکم، ص ۱۱۴ ج اول۔

(۳) صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب کیف الامر اذا لم یکن جماعۃ، ص ۱۰۴۹ ج ۲ و صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین عند ظھور الفتن، ص ۱۲۷ ج ۲۔

(۴) مشکوۃ شریف، ص ۳۱ ج ۱ کتاب العلم باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ بحوالہ مسند احمد۔

جماعت مسلمین کا اتباع ، کیونکہ انکی دعا پیچھے سے ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے،''جوان کو (گمراہی اور نفس وشیطان کی حیلہ سازیوں سے بچاتی ہے)۔''

معلوم ہوا کہ جوشخص اپنے اعتقاد اور عمل میں جماعت مسلمین کا اتباع کرے گا ، خیانت اور گمراہی سے محفوظ رہے گا ، اس حدیث کا حاصل بھی وہی ہے کہ جماعت مسلمین کا متفقہ عقیدہ یا عمل کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔

اس حدیث کودس صحابہ کرامؓ نے روایت کیا ہے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں: (۱) حضرت[1] ابن مسعود (۲) حضرت[2] انس (۳) حضرت جبیر[3] بن مطعم (۴) حضرت[4] زید بن ثابت (۵) حضرت نعمان[5] بن بشیر

(۱) مشکوٰۃ المصابیح ، کتاب العمل ، والفصل الثانی ،ص ۳۵ ج اول ، اصح المطابع کراچی (بحوالہ امام شافعی وبیہقی) نیز دیکھئے ''الرسالۃ'' امام شافعیؒ الجزء الثالث ،ص ۴۰۱ تا ص ۴۰۳ مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی ،مصر الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۵ھ) امام شافعیؒ نے اس حدیث سے بھی اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے۔

(۲) مسند احمد ،ص ۲۲۵ ج ۳ ،مطبوعہ بیروت۔

(۳) سنن ابن ماجہ ، کتاب المناسک ، باب الخطبہ یوم النحر ،ص ۲۱۹ ، (اصح المطابع کراچی) ، ابن ماجہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد خطبہ حجۃ الوداع میں منیٰ کی مسجد خیف میں فرمایا تھا ، اور مجمع الزوائد میں تو اس کی پوری صراحت ہے ، دیکھئے مجمع الزوائد ص ۱۳۷ تا ۱۳۹ ج ۱ ، ومسند احمد ،ص ۸۰ و ۸۲ ج ۴ ومستدرک حاکم ، کتاب العلم باب ''ثلاث لایغل علیھن الخ ، ص ۸۶ تا ۸۸ ج اول ، حاکم اور ذہبی دونوں نے ان کی روایت کو ''صحیح علیٰ شرط الشیخین'' کہا ہے۔

(۴) مسند احمد ،ص ۱۸۳ ج ۵۔

(۵) مستدرک ، کتاب العلم ، باب ''ثلاث لا یغل علیھن الخ ص ۸۸ ج اول ، حاکم اور ذہبی دونوں نے ان کی روایت کو ''صحیح علی شرط مسلم'' قرار دیا ہے۔

(٦) حضرت ابوسعید خدریؓ[1] (۷) حضرت ابوالدرداء (۸) حضرت معاذ بن جبل (۹) حضرت جابر (۱۰) حضرت[2] ابوقر صافہ، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۷۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

يد الله على الجماعة، ومن شذ شذ الى النار.

''اللہ کا ہاتھ جماعت (مسلمین) پر ہے، اور جو شخص (ان سے) الگ راستہ اختیار کرے گا جہنم کی طرف جائے گا۔''

معلوم ہوا کہ ''الجماعۃ'' (مسلمانوں کی ایک مخصوص جماعت) کو اللہ تعالیٰ کی خاص تائید اور رہنمائی حاصل ہے، جو اس کو ہر خطاء سے بچاتی ہے، ان کے متفقہ عقیدہ یا عمل کے خلاف جو بات ہوگی غلط اور باطل ہوگی، اسی لئے پچھلی احادیث میں ''الجماعۃ'' کے اتباع کا حکم بڑی تاکید سے دیا گیا ہے، اور یہاں ''الجماعۃ'' سے الگ راستہ اختیار کرنے والوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ ان کا راستہ جہنم کا راستہ ہے۔

یہ حدیث حضرت[3] عبداللہ بن عمرؓ نے روایت کی ہے، اور اس کا پہلا جملہ ''

---

(۱) حضرت ابوسعید خدریؓ سے حضرت ابوقر صافہؓ تک پانچ صحابہ کرام کی روایتیں علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں قدرے ضعیف یا غیر موثوق سندوں سے ذکر کی ہیں۔ ص ۱۳۷ تا ص ۱۳۹ ج ۱۔

(۲) ابوقر صافہ، ان کی کنیت اور نام ''جندرة بن خشنة'' ہے، علامہ ابن الاثیر جزریؒ نے اسد الغابہ میں کہا ہے کہ یہ صحابی ہیں، فلسطین جا کر آباد ہو گئے تھے، شام کے محدثین نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں، اسد الغابہ میں ان کے والد کا نام ایک جگہ ''خیشنته'' اور دوسری جگہ ''حبشية'' لکھا ہے، بظاہر پہلا ہی نام صحیح ہے، کیونکہ اس کے حروف کو علامہ جزریؒ نے ضبط کیا ہے، دوسرے کو ضبط نہیں، دیکھئے اسد الغابہ ص ۳۰۷ وص ۳۷۷ ج ۵، مجمع الزوائد میں ان صحابی کا نام ''حیدرہ بن خیثمہ'' لکھا ہے، جو بظاہر کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، دیکھئے مجمع الزوائد ص ۱۲۸ ج ۱۔

(۳) جامع ترمذی، ابواب الفتن، باب لزوم الجماعۃ ص ۳۹ ج ۲، ومستدرک (باقی اگلے صفحہ میں)

یداللہ علی الجماعۃ'' مزید دو صحابہ کرامؓ (۱) حضرت [۱] عبداللہ بن عباس اور (۲) حضرت [۲] عرفجہ رضی اللہ عنہما نے بھی روایت کیا ہے۔

۸۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

من فارق الجماعة شبر افمات مات ميتة جاهلية

(رواہ البخاری ومسلم والخطیب وغیرہم عن ابن عباس وغیرہ)

'' جس شخص نے جماعت (مسلمین) سے علیحدگی اختیار کی اور اسی حالت میں مرگیا، تو وہ جاہلیت کی موت مرا''

''جاہلیت'' قرآن وسنت کی اصطلاح میں اس دور کو کہا گیا ہے جب عرب میں کفر کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا، اور اسلام کا سورج طلوع نہ ہوا تھا، اس حدیث سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ''الجماعۃ'' سے علیحدگی اختیار کرنے یعنی ان کے متفقہ فیصلے، عقیدے یا عمل کی مخالفت کو کتنا سنگین جرم قرار دیا ہے، آپ ﷺ نے اس کی ممانعت میں اتنی تاکید سے کام لیا کہ معتبر کتب حدیث میں صرف اسی مضمون کی اٹھارہ (۱۸) حدیثیں راقم الحروف کو ملی ہیں جو سولہ (۱۶) صحابہ کرامؓ نے روایت کی ہیں، ان میں ''الجماعۃ'' سے علیحدگی کی نہ صرف شدید مذمت کی گئی، بلکہ اس پر دنیا وآخرت کی سخت سزائیں مختلف انداز اور مختلف الفاظ میں بیان فرمائی ہیں، کئی حدیثوں میں ارشاد ہے کہ جس نے ''الجماعۃ'' سے بالشت بھر علیحدگی اختیار کی اور مرگیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا، کچھ

(بقیہ صفحہ گزشتہ) کتاب العلم، ص ۱۱۵ ج ۱، اس حدیث کی سند کا مفصل حال حدیث نمبر ۴ کے متعلقہ حاشیہ میں پیچھے بیان ہو چکا ہے، کیونکہ یہ حدیث درحقیقت حدیث نمبر ۴ ہی کا آخری حصہ ہے۔

(۱) جامع ترمذی حوالہ بالا و مستدرک حوالہ بالا، ص ۱۱۶ ج ۱۔

(۲) سنن نسائی ص ۱۵۸ ج ۲، وکتاب الفقہ والمتفقہ، ص ۱۶۲ جزو خامس۔

حدیثوں میں ارشاد ہے کہ:

فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه

''اس نے اسلام کا پھندا اپنی گردن سے نکال دیا''

کہیں ارشاد ہے کہ:

دخل النار

''وہ آگ میں داخل ہوگا''

کہیں ارشاد ہے کہ:

فلا حجة له

''اس کے پاس کوئی دلیل نہ رہی (جس کی بناء پر اسے معذور قرار دیا
دیا جاسکے اور وہ عذاب سے بچ سکے''

کہیں ارشاد ہے:

فلا تسئل عنهم

''ایسے لوگوں کا کچھ حال نہ پوچھو (کہ ان پر آخرت میں کیا عذاب
ہونے والا ہے)''

کہیں فرمان ہے کہ:

فاقتلوه

''اسے قتل کر ڈالو''

کہیں حکم ہے کہ:

فاضربوا عنقه كائنا من كان

''اس کی گردن ماردو خواہ وہ کوئی بھی ہو''

کہیں فرمایا ہے کہ:

فان الشیطان مع من فارق الجماعة یر کض

''جو شخص ''الجماعۃ'' سے علیحدگی اختیار کرے اسکے ساتھ شیطان ہوتا ہے جو اسے گناہوں کی طرف ایڑ لگاتا (دوڑاتا) رہتا ہے۔''

کہیں فرمایا:

اقتلوا الفذ من کان من الناس

''علیحدگی اختیار کرنے ''الجماعۃ'' کی مخالفت کرنے والے کو قتل کردو، وہ کوئی بھی آدمی ہو''

کہیں ارشاد ہے کہ:

واما ترک السنة فا لخروج من الجماعة

''ترک سنت یہ ہے کہ ''الجماعۃ'' سے خارج ہو جائے''

ایک حدیث صحیح میں یہ قانون بتایا گیا ہے کہ کسی کلمہ گو مسلمان کا خون صرف تین صورتوں میں حلال ہوتا ہے جن میں سے ایک صورت یہ ہے کہ وہ:

التارک لدینه المفارق للجماعة

''اپنے دین کو چھوڑنے والا (یعنی) ''الجماعۃ'' سے علیحدگی اختیار کرنے والا ہو۔''

جن صحابہ کرامؓ نے یہ حدیثیں روایت کی ہیں ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت[۱] ابن عباس (۲) حضرت[۲] عثمان غنی

(۱) صحیح بخاری، اول کتاب الفتن، باب ماجاء فی قول الله ''واتقوا فتنة لاتصیبن الذین ظلموا ص ۱۰۴۵۔ ج ثانی، وصحیح مسلم کتاب الامارة باب وجوب ملازمة المسلمین، ص ۱۲۸ ج ثانی، وکتاب الفقیہ والمتفقہ ص ۱۶۴ جزو خامس۔

(۲) ان کی روایت ''التارک لدینه المفارق للجماعة'' کیلئے دیکھئے (باقی اگلے صفحہ میں)

(۳) حضرت [۱] عرفجہ (۴) حضرت [۲] اسامہ بن شریک (۵) حضرت [۳] عائشہ (۶) حضرت [۴] ابو ہریرہ (۷) حضرت [۵] ابو ذر غفاری (۸) حضرت حارث [۶] اشعری

(بقیہ صفحہ گزشتہ) جامع ترمذی باب ماجاء لا یحل دم امرء مسلم الاباحدی ثلاث و ابواب الدیات، ص ۲۰۳، ج اول۔

(۱) ان کی روایت "فاضربوه بالسیف" کے لئے دیکھئے صحیح مسلم کتاب الامارة، باب حکم من فرق امر المسلمین ص ۱۲۸ ج ثانی وسنن نسائی، کتاب المحاربة "قتل من فارق الجماعة" ص ۱۵۸ ج ثانی وسنن ابوداؤد، کتاب السنۃ۔ باب قتل الخوارج، ص ۶۵۵ ج ثانی۔

(۲) ان کی روایت "فاضربوا عنقه" کیلئے دیکھئے سنن نسائی، حوالہ بالا۔

(۳) ان کی روایت "التارک لدينه المفارق للجماعة" کیلئے دیکھئے صحیح مسلم، کتاب القسامة و القصاص باب مایباح به دم المسلم، ص ۵۹ ج ثانی، وترمذی ابواب الدیات باب ماجاء لایحل دم امرء مسلم الخ ص ۲۰۳ ج اول۔

(۴) ان کی روایت "مات ميتة جاهلية" کیلئے دیکھئے سنن نسائی کتاب المحاربة "التغليظ فيمن قاتل تحت راية عمية، ص ۱۶۸ ج ثانی ومستدرک کتاب العلم "من فارق الجماعة الخ" ص ۱۱۸، و۱۱۹ ج اول، حاکم اور ذہبی نے ابو ہریرہؓ کی اس روایت کی سند کے متعلق کہا ہے کہ "قد اتفقا على اخراج ابی هريرةؓ فی مثل هذا."

نیز ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی روایت "واما ترک السنة فالخروج من الجماعة" کیلئے دیکھئے مستدرک کتاب العلم، ص ۱۲۰ ج اول، اس روایت کو حاکم اور ذہبی نے "صحیح علی شرط مسلم" قرار دیا ہے۔

(۵) ان کی روایت "فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه" کیلئے دیکھئے سنن ابوداؤد، کتاب السنۃ باب قتل الخوارج، ص ۶۵۵ ج ثانی، ابوداؤد نے ان کی روایت کی سند پر کوئی کلام نہیں کیا، نیز دیکھئے مستدرک ص ۱۱۷ ج اول، قال الذہبی فی سندہ "خالد لم یضعف"۔

(۶) ان کی روایت میں بھی وہی الفاظ ہیں جو ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی (باقی اگلے صفحہ میں)

(۹) حضرت [۱] معاویہ (۱۰) حضرت [۲] ابن عمر (۱۱) حضرت حذیفہ [۳] (۱۲) حضرت عامر [۴] بن ربیعہ (۱۳) حضرت فضالہ [۵] بن عبید (۱۴) حضرت ابن مسعود [۶]؛ (۱۵) حضرت ابو [۷] مالک اشعری

(بقیہ صفحہ گزشتہ) روایت میں ہیں، دیکھئے جامع ترمذی ابواب الامثال باب ماجاء فی مثل الصلوٰۃ والصیام الخ ص ۱۲۹ ج ۲، امام ترمذیؒ نے ان کی روایت کو "حدیث حسن صحیح غریب" کہا ہے، اوراسی حدیث کا ایک طریق بھی بیان کیا ہے، نیز دیکھئے مستدرک کتاب العلم ص ۱۱۷ اور ۱۱۸ ج اول۔

(۱) مستدرک، ص ۱۱۸ ج اول، حاکم اور ذہبی نے ان کی روایت "من فارق الجماعة شبرا دخل النار" کی سند پر سکوت کیا ہے۔

(۲) ان کی روایتؓ "فلا حجة له" کی سند کے متعلق حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ "قد اتفقا على اخراج ابی هريرة مثل هذا" دیکھئے مستدرک مع تلخیص ص ۱۱۸ اور ۱۱۹ ج اول، نیز ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی ایک اور روایت "اخرج من عنقه ربق اسلام" کے لئے دیکھئے کتاب الفقیه والمتفقه، ص ۱۶۳، جزو خامس۔

(۳) مستدرک ص ۱۱۹، ج اول، حافظ ذہبی نے ان کی روایت کردہ حدیث کو "صحیح" کہا ہے۔

(۴) ان کی روایت "مات ميتة جاهلية" کیلئے دیکھئے کتاب الفقيه والمتفقه، ص ۱۶۳، جزو خامس۔

(۵) مستدرک ص ۱۱۹ ج اول، حاکم اور ذہبی نے ان کی روایت "فلا تسال عنهم" کو صحیح على شرط الشيخين" کہا ہے۔

(۶) ان کی ایک روایت "فاقتلوه" کیلئے دیکھئے کتاب الفقیه والمتفقه، ص ۱۶۴، جزو خامس، نیز ان کی ایک اور روایت "التارک لدینه المفارق ل للجماعة" کیلئے دیکھئے کتاب القسامة والقصاص باب ما یباح به دم المسلم ص ۵۹ ج ۲ و ترمذی ابواب الديات باب ماجاء لا يحل دم امرا مسلم، ص ۲۰۳ ج اول۔

(۷) حوالہ بالا ایضاً۔

(۱۶) حضرت [۱] ابوبکر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۹۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ میں نے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے [۲] سنا ہے کہ:

ان امتی لا تجتمع علی ضلالة فاذا رایتهم اختلافا فعلیکم با لسواد الا عظم.

''میری امت کسی گمراہی پر متفق نہیں ہوگی پس جب تم (لوگوں میں) اختلاف دیکھو تو ''سواد اعظم'' کو لازم پکڑ لو (یعنی اس کی اتباع کرو)''۔

اس حدیث کا پہلا جملہ تو پیچھے بھی حضرت عمرؓ کی روایت سے آ چکا ہے، یہاں اس کا دوسرا جملہ ''پس جب تم اختلاف دیکھو تو سواد اعظم کو لازم پکڑ لو'' بیان کرنا مقصود ہے، آنحضرت ﷺ کا یہ دوسرا جملہ حضرت انسؓ کے علاوہ حضرت ابن [۳] عمرؓ نے بھی ایک اور روایت میں اس طرح نقل کیا ہے کہ:

فا تبعو ا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار

''پس تم ''سواد اعظم'' کا اتباع کرو، کیونکہ جو شخص الگ راستہ اختیار

---

(۱) یہ اسم گرامی سب سے پہلے لکھنا چاہئے تھا، مگر ان کی روایت ''اقتدوا الفذ'' الخ جس سند سے منقول ہے، اس میں ایک راوی ''صالح بن میتم'' ہیں جن کے متعلق حافظ ہیثمیؒ نے کہا ہے کہ ''میں ان کو نہیں جانتا اس سند کے باقی سب راوی ثقہ ہیں''، دیکھئے مجمع الزوائد، ص ۲۲۳ ج سادس۔

(۲) سنن ابن ماجہ، ابواب الفتن، باب السواد الاعظم، ص ۲۸۳۔

(۳) مستدرک کتاب العلم ص ۱۱۵ ج اول، حاکم نے ابن عمر کی یہ روایت دو طریق سے نقل کی ہے اور دونوں کے بارے میں صحت سند کا رجحان ظاہر کیا ہے، مگر صحت کا فیصلہ نہیں کیا، حافظ ذہبیؒ نے سکوت کیا ہے۔

کرے گا وہ جہنم میں جائے گا۔''

معلوم ہوا کہ امت کا ''سواد اعظم'' ہمیشہ حق پر رہے گا، یعنی کبھی کسی غلط بات پر متفق نہیں ہوگا، ورنہ اس کے اتباع کا حکم نہ دیا جاتا۔

''الجماعۃ'' اور ''سواد اعظم'' سے کیا مراد ہے؟

''السواد الاعظم'' عربی زبان میں ''عظیم ترین جماعت'' کو کہا جاتا ہے یہاں مسلمانوں کا وہ فرقہ مراد ہے جو آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کے طریقہ پر ہو، یعنی آنحضرت ﷺ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے طریقہ کو حق اور واجب الاتباع سمجھتا اور اس کی مخالفت کو باطل قرار دیتا ہو، چنانچہ چار صحابہ کرامؓ حضرت ابوالدرداء، حضرت ابوامامہ، حضرت واثلہ بن الاسقع اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کی روایت [1] ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ''سواد اعظم کیا ہے؟'' تو آپؐ نے فرمایا کہ ''وہ لوگ جو اس طریقہ پر ہوں جو میرا اور میرے صحابہ کا ہے۔'' یہی مضمون اگلی حدیث میں بھی وضاحت سے آرہا ہے:

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا بیان [2] ہے کہ رسول اللہ ﷺ

---

(۱) مجمع الزوائد، کتاب العلم ''باب ماجاء فی المراء، ص ۱۵۶، ج اول وکتاب الفتن، باب افتراق الامم ص ۲۵۹ ج سابع بحوالہ طبرانی الکبیر، حافظ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ ''اس کی سند میں ایک راوی ''کثر بن مروان'' ہیں جو بہت ضعیف ہیں۔'' لیکن راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ جو مضمون اس روایت میں بیان کیا گیا ہے وہی مضمون اگلی حدیث نمبر ۱۰ میں قوی سند کے ساتھ آرہا ہے، لہٰذا آنحضرت ﷺ سے اس مضمون کے ثابت ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ (رفیع)

(۲) جامع ترمذی، ابواب الایمان، ''باب افتراق ھذہ الامۃ، ص ۱۰۴ ج ثانی، امام ترمذیؒ نے یہ حدیث قوی سند سے روایت کی ہے، اور اسے ''حسن'' قرار دیا ہے، فرماتے ہیں کہ ''ھذا حدیث حسن غریب مفسر لا نعرف مثل ھذا الا من ھذا الوجہ''

نے فرمایا کہ:

ان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین و سبعین ملة ، و تفترق امتی علی ثلاث و سبعین ملة کلهم فی النار الاملة واحدة قالوا: من هی یا رسول الله ؟ قال ما انا علیه و اصحابی .

''بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے، اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ، یہ سب آگ میں جائیں گے سوائے ایک فرقہ کے، صحابہ کرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ وہ کونسا فرقہ ہے؟ فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں ۔''

آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کے علاوہ مزید پانچ صحابہ کرامؓ نے تھوڑے تھوڑے لفظی فرق کے ساتھ روایت کیا ہے، جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت[1] معاویہ (۲) حضرت عوف[2] بن مالک (۳) حضرت[3] انس (۴) حضرت[4] عمرو بن عوف (۵) حضرت[5] ابو امامہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

---

(۱) سنن ابوداؤد اول کتاب السنة، ۶۳۱۲ ج ثانی، ومشکوۃ، ص ۳۰ ج اول بحوالہ ترمذی۔

(۲) سنن ابن ماجہ، ابواب الفتن، باب افتراق الامم، ص ۲۸۷۔

(۳) مجمع الزوائد، کتاب قتال اهل البغی، باب ماجاء فی الخوارج، ص ۲۲۶ ج سادس، وباب افتراق الامم ص ۲۵۸ ج سابع، وکتاب الفقیه و المتفقه (للخطیب) ص ۱۶۵ جزو خامس۔

(۴) مجمع الزوائد، کتاب الفتن، باب افتراق الامم، ص ۲۶۰ ج ۷۔

(۵) حوالہ بالا، ص ۲۵۸، ج ۷، بحوالہ ''طبرانی فی الاوسط والکبیر'' علامہ ہیثمیؒ نے اس کی سند کی توثیق کی ہے۔

ان سب حضرات کی روایتیں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرنے میں متفق ہیں کہ میری امت بہتر فرقوں (۱) میں بٹ جائے گی، جن میں سے ایک فرقہ نجات پائے گا باقی سب فرقے آگ میں جائیں گے، رہا یہ سوال کہ وہ نجات یافتہ فرقہ کونسا ہے؟ تو اس کا جواب ان روایتوں میں مختلف الفاظ میں دیا گیا ہے، ایک جواب حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت میں اوپر آیا ہے کہ ''وہ فرقہ وہ ہے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں'' یہ وہی بات ہے جو پچھلی حدیث (نمبر ۹) میں ''سواداعظم'' کے متعلق فرمائی گئی ہے۔

حضرت ابوامامہؓ کی روایت میں اس فرقہ کو ''السوادالاعظم'' کے نام سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ حضرت عمرو بن عوفؓ کی روایت میں ہے کہ وہ فرقہ ''الاسلام وجماعتہم'' ہے یعنی ''اسلام اور مسلمانوں کی جماعت'' باقی تینوں صحابہ کرامؓ کی روایتوں میں ہے کہ وہ فرقہ ''الجماعۃ'' ہے۔

روایات کی اس تفصیل سے مندرجہ ذیل باتیں سامنے آئیں:

۱۔ وہ نجات یافتہ فرقہ ان لوگوں کا ہے'' جو آنحضرت ﷺ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کی سنت کے پیرو ہوں گے۔

۲۔ یہاں جو صفت اس نجات یافتہ فرقہ کی بتائی گئی وہی صفت پیچھے حدیث نمبر ۹ میں ''السوادالاعظم'' کی بیان کی گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرقہ کا نام ''السوادالاعظم'' ہے۔

۳۔ اس نجات یافتہ فرقہ کا نام رسول اللہ ﷺ نے بعض روایات میں ''السوادالاعظم'' اور بعض روایات میں "الجماعة" بتایا ہے۔

---

(۱) سوائے حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ انہوں نے کل بہتر کا عدد روایت کیا ہے، باقی مضمون انہوں نے بھی وہی نقل فرمایا ہے جو دوسرے صحابہ کرام کی روایتوں میں ہے۔

ان تینوں باتوں کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ ''السواد الاعظم'' اور ''الجماعۃ'' درحقیقت اس نجات پانے والے ایک فرقہ کے دو نام ہیں، اور یہ فرقہ ایسے لوگوں کا مجموعہ ہے جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے طریقے پر قائم ہوں، صرف انہی لوگوں کا راستہ راہ ہدایت ونجات ہے، اس کے خلاف سب راستے گمراہی اور جہنم کی طرف جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ پیچھے حدیث نمبر ۵ تا نمبر ۹ میں ''الجماعۃ'' اور ''سواد اعظم'' کے اتباع کا حکم نہایت تاکید سے دیا گیا ہے، جن کی خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ ''ان پر اللہ کا ہاتھ ہے'' ان کے اتباع کی تاثیر یہ بتائی گئی کہ وہ نفس وشیطان کے حیلہ سازیوں سے بچاتا ہے، اور اس کی مخالفت کی سزا دنیا میں سزائے موت اور آخرت میں جہنم کی آگ مقرر فرمائی گئی ہے، (نعوذ باللہ منہما)۔

بہرحال زیر بحث حدیث نمبر ۱۰ سے بھی وہ بات معلوم ہوئی جو پچھلی تمام احادیث سے ثابت ہوتی آرہی ہے، کہ امت میں فساد اور بگاڑ پھیل جانے کے باوجود مسلمانوں کا ایک فرقہ حق پر قائم رہے گا، پوری امت کا مجموعہ کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہوگا، جس کا لازمی نتیجہ وہی ہے جو ''حجیت اجماع'' کا حاصل ہے کہ ''امت کا متفقہ عقیدہ، عمل یا فیصلہ کبھی غلط نہیں ہوسکتا، اس کا اتباع فرض اور مخالفت سخت حرام ہے''۔

یہاں تک حجیت اجماع پر ہم نے قرآن حکیم کی پانچ آیات اور آنحضرت ﷺ کی دس حدیثیں بیان کی ہیں جو بیالیس صحابہ کرامؓ نے روایت کی ہیں، ظاہر ہے کہ ان صحابہ کرام سے یہ حدیثیں سن کر روایت کرنے والے تابعین کی تعداد اور ان کے بعد سے اب تک ان حدیثوں کو بعد کے لوگوں تک پہنچانے والے راویوں کی تعداد ہر زمانے میں کم ہونے کے بجائے مسلسل بڑھتی ہی چلی گئی ہے، ان میں سے ہر حدیث الگ الگ اگرچہ متواتر نہ ہو مگر ان سب احادیث کا مشترکہ

مضمون جو اجماع کی حجیت کو ثابت کرتا ہے متواتر [۱] ہے، لہٰذا تواتر سے اجماع کا حجت ہونا اور فقہ کے لئے عظیم ماخذ ہونا قرآن وسنت کی روشنی میں روز روشن کی طرح واضح ہے۔

یہ سب وہ آیات واحادیث ہیں جن سے اجماع کے حجت ہونے پر فقہاء اور محدثین ومفسرین نے عام طور پر استدلال کیا ہے، بعض علماء محققین نے اور بھی کئی آیات واحادیث سے استدلال [۲] کیا ہے، مگر ہم نے اختصار کے پیش نظر صرف وہ آیات واحادیث یہاں ذکر کی ہیں جو اجماع کی حجیت میں زیادہ واضح تھیں، مطالعہ کے دوران اس سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کے اقوال وآثار بھی سامنے آئے مثال کے طور پر چند یہ ہیں:

حجیت اجماع پر چند آثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

(۱) حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد [۳] ہے کہ:

---

(۱) تواتر کی اس قسم کو "تواتر فی القدر المشترک" کہا جاتا ہے، اور یہ بھی تواتر کی باقی قسموں کی طرح علم قطعی یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔ (رفیع)

(۲) مثلاً سورہ نساء کی آیت ﴿یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم﴾ (نساء: ۵۸) اور سورہ اعراف کی آیت ﴿وممن خلقنا امة یھدون بالحق وبه یعدلون﴾ (اعراف: ۱۸۰) اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد "یوشک ان تعرفوا اھل الجنة من اھل النار" او قال "خسارکم شرارکم، قیل یا رسول اللہ بما ذا؟ قال باثناء الحسن والثناء السیء انتم شھداء بعضکم علی بعض (مستدرک، کتاب العلم، ص ۱۲۰ ج اول قال الحاکم : ھذا حدیث صحیح الاسناد وقال الذھبی: "صحیح")۔

(۳) موطا امام محمدؒ، کتاب الصلوۃ، باب قیام شہر رمضان، ص ۱۴۰ ومجمع الزوائد، ص ۱۷۸ ج اول، بحوالہ احمد والبزار والطبرانی فی الکبیر، وقال رجالہ موثقون، امام محمدؒ نے (باقی اگلے صفحہ میں)

ماراٰه المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن و ما رآہ المسلمون قبیحا فھو عند اللہ قبیح.

''جس چیز کو تمام مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک اچھی ہے اور جس کو تمام مسلمان برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بری ہے''۔

۲۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے مشہور قاضی ''شریح'' کو عدالتی فیصلوں کے لئے جو بنیادی اصول لکھ کر بھیجے ان میں سے تیسرا اصول یہی تھا کہ جس مسئلہ کا حکم قرآن وسنت میں (صریح طور پر) نہ ملے، اس میں امت کے اجماعی فیصلہ پر عمل کریں۔ حضرت عمرؓ کا یہ سرکاری فرمان امام شعبیؒ نے ان الفاظ میں نقل (۱) کیا ہے کہ:

کتب عمر الی شریح ان اقض بما فی کتاب اللہ، فان اتاک امر لیس فی کتاب اللہ فاقض بماسن رسول اللہ ﷺ، فان اتاک امر لیس فی کتاب اللہ ولم یسنہ رسول اللہ ﷺ

(بقیہ صفحہ گزشتہ) موطا میں اسے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد قرار دیا ہے، مگر سند ذکر نہیں فرمائی، ان تک یہ ارشاد ضرور قابل اعتماد سند سے پہنچا ہوگا، اور ظاہر بھی یہی ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت ﷺ ہی سے سنا ہوگا، کیونکہ اتنا بڑا قاعدہ کلیہ جو اللہ تعالیٰ کی پسند اور ناپسندیدگی کی خبر دے رہا ہو محض قیاس سے دریافت نہیں کیا جاسکتا، یہ بات صرف وحی سے ہی معلوم ہوسکتی ہے، اور صاحب وحی ہی بتلا سکتا ہے۔ مگر ہم نے اس ارشاد کو احادیث نبویہ ﷺ کے بجائے آثار صحابہ میں اس لئے شمار کیا ہے کہ جن قابل اعتماد سندوں سے یہ ہم تک پہنچا ہے وہ سب ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر جاکر ختم ہوجاتی ہیں، آنحضرت ﷺ تک نہیں پہنچتیں، بعض سندوں میں یہ ضرور ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے ارشاد نبوی ﷺ بتا کر روایت کیا ہے، مگر وہ سندیں قابل اعتماد نہیں، تفصیل کیلئے دیکھئے ''التعلیق الممجد علی موطا الامام محمدؒ ص ۱۴۰ و ۱۴۱۔

(۱) دیکھئے خطیب بغدادی کی مشہور تصنیف ''کتاب الفقیہ والمتفقہ ص ۱۶۶ جزو خامس۔

فانظر له الذی اجتمع علیه الناس ، فان جاء ک امر لم یتکلم فیه احد فای الامر ین شئت فخذ به ان شئت فتقدم وان شئت فتاخر ولا اری التاخر الا خیر الک.

''حضرت عمرؓ نے شریح کو لکھ کر بھیجا کہ تم فیصلے قرآن حکیم کے مطابق کرو، اور اگر تمہارے پاس کوئی ایسا مقدمہ آئے جس کا (صریح) حکم قرآن شریف میں نہ ہو تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق کرو، اور اگر کوئی ایسا مقدمہ آئے جس کا حکم (صریح طور پر) نہ قرآن حکیم میں ہو نہ رسول اللہ ﷺ کی سنت میں تو تم اس کیلئے وہ راستہ تلاش کرو جس پر لوگ متفق ہو چکے ہوں، اور اگر کوئی ایسا مقدمہ آ جائے جس کے متعلق کسی کا فیصلہ موجود نہ ہو (نہ قرآن میں نہ سنت میں نہ اجماع میں) تو اب دو صورتوں میں سے جس کو چاہو اختیار کر لو، یعنی چاہو تو آگے بڑھ کر اپنے (اجتہاد سے فیصلہ کر دو) اور چاہو تو پیچھے ہٹ جاؤ (یعنی اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرنے کے بجائے اہل علم سے پوچھ کر عمل کرو) اور میں تمہارے لئے ایسے موقع پر پیچھے ہٹ جانا ہی بہتر سمجھتا ہوں''۔

۳۔ حضرت ابو مسعود انصاریؓ کا ارشاد [1] ہے کہ:

اتقوا اللہ و علیکم بالجماعة فان اللہ لم یکن لیجمع امة محمد ﷺ علی ضلالة.

''اللہ سے ڈرو اور ''الجماعت'' کے ساتھ ساتھ رہو، کیونکہ اللہ محمد ﷺ کی امت کو کبھی بھی کسی گمراہی پر متفق نہیں کرے گا۔''

(۱) کتاب الفقیہ والمتفقہ، ص ۱۶۷ جز و خامس۔

اجماع کا فائدہ اور ”سند اجماع“

یہاں ایک یہ بات قابل ذکر ہے کہ اجماع کے حجت ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اجماع کرنے والوں کو شرعی احکام میں نعوذ باللہ خدائی اختیارات مل گئے ہیں، کہ قرآن وسنت سے آزاد ہو کر جس کو چاہیں حرام اور جس کو چاہیں حلال کر دیں، خوب سمجھ لینا چاہئے کہ فقہ کا کوئی مسئلہ قرآن وسنت کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتا، اجماع کا بھی ہر فیصلہ قرآن وسنت کا محتاج ہے، چنانچہ فقہ کے جس مسئلہ پر بھی اجماع منعقد ہوتا ہے وہ مسئلہ یا تو قرآن حکیم کی کسی آیت سے ماخوذ ہوتا ہے ، یا رسول اللہ ﷺ کی سنت سے، یا ایسے قیاس سے جس کی اصل قرآن یا سنت میں موجود ہو، غرض ہر اجماعی فیصلہ کسی نہ کسی دلیل شرعی پر مبنی ہوتا ہے، جس کو ”سند اجماع“ کہا جاتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ جب ہر اجماعی فیصلہ قرآن یا سنت یا قیاس پر مبنی ہوتا ہے تو اجماع سے کیا فائدہ ہوا؟ اور اسے فقہ کے دلائل میں کیوں شمار کیا جاتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اجماع کے دو فائدے ہیں، ایک یہ کہ قرآن یا سنت یا قیاس سے ثابت ہونے والا حکم اگر ”ظنی“[1] ہو تو اجماع اسے قطعی بنا دیتا ہے، جس کے بعد

---

(۱) جو حکم دلیل ظنی سے ثابت ہو وہ ظنی ہوتا ہے، اور جو دلیل قطعی سے ثابت ہو وہ قطعی ہوتا ہے، دلیل ظنی اور دلیل قطعی کا کچھ بیان پیچھے کی بحث میں ہو چکا ہے، یہاں اتنی بات اور سمجھ لی جائے کہ قرآن حکیم کی جن آیات کا مطلب معین طور پر خوب واضح اور یقینی نہ ہو بلکہ اس میں ایک سے زیادہ مطالب کا احتمال ہو تو وہ آیت معنی کے اعتبار سے ظنی ہوتی ہے (اگرچہ لفظوں کے اعتبار سے ہر آیت قطعی ہے، بلکہ قرآن کریم کا ہر لفظ قطعی طور پر ثابت ہے، لیکن بعض کے معنی بھی قطعی ہوتے ہیں اور بعض کے ظنی) اور اس سے ثابت ہونے والا حکم بھی ظنی ہوتا ہے؛ نیز قیاس بھی دلیل ظنی ہے اور اس سے ثابت ہونے والا حکم بھی ظنی، اجماع ان تمام ظنی احکام کو قطعی بنا دیتا ہے۔

کسی فقیہ مجتہد کو بھی اس سے اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہتی، اور وہ حکم پہلے ہی قطعی تھا تو اجماع اس کی قطعیت میں مزید قوت اور تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ اور دوسرا فائدہ اجماع کا یہ ہے کہ وہ جس دلیل شرعی پر مبنی ہو بعد کے لوگوں کو اس دلیل کو پرکھنے اور اس میں غور وفکر کی ضرورت باقی نہیں رہتی، ان کو اس مسئلہ پر اعتماد کرنے کیلئے بس اتنی دلیل کافی ہوتی ہے کہ فلاں زمانہ کے تمام فقہاء کا اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، انہوں نے کس دلیل شرعی کی بنیاد پر یہ اجماعی فیصلہ کیا تھا؟ یہ جاننے کی ضرورت بعد کے لوگوں کو نہیں رہتی، سند اجماع کی چند مثالوں سے یہ بات کچھ اور واضح ہو جائے گی:

چند مثالیں:

(۱)۔ مثلاً فقہ کا مشہور اجماعی مسئلہ ہے کہ دادی، نانی اور نواسی سے نکاح حرام ہے، اجماع کرنے والوں نے یہ مسئلہ قرآن حکیم کی آیت:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَ بَنَاتُكُمْ﴾ (نساء:۲۳)

''حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں۔''

سے لیا ہے، لہٰذا یہ آیت اس مسئلہ کے[1] لئے ''سند اجماع'' ہے، مذکورہ بالا فقہی حکم اگرچہ اس آیت سے ثابت ہو چکا تھا، کیونکہ ''امہات'' (مائیں) کا لفظ دادی اور نانی کو بھی شامل ہے، اور ''بنات'' (بیٹیاں) کا لفظ نواسی کو شامل[2] ہے، لیکن یہ حکم یقینی اور قطعی نہ تھا، کیونکہ یہ احتمال موجود تھا کہ امہات (مائیں) سے صرف حقیقی مائیں مراد ہوں، دادی اور نانی مراد نہ ہوں، اس طرح بنات

---

(۱) تسہیل الوصول، ص ۱۷۶۔

(۲) تفسیر روح المعانی، ص ۲۴۹ ج ۴۔

(بیٹیاں) کے لفظ میں احتمال تھا کہ اس سے یہاں صرف حقیقی بیٹیاں مراد ہوں اور بیٹوں کی بیٹیاں مراد نہ ہوں، چنانچہ اس احتمال کی بنیاد پر کوئی مجتہد یہ کہہ سکتا تھا کہ دادی، نانی اور نواسی سے نکاح حرام نہیں، مگر جب اُن کے حرام ہونے پر[1] اجماع منعقد ہو گیا تو یہ حکم قطعی اور یقینی ہو گیا، اور مذکورہ بالا احتمال معتبر نہ رہا، اور کسی مجتہد کو اس سے اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

۲۔ یہ تو اس اجماعی فیصلہ کی مثال تھی جو قرآن حکیم سے ماخوذ ہے، اور سنت سے ماخوذ ہونے کی مثال[2] فقہ کا یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ کھانے کی کوئی چیز خرید کر قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کر دینا جائز نہیں (جیسا کہ آج کل سٹہ میں ہوتا ہے کہ محض زبانی طور پر کسی چیز کی خریداری کا معاملہ کر کے قبضہ کئے بغیر اسے دوسرے کے ہاتھ اور دوسرا تیسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، جو قطعاً حرام ہے) اس مسئلہ میں سند اجماع آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد[3] ہے کہ:

من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یستوفیہ.

"جس نے کوئی کھانے کی چیز خریدی وہ اس پر جب تک قبضہ نہ کر لے اسے فروخت نہ کرے"۔

یہ حکم جیسا کہ صاف ظاہر ہے اس حدیث سے معلوم ہو چکا تھا، مگر یہ حدیث "غیر متواتر" تھی اور پیچھے عرض کیا جا چکا ہے کہ "حدیث غیر متواتر" ظنی ہوتی ہے لہٰذا یہ حکم بھی ظنی تھا قطعی نہ تھا جب اس پر اجماع منعقد ہو گیا تو یہی حکم قطعی بن گیا۔

---

(۱) حوالا بالا۔

(۲) نورالانوار، ص۲۲۲، مبحث الاجماع۔

(۳) مشکوٰۃ شریف عن ابن عمر، ص ۲۴۷ ج ۱ کتاب البیوع، باب المنھی عنھا من البیوع، بحوالہ بخاری و مسلم۔

(۳) اور قیاس سے ماخوذ ہونے کی مثال[1] فقہ کی یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ ربا (سود) چاول میں بھی جاری ہوتا ہے، جب چاول کو چاول کے عوض میں فروخت کیا جائے تو ادھار بھی حرام ہے، اور کسی طرف مقدار میں کمی بیشی بھی حرام، لین دین ہاتھوں ہاتھ ہونا ضروری ہے اور دونوں چاول خواہ مختلف قسموں کے ہوں مگر مقدار ان کی برابر ہونی ضروری ہے ادھار کریں گے یا مقدار میں کسی ایک طرف کمی بیشی کریں گے تو ربا ہو جائے گا، جو حرام ہے۔

یہ اجماعی فیصلہ قیاس کی بنیاد پر کیا گیا ہے یعنی اس مسئلہ میں ''سند اجماع'' قیاس ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چھ چیزوں ------ سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور، نمک ------ کے بارے میں فرمایا[2] تھا کہ ان میں سے کسی چیز کو جب تم اسی کی جنس کے بدلے میں فروخت کرو تو اس میں ادھار یا کمی بیشی ربا ہے، جو حرام ہے، حدیث میں ان چھ چیزوں کا حکم تو صاف طور پر معلوم ہو گیا ہے، مگر چاول کے متعلق یہ حدیث خاموش تھی، اجماع کرنے والوں نے چاول کا حکم ان چھ چیزوں پر قیاس[3] کر کے معلوم کیا اور بتایا کہ جو حکم ان چھ چیزوں کا ہے وہی چاول کا بھی ہے۔

اگر اس قیاس پر سب مجتہدین کا اجماع نہ ہوا ہوتا تو یہ حکم ظنی ہوتا، کیونکہ قیاس دلیل ظنی ہے، اور دلیل ظنی سے حکم قطعی ثابت نہیں ہو سکتا، مگر جب اس قیاس پر ایک زمانے کے تمام فقہاء نے اجماع کر لیا تو یہ حکم قطعی ہو گیا، اجماع سے پہلے

---

(۱) نور الانوار، ص ۲۲۲، مبحث الاجماع۔

(۲) صحیح مسلم شریف، ص ۲۴ و ۲۵ ج ۲، باب الربا کتاب البیوع۔

(۳) قیاس ایک نہایت دقیق اور پیچیدہ فکری عمل ہے، جس کی بہت سی شرائط ہیں، قیاس کی حقیقت انشاء اللہ آگے اپنے مقام پر بیان ہو گی۔

کسی فقیہ کو اس سے مختلف قیاس کرنے کی گنجائش تھی، اجماع کے بعد یہ گنجائش ختم ہوگئی۔

(۴) بسا اوقات جس مسئلہ پر اجماع منعقد ہوا ہو وہ پہلے ہی سے قطعی ہوتا ہے، ایسی صورت میں اجماع سے صرف یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کی قطعیت میں مزید تاکید اور قوت پیدا ہوجاتی ہے، مثلاً پانچوں فرض نمازوں میں رکعتوں کی تعداد سنت متواترہ سے ثابت ہے، اور اس کی پابندی تمام مسلمانوں پر قطعی طور پر فرض ہے، پھر پوری امت کا اجماع بھی اس پر چلا آرہا ہے، جس کیلئے "سند اجماع" یہی سنت متواترہ ہے، اس مثال میں ایک ایسے حکم شرعی پر اجماع منعقد ہوا ہے جو پہلے ہی سے قطعی تھا، لہٰذا اجماع سے اس کی قطعیت میں مزید قوت اور تاکید پیدا ہوگئی ہے، اب اگر کسی زمانہ میں لوگوں کو خدانخواستہ یہ معلوم نہ رہے کہ آنحضرت ﷺ نے پانچوں نمازوں میں اس تعداد کی خود بھی پابندی فرمائی تھی اور سب کو اس کی پابندی کا حکم دیا تھا تب بھی لوگوں کو اس کی پابندی اس لئے لازم ہوگی کہ پوری امت کا اجماع اس پر چلا آرہا ہے یہی حال اوپر کی باقی مثالوں کی ہے، کہ اجماع کرنے والوں نے جس سند اجماع کی بنیاد پر وہ فیصلے کئے تھے اگر بعد کے لوگوں کو وہ سند اجماع معلوم نہ ہو یا یاد نہ رہے، تب بھی وہ اجماعی فیصلے قطعی اور واجب العمل رہیں گے، کیونکہ سند اجماع کی ضرورت اجماع کرنے والوں کو ہوتی ہے بعد کے لوگوں کو (خواہ وہ فقہاء اور مجتہد ہوں) سند اجماع کی ضرورت نہیں، ان کیلئے صرف اجماع ہی کافی دلیل ہے۔

اجماع کن لوگوں کا معتبر ہے؟

اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اجماع صرف عاقل، بالغ مسلمانوں کا معتبر

ہے، کسی مجنون، بچہ یا کافر کی موافقت ومخالفت کا اعتبار نہیں، نیز اس پر بھی سب کا اعتبار ہے کہ اجماع منعقد ہونے کیلئے یہ ضروری نہیں کہ عہد صحابہ سے لے کر قیامت تک کے تمام مسلمان کسی مسئلہ پر متفق ہوں، اس لئے کہ اگر اسے اجماع کیلئے شرط قرار دیا جائے تو قیامت سے پہلے کسی بھی مسئلے پر اجماع منعقد نہ ہو سکے گا، لہٰذا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اجماع کیلئے کسی ایک زمانے کے مسلمانوں کا متفق ہو جانا کافی[1] ہے۔

رہا یہ سوال کہ ایک زمانہ کے تمام مسلمانوں کا اتفاق ضروری ہے یا مخصوص قسم کے افراد کا متفق ہو جانا کافی ہے؟ اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں ہم یہاں چند اقوال نقل کرتے ہیں۔

(۱)...... امام مالکؒ[2] کے نزدیک صرف اہل مدینہ کا اجماع معتبر ہے، کسی اور کی موافقت یا مخالفت کا اعتبار نہیں۔

(۲)...... فرقہ زیدیہ اور امامیہ[3] صرف آنحضرت ﷺ کی اولاد کو اجماع کا اہل کہتا ہے دوسرے لوگوں کا اجماع ان کے نزدیک معتبر نہیں۔

(۳)...... بعض حضرات[4] کے نزدیک صرف صحابہ کرامؓ کا اجماع حجت

---

(۱) الاحکام للآمدیؒ ص ۱۱۵ جلد اول۔

(۲) مشہور یہی ہے مگر بہت سے علماء نے امام مالکؒ کی طرف اس مذہب کی نسبت کا انکار کیا ہے تفصیل کے لئے دیکھئے "التقریر والتحبیر ص ۱۰۰ ج ۳۔

(۳) التقریر والتحبیر شرح التحریر، ص ۹۸ ج ۳۔

(۴) مثلاً داؤد اصفہانی (تسہیل الوصول ص ۱۷۰) ابن حبان کے کلام سے بھی اسی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے، امام احمدؒ کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ اجماع صحابہ کے ساتھ خاص ہے، اور دوسرا یہ کہ خاص نہیں، دوسرے قول کو علماء حنابلہ نے صحیح اور راجح قرار دیا ہے، (التقریر، ص ۹۷ ج ۳)۔

ہے، ان حضرات کے نزدیک اجماع کا دروازہ عہد صحابہؓ کے بعد ہمیشہ کیلئے بند ہو چکا ہے۔

(۴) ...... بعض حضرات (۱) کہتے ہیں کہ ایک زمانہ کے تمام مسلمانوں کا اتفاق اجماع کیلئے شرط ہے، عوام ہوں یا خواص، عالم ہوں یا جاہل، جب تک سب متفق نہ ہوں گے اجماع منعقد نہ ہوگا۔

(۵) ...... پانچواں قول جمہور (۲) کا ہے جو نہایت معتدل ہے، وہ یہ کہ اجماع صحابہ کے ساتھ خاص نہیں، کسی بھی زمانے کے تمام متبع سنت فقہاء (مجتہدین) کا کسی حکم شرعی پر متفق ہو جانا اجماع کیلئے کافی ہے، عوام اور اہل بدعت اور فاسق کی موافقت و مخالفت کا اعتبار نہیں۔

قرآن و سنت کے جن دلائل سے اجماع کا حجت ہونا ثابت ہوا ہے، ان سے بھی اسی مسلک کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ آیات اور احادیث میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ کہیں بھی اجماع کو کسی خاص زمانے یا خاص مقام یا نسل کے ساتھ مخصوص نہیں کیا گیا، بلکہ مطلقاً "المومنین" "الامة" "الجماعة" یا "سواد اعظم" کے اتفاق کو حجت قرار دیا گیا ہے، اور یہ چاروں الفاظ صحابہ کرامؓ، آل رسول ﷺ اور اہل مدینہ کی طرح دوسرے مسلمانوں پر بھی صادق آتے ہیں، لہٰذا اجماع کو صرف صحابہ کرامؓ یا اہل بیت یا اہل مدینہ کیساتھ خاص کرنے کی

---

(۱) قاضی ابوبکر باقلانی اور علامہ آمدی کا رجحان اسی طرف ہے، مگر دونوں کی رائے میں یہ فرق ہے کہ قاضی ابوبکر تو فرماتے ہیں کہ جس اجماع میں کسی عام مسلمان کا اختلاف ہو وہ اجماع شرعاً حجت تو ہے مگر اس اجماع کو "اجماع امت" نہیں کہا جائے گا، کیونکہ عام مسلمان بھی امت کا فرد ہے، اور علامہ آمدی ایسے اجماع کو حجت بھی نہیں مانتے، دیکھئے التقریر شرح التحریر، ص ۸۰ ج ۳۔

(۲) التقریر شرح التحریر، ص ۸۱ و ۹۵ و ۹۷ ج ۳۔

کوئی واضح دلیل قرآن وسنت میں نہیں ملتی۔

اجماع کو صرف صحابہ کرام کے ساتھ خاص کرنے والے حضرات جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں ان سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا اجماع حجت ہے، مگر یہ کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ بعد کے فقہاء کا اجماع حجت نہیں۔

جاہل، فاسق اور اہل بدعت کے اختلاف سے اجماع باطل نہیں ہوتا

رہا یہ سوال کہ جب مومنین، امت، الجماعۃ اور سواداعظم کے اجماع کو قرآن وسنت میں حجت قرار دیا گیا ہے تو اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ عام مسلمانوں بلکہ اہل بدعت اور فاسق و فاجر مسلمانوں کی موافقت بھی اجماع کیلئے شرط ہو اور ان کے اختلاف کی صورت میں اجماع منعقد نہ ہو، کیونکہ مومنین اور امت میں یہ لوگ بھی شامل ہیں۔

جواب یہ ہے کہ جن دلائل سے اجماع کی حجیت ثابت ہوئی ہے ان میں اور دیگر آیات واحادیث میں اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اجماع صرف متبع سنت فقہاء کرام ہی کا معتبر ہے، باقی لوگوں کی موافقت ومخالفت سے اجماع پر اثر نہیں پڑتا، ان دلائل کی کچھ تفصیل یہ ہے:

قرآن حکیم میں دو جگہ صریح ارشاد ہے کہ:

﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

(نحل۔۴۳ وانبیاء۔۷)

''اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل (۱) علم سے دریافت کرو''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو احکام شریعت معلوم نہ ہوں ان پر واجب ہے کہ علماء سے دریافت کر کے اس کے مطابق عمل کریں (۲) تو جب عوام کو خود علماء کے فتوی کا پابند کیا گیا ہے تو دنیا بھر کے تمام فقہاء علماء کے متفقہ فیصلے کی مخالفت عوام کو کیسے جائز ہو سکتی ہے، اور ان کے موافقت نہ کرنے سے فقہاء کا اجماع کیسے باطل ہو سکتا ہے!

(۲) قرآن حکیم نے فاسق کی دی ہوئی خبر کے متعلق یہ قانون ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ﴾ (الحجرات، ۶)

''اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو (اس خبر کی) خوب تحقیق کر لیا کرو، کبھی کسی قوم کی نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو، پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔''

اس لئے جمہور علماء کے نزدیک فاسق کی خبر یا شہادت مقبول نہیں، تو جب

---

(۱) یہ اہل الذکر ہی کا ترجمہ ہے، لفظ ''الذکر'' کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے، ان میں سے ایک معنی علم کے بھی ہیں، اسی مناسبت سے قرآن کریم میں توراۃ کو بھی ''الذکر'' فرمایا ہے، ارشاد ہے ﴿ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر﴾ اور خود قرآن کریم نے بھی اپنا ایک نام ''الذکر'' بتایا ہے جیسا کہ سورہ نحل کی آیت (۴۴) وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم'' میں ''الذکر'' سے مراد قرآن کریم ہے، اس لئے ''اہل الذکر'' کے لفظی معنی اہل علم کے ہوئے۔ (تفسیر معارف القرآن، ص ۳۲۲، ج ۵)

(۲) تفسیر قرطبی، ص ۲۷۲ ج ۱۱ و تفسیر معارف القرآن، ص ۱۵۹ ج ۶ و ص ۳۲۳ ج ۵۔

عارضی نوعیت کے واقعات میں فاسق کی خبر یا شہادت کا یہ حال ہے تو دینی مسائل جو قیامت تک کے مسلمانوں کیلئے حجت اور واجب الاتباع بننے والے ہوں، ان میں اس کی شخصی رائے کیسے معتبر ہوسکتی ہے؟ اور جو بدعت فسق کی حد تک پہنچی ہوئی ہو اس کا مرتکب بھی فاسق ہے، لہٰذا ایسے اہل بدعت کی رائے بھی اجماع میں معتبر نہیں، اسی لئے جمہور علماء اہل السنت والجماعت نے شیعہ، خوارج اور معتزلہ وغیرہ کے اختلاف کا اجماع میں اعتبار نہیں کیا۔

پہلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ اجماع میں عوام کی موافقت ومخالفت معتبر نہیں، اور اس دوسری آیت سے ثابت ہوا کہ فاسق اور اہل بدعت کی موافقت اور مخالفت کا اعتبار نہیں، اس لئے حاصل ان دونوں آیتوں کا وہی ہے جو جمہور علماء نے اختیار کیا کہ اجماع صرف متبع سنت فقہاء کا معتبر ہے، اور یہی بات ان احادیث سے ثابت ہوتی ہے، جن سے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا گیا ہے، ہم وہ احادیث خاصی تفصیل سے پیچھے بیان کر چکے ہیں، یہاں ہمیں ان کے الفاظ کا مختصر جائزہ لینا ہوگا، جس سے جمہور کا مسلک بخوبی واضح ہو سکے گا۔

(۱) سب سے پہلی حدیث جو ہم نے اجماع کی حجیت پر پیش کی ہے، اس میں بیان ہوا ہے کہ حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس کا صریح حکم قرآن وسنت میں نہ ملے تو اس میں آپ ﷺ کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ:

شاوروا فیه الفقهاء والعابدین.

''تم اس معاملہ میں فقہاء اور عابدین سے مشورہ کرو۔''

اس حدیث میں صراحت ہے کہ جو لوگ فقہاء بھی ہوں اور عابدین بھی صرف انہی کا مشورہ واجب الاتباع ہوگا۔

(۲) دوسری حدیث میں جو گیارہ صحابہ کرامؓ نے روایت کی ہے اس میں پوری امت کا لفظ نہیں بلکہ " طائفة من امتی " کا لفظ ہے جس کا حاصل ہے کہ "میری امت میں ایک جماعت حق پر قائم اور اس کے لئے برسرِ پیکار ہوگی" اس میں پوری امت کے ہر فرد کے حق پر قائم رہنے کی خبر نہیں دی گئی بلکہ بتایا گیا ہے کہ امت میں ایک جماعت حق پر قائم رہے گی، جو مخالفین سے حق کے لئے برسرِ پیکار رہے گی، اب خود اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اتباع حق پر قائم رہنے والی جماعت کا لازم ہوگا، یا اس کے مخالفین کا؟

(۳) تیسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا جو یہ ارشاد ہے کہ:

لن یزال امر ھذہ الامة مستقیما حتی تقوم الساعة.

"اس امت کی حالت قیامت تک سیدھی رہے گی۔"

ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا کہ اس امت کا ہر فرد نیکوکار اور ہدایت یافتہ رہے گا کوئی شخص غلطی نہیں کرے گا، کیونکہ مشاہدہ بھی اس کے خلاف ہے، اور اوپر کی اور بعد میں آنے والی حدیثیں بھی، لہٰذا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس امت کا پورا مجموعہ باطل اور غلط بات پر متفق نہیں ہوگا، کچھ لوگ حق پر ضرور قائم رہیں گے، باقی جو لوگ ان کی مخالفت کریں گے کیا کریں، یہ حق پر ڈٹے رہیں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ امت بحیثیت مجموعی گمراہی سے محفوظ رہے گی، اور یہ وہی بات ہے جو اوپر کی حدیث میں آچکی ہے، اب خود فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ جو لوگ حق پر ڈٹے رہیں گے اتباع ان کا واجب ہوگا یا ان کے مخالفین کا؟

(۴) چوتھی حدیث میں جو آٹھ صحابہ کرامؓ نے روایت کی ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد یہ ہے کہ:

ان اللہ لا یجمع امتی (او قال امۃ محمد) علی ضلالۃ، وید

اللہ علی الجماعۃ ومن شذ شذ الی النار۔

''اللہ میری امت کو کسی گمراہی پر متفق نہیں کرے گا اور اللہ کا ہاتھ

''الجماعۃ'' پر ہے، اور جو الگ راستہ اختیار کرے گا جہنم کی طرف

جائے گا''۔

اس حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ وہ بات آ گئی ہے جو ہم اوپر تیسری حدیث کے ضمن میں کہہ آئے ہیں کہ ''امت کی حالت ہمیشہ سیدھی رہنے'' اور ''کسی گمراہی پر متفق نہ ہونے کا'' یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص بھی کجروی یا گمراہی کا شکار نہ ہوگا، ہر فاسق و فاجر اور بدعتی مسلمان جو مشورہ بھی دینی امور میں پیش کرے گا صحیح اور درست ہوگا بلکہ اس حدیث کے آخری دو جملوں ''اللہ کا ہاتھ الجماعۃ پر ہے'' اور جو ''الگ راستہ اختیار کرے گا جہنم کی طرف جائے گا'' نے بتا دیا کہ امت کی حالت سیدھی رہنے اور گمراہی پر متفق نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ امت میں ایک جماعت ہمیشہ ایسی موجود رہے گی جو راہ ہدایت پر قائم رہے گی جس کے نتیجہ میں امت بحیثیت مجموعی گمراہ ہو جانے سے محفوظ رہے گی، اس جماعت کو اللہ کی طرف سے خاص ہدایت ونصرت ملتی رہے گی، لوگوں پر لازمی ہوگا کہ اس جماعت کی پیروی کریں، اور جو ان سے الگ راستہ اختیار کرے گا جہنم کی طرف جائے گا۔

معلوم ہوا کہ اجماع صرف اسی جماعت کا حجت ہوگا، دوسروں کی موافقت پر موقوف اور دوسروں کی مخالفت سے باطل نہ ہوگا۔

(۵تا۸) حدیث نمبر (۵) سے نمبر (۸) تک ۴ حدیثیں جو مجموعی طور پر ۴۳ صحابہ کرام نے روایت کی ہیں ان میں ''الجماعۃ'' کی پیروی کا حکم نہایت تاکید

سے کیا گیا ہے، اور اس کی مخالفت پر ہولناک سزائیں بیان ہوئی ہیں۔

نویں (۹) حدیث میں ''سواد اعظم'' کی پیروی کا حکم ہے، اور وہی ہم نے دوسری حدیثوں کی روشنی میں تفصیل سے بیان کیا ہے "الجماعة" اور ''سواد اعظم'' درحقیقت ایک ہی جماعت کے دو نام ہیں، اور یہ دونوں نام ان مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہیں جو آنحضرت ﷺ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے پیرو ہوں، اسی بناء پر ان کو " اهل السنة و الجماعة" بھی کہا جاتا ہے۔

اور دسویں (۱۰) حدیث میں تو صراحت ہے کہ اس امت میں تہتر فرقے ہوں گے، جن میں سے نجات یافتہ فرقہ صرف ان لوگوں کا ہے جو متبع سنت ہوں، باقی سب فرقے گمراہ ہیں۔

پس حدیث نمبر ۵ سے نمبر ۱۰ تک سب حدیثوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ پیروی صرف ان لوگوں کی لازم ہے، جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی سنت کے پیرو ہوں، اور ان کے مخالفین گمراہ اور سخت عذاب کے مستحق ہیں، اب یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ اجماع صرف متبع سنت مسلمانوں کا کافی ہوگا یا فاسق اور اہل بدعت کی مخالفت کی وجہ سے اسے باطل کر دیا جائے گا؟

حاصل کلام یہ کہ جمہور فقہاء نے جو مسلک اختیار کیا ہے کہ اجماع میں عوام، اہل بدعت اور فاسق مسلمانوں کا اختلاف یا اتفاق معتبر نہیں، بلکہ صرف متبع سنت فقہاء کا اجماع ہی حجت ہے، قرآن وسنت کی تصریحات سے اسی مسلک کی تائید ہوتی ہے اور حنفیہ[1] نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

اجماع کی قسمیں:

بنیادی طور پر اجماع کی تین قسمیں ہیں (۱) اجماع قولی (۲) اجماع

(۱) التقریر، ص ۹۵ و ۹۶ ج ۳۔

عملی (۳) اجماع سکوتی، ان تینوں کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) اجماع قولی یہ ہے کہ اجماع کی اہلیت رکھنے والے تمام حضرات زبانی طور پر کسی دینی مسئلہ پر اپنا اتفاق ظاہر کریں، جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر تمام صحابہؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، اور زبان سے اس کا اقرار کیا۔

(۲) اجماع عملی یہ ہے کہ اجماع کی اہلیت رکھنے والے تمام حضرات کسی زمانہ میں کوئی عمل کریں، جب کوئی عمل تمام اہل اجماع (جائز یا مستحب یا مسنون سمجھ کر) کرنے لگیں تو اس عمل کو بالاجماع جائز سمجھا جائے گا، اجماع کی اس قسم سے اس فعل کا صرف مباح یا مستحب یا مسنون ہونا ثابت ہوگا، واجب ہونا اس قسم سے ثابت نہیں ہوسکتا، الّا یہ کہ وہاں کوئی قرینہ ایسا پایا جائے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہو۔

ظہر سے پہلے کی ۴ رکعتیں جو سنت موکدہ ہیں ان کا سنت موکدہ ہونا صحابہ کرام کے اجماع عملی سے ثابت ہوا ہے۔

(۳) اجماع سکوتی یہ ہے کہ اجماع کی اہلیت رکھنے والوں میں سے کچھ حضرات کوئی متفقہ فیصلہ زبانی یا عملی طور پر کریں جس کی اس زمانہ میں خوب شہرت ہوجائے، یہاں تک کہ باقی سب مجتہدین کو بھی اس فیصلہ کی خبر ہوجائے مگر وہ غور و فکر اور اظہار رائے کا موقع ملنے کے باوجود سکوت اختیار کریں ان میں سے کوئی بھی اس فیصلے سے اختلاف نہ کرے۔

اجماع کی ان تینوں قسموں میں سے پہلی دونوں قسمیں تو سب فقہاء کے نزدیک حجت ہیں، البتہ تیسری قسم یعنی ''اجماع سکوتی'' کے حجت ہونے میں فقہاء کا اختلاف[1] ہے، امام احمد، اکثر حنفیہ اور بعض شوافع کے نزدیک یہ حجت قطعیہ

(۱) یہاں تک ان تین قسموں کا بیان تسہیل الاصول، ص ۱۶۸ و ص ۱۷۳ سے ماخوذ ہے۔

ہے، اور امام شافعیؒ اکثر شوافع اور اکثر مالکیہ کے نزدیک حجت ہی نہیں، اور بعض فقہاء نے اسے "حجت ظنیہ" قرار دیا ہے[1]۔

یہ اجماع کی قسموں کا اجمالی بیان ہے، تفصیل کیلئے اصول فقہ کی کتابوں کی مراجعت فرمائی جائے۔

اجماع کے مراتب:

اجماع کرنے والوں کے اعتبار سے اجماع کے حسب ذیل تین درجے ہیں:

۱۔ سب سے قوی درجہ کا اجماع وہ ہے جو تمام صحابہ کرام نے عملی یا زبانی طور پر صراحتاً کیا ہو، اس لئے کہ اس کے حجت قطعیہ ہونے پر پوری[2] امت کا اتفاق ہے۔

۲۔ دوسرا درجہ صحابہ کرامؓ کے "اجماع سکوتی" کا ہے یہ بھی اگرچہ حنفیہ سمیت بہت سے فقہاء کے نزدیک حجت قطعیہ ہے، مگر اس کا منکر کافر نہیں، کیونکہ اس کے حجت ہونے میں امام شافعیؒ اور بعض دیگر فقہاء کا اختلاف ہے جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا۔

۳۔ تیسرے درجہ پر وہ اجماع ہے جو صحابہ کرام کے بعد کسی زمانے کے تمام فقہاء نے کیا ہو، یہ بھی جمہور کے نزدیک حجت تو ہے، مگر "حجت قطعیہ" نہیں، کیونکہ جو حضرات غیر صحابہ کے اجماع کو حجت نہیں مانتے، ان کے اختلاف کی وجہ

---

(۱) التقریر، ص ۱۰۱ و ۱۰۲ ج ۳۔

(۲) جو حضرات صرف اہل مدینہ یا صرف اہل بیت کے اتفاق کو اجماع کے لئے کافی سمجھتے ہیں تمام صحابہ کا اجماع ان کے نزدیک بھی حجت قطعیہ ہے، کیونکہ صحابہ میں اس زمانے کے اہل مدینہ اور اہل بیت بھی داخل ہیں۔ (تسہیل الوصول، ص ۱۷۳)۔

سے اس اجماع میں قطعیت باقی نہیں رہی، یہ درجہ میں ''سنت مشہورہ'' کے مانند ہے، اس کا منکر بھی کافر نہیں۔

ان سب درجات کی تفصیل کیلئے اصول فقہ کی کتابوں (۱) کا مطالعہ کیا جائے۔

نقل اجماع:

اجماعی فیصلوں کے درجات کی جو ترتیب اوپر بیان ہوئی وہ اصل کے اعتبار سے ہے، لیکن جب اجماعی فیصلے کی خبر ہم تک پہنچے گی تو اس خبر کی روایت جتنی قوی ہوگی، ہمارے حق میں اس اجماعی فیصلے کی تاثیر بھی اتنی ہی قوی ہوگی، اور روایت میں جس قدر ضعف ہوگا اس اجماعی فیصلے کی تاثیر بھی ہمارے حق میں اتنی ہی ضعیف ہوجائے گی، چنانچہ تمام صحابہ کرام کا اجماع قولی یا عملی جو درجہ اول کا اجماع ہے، اور اپنی ذات میں ''حجت قطعیہ'' ہے، اگر اس کی خبر ہم تک ''تواتر'' سے پہنچے تب تو وہ ہمارے لئے بھی حجت قطعیہ باقی رہے گا، اور اس کا منکر کافر ہوگا، لیکن اس کی خبر ہم تک اگر قابل اعتماد سند سے تواتر کے بغیر پہنچے تو اس کی قطعیت ہمارے حق میں ختم ہوجائے گی، اور اس کا حکم وہی ہوگا جو غیر متواتر حدیث کا ہوتا ہے، کہ وہ ''دلیل ظنی'' ہوتی ہے، شرعی احکام اس سے ثابت ہوسکتے ہیں مگر اس کا منکر کافر نہیں (۲) ہوتا۔

اور اگر اس کی خبر سند کے اعتبار سے بھی ضعیف ہو تو اس کا حکم وہ ہوگا جو ''حدیث ضعیف'' کا ہوتا ہے، کہ وہ حجت ہی نہیں، اور اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوسکتا۔

---

(۱) مثلاً تسہیل الوصول، ص ۱۷۳ اور ۱۷۴، اور التقریر والتحبیر، ص ۸۰ تا ۹۲۔

(۲) تسہیل الوصول، ص ۱۴۳۔

خلاصہ یہ ہے کہ فقہ کا ماخذ ہونے کے اعتبار سے درجہ اول کے اجماع کی حیثیت ہمارے لئے وہی ہے جو آنحضرت ﷺ کی سنت کی ہے، کہ وہ اگر ہم تک تواتر سے پہنچے تو ''دلیل قطعی'' ہے، اور سند ضعیف سے پہنچے تو وہ ہمارے لئے کسی شرعی حکم کی دلیل نہیں بن سکتا۔

☆☆☆

قیامت اور علامات قیامت

قیامت اور علامات قیامت

زیر نظر رسالہ: قیامت اور علامات قیامت: حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے بڑی جانفشانی اور محنت سے تالیف فرمایا ہے یہ رسالہ علامات قیامت کے مفہوم، ان کی اہمیت، اقسام متعلقہ احادیث کی ایمان افروز تفصیلات اور زمانی ترتیب کے لحاظ سے ان کی جامع اور مدلل فہرست پر مشتمل ہے، علامات قیامت کی مفصل فہرست ایک خاص انداز پر مرتب فرمائی ہے، جو در حقیقت عربی کتاب، التصریح بما تواتر فی نزول المسیح کا جامع خلاصہ ہے۔

التصریح بما تواتر فی نزول المسیح حضرت مولانا شاہ انور شاہ کشمیری صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہما کی تالیف ہے جسکا اردو ترجمہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم نے فرمایا تھا، اور ترجمہ علامات قیامت اور نزول مسیح کے نام سے ۱۳۹۳ھ سے مستقل کتابی شکل میں اب تک بار بار شائع ہوتا رہا ہے، اس ترجمہ کے آخر میں موصوف مدظلہم نے زیر نظر رسالہ قیامت اور علامات قیامت کا اضافہ بھی فرمایا تھا، اور یہ بھی مذکورہ بالا ترجمہ کے ساتھ اسکے حصہ سوم کے طور پر شائع ہوتا رہاہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قیامت:۔ صور اسرافیل کی اس خوفناک چیخ کا نام ہے جس سے پوری کائنات زلزلہ میں آجائے گی، اس ہمہ گیر زلزلہ کے ابتدائی جھٹکوں ہی سے وحشت زدہ ہو کر دودھ پلانے والی مائیں اپنے دودھ پیتے بچوں کو بھول جائیں گی، حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے، اس چیخ اور زلزلہ کی شدت دم بدم بڑھتی جائے گی جس سے تمام انسان اور جانور مرنے شروع ہو جائیں گے یہاں تک کہ زمین وآسمان میں کوئی جاندار زندہ نہ بچے گا، زمین پھٹ پڑے گی، پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑتے پھریں گے، ستارے اور سیارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے آفتاب کی روشنی فنا اور پورا عالم تیرہ و تار ہو جائے گا، آسمانوں کے پرخچے اڑ جائیں گے اور پوری کائنات موت کی آغوش میں چلی جائے گی۔

اس عظیم دن کی خبر تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو دیتے چلے آئے تھے مگر رسول خدا احمد مصطفیٰ ﷺ نے آکر یہ بتایا کہ قیامت قریب آپہنچی اور میں اس دنیا میں اللہ کا آخری رسول ہوں، قرآن حکیم نے بھی اعلان کیا کہ

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾

قیامت نزدیک آپہنچی اور چاند شق ہو گیا

اور یہ کہہ کر لوگوں کو چونکایا:

﴿فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلاَّ السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ اَشْرَاطُهَا فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَاءَتْهُمْ ذِكْرٰهُمْ﴾

سو کیا یہ لوگ بس قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ ان پر دفعۃً آپڑے، سو یاد رکھو کہ اس کی (متعدد) علامتیں آچکی ہیں، سو جب قیامت ان کے سامنے آکھڑی ہو گی اس وقت ان کو سمجھنا کہاں میسر ہو گا۔

لیکن قیامت کب آئے گی اس کی ٹھیک تاریخ تو کجا سال اور صدی تک اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، یہ ایسا راز ہے جو خالق کائنات نے کسی فرشتے یا نبی کو بھی نہیں بتایا جبریل امین نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا ان کو بھی یہی جواب ملا کہ

ما المسئول عنها باعلم من السائل

جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔

قرآن حکیم نے بھی بتادیا کہ قیامت کے مقررہ وقت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، چند آیات یہ ہیں۔

(۱) اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ

بے شک قیامت کی خبر اللہ ہی کو ہے۔

(۲) ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا﴾۔ (سورہ النازعات)

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہو گا، سو اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق، اس (کے علم کی تعیین) کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے۔

(۳) ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا اِلاَّ هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلاَّ بَغْتَةً يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۝

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا، آپ فرمادیجئے کہ اس کا (یہ) علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے اس کے وقت پر اس کو سوا اللہ کے کوئی اور ظاہر نہ کرے گا، وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری حادثہ ہوگا، وہ تم پر محض اچانک آپڑے گی، وہ آپ سے اس طرح (اصرار) سے پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں آپ فرمادیجئے کہ اس کا علم خاص اللہ ہی کے پاس ہے۔

علامات قیامت کی اہمیت

البتہ قیامت کی علامات انبیاء سابقین علیہم السلام نے بھی اپنی اپنی امتوں کو بتلائی تھیں اور رسول اکرم ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہ تھا اس لئے آپ نے اس کی علامات سب سے زیادہ تفصیل سے ارشاد فرمائیں، تاکہ لوگ یوم آخرت کی تیاری کریں، اعمال کی اصلاح کرلیں اور نفسیاتی خواہشات ولذات میں انہماک سے باز آجائیں آپ صحابہ کرام کو انفراداً اور اجتماعاً کبھی اختصار اور کبھی تفصیل سے ان علامات کی تعلیم فرماتے رہے، آپ نے ان کی تبلیغ کا کتنا اہتمام فرمایا اس کا کچھ اندازہ صحیح مسلم کی ان روایتوں سے ہوگا۔

عن ابی زید قال صلی بنا رسول الله ﷺ الفجر وصعد المنبر فخطبنا حتی حضرت الظهر فنزل فصلی ثم صعد المنبر يخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی غربت الشمس فاخبرنا بما كان وبما هو كائن فاعلمنا احفظنا

(صحیح مسلم ص ۳۹۰ ج ۲)

ابو زیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو فجر کی نماز پڑھائی اور

منبر پر چڑھ کر ہمارے سامنے خطبہ دیا یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا، پس آپ نے اتر کر نماز پڑھی پھر منبر پر تشریف لے گئے اور ہمیں خطبہ دیتے رہے یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا، پھر آپ نے اتر کر نماز پڑھی اور پھر منبر پر تشریف لے گئے اور ہمیں خطبہ دیتے رہے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا پس آپ نے ہمیں (اس خطبہ میں) ان (اہم) واقعات کی خبر دی جو ہو چکے اور جو آئندہ ہونے والے ہیں، پس ہم میں سے جس کا حافظہ زیادہ قوی تھا وہی (ان واقعات کو) زیادہ جاننے والا ہے۔

عن حذيفة قال قام فينا رسول الله ﷺ مقاما ما ترك شيئا يكون في مقامه ذلك الى قيام الساعة الاحدث به حفظه من حفظه ونسي من نسيه قد علمه اصحابي هؤلاء وانه ليكون منه الشئى قد نسيته فاراه فاذكره كما يذكر الرجل وجه الرجل اذا غاب عنه ثم اذا راه عرفه (صحیح مسلم ص۳۹۰ ج۲)

حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اس قیام میں آپ نے قیامت تک ہونے والا کوئی (اہم) واقعہ نہیں چھوڑا جو ہمیں نہ بتلایا ہو جس نے یاد رکھا یاد رکھا، جو بھول گیا بھول گیا، میرے یہ ساتھی بھی یہ بات جانتے ہیں، اور آپ نے ہمیں جن واقعات کی خبر دی ان میں سے جو میں بھول گیا ہوں وہ بھی جب رونما ہوتا ہے تو مجھے یاد آجاتا ہے جیسے کوئی آدمی جب غائب ہو تو آدمی اس کا چہرہ بھول جاتا ہے پھر جب وہ نظر پڑتا ہے تو یاد آجاتا ہے۔

امت نے آنحضرت ﷺ کی دیگر احادیث کی طرح علامات قیامت کی حدیثیں بھی محفوظ رکھنے اور آئندہ نسلوں تک پہنچانے کا بڑا اہتمام کیا حتی کہ بچوں کو ابتدائے عمر ہی سے یہ احادیث یاد کرائی جاتی تھیں، کتب حدیث میں اس باب کی احادیث کا ایک عظیم ذخیرہ محفوظ ہے جو نسلاً بعد نسل حفظ و روایت کے

ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔

یوں تو حدیث کی کوئی جامع کتاب ان احادیث سے خالی نہیں مگر اکابر محدثین نے اس موضوع پر مستقل تصانیف چھوڑی ہیں ایک ایک علامت پر بھی مستقل تصانیف موجود ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ اب تک ایسی کوئی کتاب نظر سے نہیں گذری جو علامات قیامت کی تمام مستند احادیث کو جامع ہو اور جس میں سب احادیث مفصل اور مستند حوالوں کے ساتھ ذکر کی گئی ہوں۔

ان علامات کی کیفیت

علامات قیامت میں بعض واقعات کی تو اتنی تفصیلات ملتی ہیں کہ بہت چھوٹی چھوٹی چیزوں کی نشاندہی بھی موجود ہے مثلاً فتنۂ دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کے دور کی اتنی تفصیلات بیان فرمادی گئیں، کہ کسی دوسری علامت میں اس کی نظیر نہیں ملتی وجہ یہ ہے کہ فتنۂ دجال مؤمنین کے ایمان کی نہایت کڑی آزمائش ہوگا اگر اس کی تفصیلات لوگوں کے سامنے نہ ہوں تو دجال کے دام فریب میں پھنس جانے کا قوی اندیشہ تھا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ اور دیگر تفصیلات بھی اس لئے ضروری تھیں کہ کوئی بوالہوس اگر مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر بیٹھے تو اس کے مکر و فریب کا پردہ چاک کیا جاسکے، اور جب وہ تشریف لائیں تو ان کو بآسانی پہچان کر مسلمان ان کی جھنڈے تلے دجال سے جہاد کر سکیں، اتنی کثیر علامات اور ان کی تفصیلات سے بعض اوقات قاری یہ توقع بھی کرنے لگتا ہے کہ واقعات کی کڑیاں ملا کر وہ قیامت کا ٹھیک ٹھیک زمانہ متعین کرنے میں کامیاب ہو جائے گا، لیکن نہ ایسا ہوا ہے نہ ہو سکے گا قرآن حکیم کا واضح ارشاد ہے کہ: لا تاتیکم الا بغتة: قیامت تم پر اچانک آپڑے گی، وجہ یہ ہے کہ اول تو

بہت سی علامتوں میں ترتیب ہی کا ادراک نہیں ہوتا کہ کونسا واقعہ پہلے اور کونسا بعد میں ہوگا، اور جن واقعات کی ترتیب احادیث میں بیان کردی گئی ہے، ان میں بھی متعدد مقامات پر یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ دونوں واقعوں کے درمیان کتنے زمانہ کا فاصلہ ہے پھر بہت سی احادیث میں ایسا اجمال ہے کہ ان کی مراد یقینی طور پر متعین نہیں ہوتی حتی کہ بعض مقامات پر پڑھنے والے کو تعارض کا شبہ ہونے لگتا ہے حالانکہ وہاں اجمال ہے تعارض نہیں۔

علامات قیامت کی احادیث میں تعارض کیوں نظر آتا ہے؟

علامات قیامت کی بعض احادیث میں سرسری نظر سے جو کہیں تعارض محسوس ہوتا ہے اس کی چند وجوہ ہیں، ایک یہ کہ اس موضوع کی بعض احادیث میں اختصار ہے، اگر مفصل حدیث سامنے نہ ہو تو اختصار کے باعث دو حدیثیں باہم متعارض محسوس ہوتی ہیں مثلاً صحیح احادیث میں ہے کہ دجال بائیں آنکھ سے (۱) کانا ہوگا، مگر صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ وہ دائیں آنکھ سے (۲) کانا ہوگا، دونوں حدیثیں بظاہر متضاد معلوم ہوتی ہیں لیکن پوری حقیقت مسند احمد کی ایک اور روایت سے سامنے آتی (۳) ہے کہ اس کی دونوں آنکھیں عیب دار ہوں گی بائیں آنکھ بے نور ہوگی اور دائیں آنکھ میں موٹی پھلی ہوگی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت کے لئے قرآن وسنت میں عموماً لفظ الساعۃ اور

---

(۱) یہ احادیث حصہ دوم میں گذری ہیں اور آگے بھی ان کے حوالے علامت قیامت کی فہرست میں آئیں گے۔

(۲) عن ابن عمر موفوعا ان المسیح الدجال اعور العین الیمنی کان عینہ عنبۃ طافئۃ (مسلم ص ۳۹۹ ج ۲)۔

(۳) دیکھئے حصہ دوم میں حدیث ۳۵۔

القیامۃ استعمال ہوا ہے مگر بعض احادیث میں یہ دونوں لفظ دوسرے معانی میں بھی استعمال ہوئے ہیں چنانچہ مطلق موت کو بھی قیامت کہا گیا ہے اور قیامت کی کسی بڑی اور قریبی علامت پر بھی لفظ قیامت کا اطلاق کیا گیا ہے، جس کا ذہن ان معانی کی طرف نہ جائے گا وہ کئی احادیث میں تعارض محسوس کرے گا۔

مثلاً مسلم میں روایت ہے کہ:

عن انس ان رجلا سأل رسول اللہ ﷺ متی تقوم الساعۃ وعندہ غلام من الانصار یقال لہ محمد فقال رسول اللہ ﷺ ان یعش ھذا الغلام فعسی ان لایدرکہ الھرم حتی تقوم الساعۃ (صحیح مسلم ص۴۰۶ ج۲)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی اس وقت آپ کے پاس ایک انصاری لڑکا موجود تھا جس کا نام محمد تھا پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ زندہ رہا تو ہو سکتا ہے کہ اس کے بوڑھے ہونے سے پہلے قیامت آجائے۔

یہ حدیث ان تمام احادیث سے متعارض معلوم ہوتی ہے جو آگے علامات قیامت کی فہرست میں آئیں گی اور پیچھے حصہ دوم میں تفصیل سے گذری ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت اور قیامت کے درمیان صدیوں کا فاصلہ ہوگا۔

مگر حضرت عائشہؓ کی ایک روایت سے جو صحیح مسلم ہی میں ہے حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہاں ساعت کا لفظ قیامت کے معنی میں نہیں بلکہ کچھ خاص افراد کی موت کے معنی میں استعمال ہوا ہے وہ روایت یہ ہے۔

عن عائشہ قالت کان الاعراب اذا قدموا علی رسول اللہ

ﷺ وسلم سالوه عن الساعة متى الساعة فنظر الى احدث انسان منهم فقال ان يعش هذالم يدركه الهرم قامت عليكم ساعتکم (صحیح مسلم ۴۰۶ ج ۲)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اعرابی جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے تو آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے کہ قیامت کب آئے گی؟ پس آپ ان میں سب سے کم سن انسان پر نظر ڈالتے اور فرماتے اگر یہ زندہ رہا تو اس کے بڑھاپے سے پہلے تمہاری قیامت آجائے گی۔

ظاہر ہے کہ یہاں تمہاری قیامت سے مخاطبین کی موت مراد ہے، عام قیامت نہیں اس معنی کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں ذکر کی ہے کہ

روی انس عن النبی ﷺ انه قال الموت القيامة فمن مات فقد قامت قيامته[1] (الاحیاء ص ۴۲۱ ج ۴)

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا موت قیامت ہے پس جو مرا اس کی قیامت تو آہی گئی۔

اسی طرح مندرجہ ذیل احادیث میں بھی اگر تحقیق سے کام نہ لیا جائے تو تعارض نظر آتا ہے پہلی حدیث صحیح مسلم میں ہے، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ

(۱) سمعت رسول الله ﷺ يقول لاتزال طائفة من امتى يقاتلون على الحق ظاهرين الى يوم القيامة

میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں ایک جماعت یوم قیامت تک سربلندی کے ساتھ حق کے لئے بر

---

(۱) حافظ الاسلام زین الدین عراقیؒ نے اس حدیث کی تخریج ابن ابی الدنیا سے کی ہے اور اس کی سند کو ضعیف کہا ہے مگر ہم نے یہ روایت محض تائید کے لئے ذکر کی ہے ورنہ حضرت عائشہ کی جو روایت مسلم کی حوالہ سے اوپر آئی ہمارا استدلال وہی ہے جس کی صحت و قوت میں کوئی شبہ نہیں۔

سرپیکار رہے گی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنین کی ایک ایسی جماعت یوم قیامت تک زندہ رہے گی، مگر مندرجہ ذیل احادیث میں صراحت ہے کہ قیامت سے پہلے تمام مؤمنین کو موت آجائے گی اور قیامت کے دن کوئی مؤمن زندہ نہ ہوگا، وہ احادیث یہ ہیں۔

(۲) ان الله عزوجل يبعث ريحا الين من الحرير فلا تدع احدا في قلبه قال ابو علقمة مثقال حبة وقال عبد العزيز مثقال ذرة من ايمان الاقبضته[۱]

بے شک اللہ عزوجل ایک ہوا بھیجے گا جو ریشم سے زیادہ نرم ہوگی پس جس کے دل میں ایک دانہ یا ایک ذرہ کی برابر بھی ایمان ہوگا وہ اسے نہ چھوڑے گی اور اس کی روح قبض کرلے گی۔

(۳) لا تقوم الساعة حتى لايقال فى الارض الله الله (صحیح مسلم ص۸۴ ج۱)

قیامت نہ آئے گی جب تک یہ کیفیت نہ ہو جائے کہ زمین میں اللہ اللہ نہ کہا جائے۔

(٤) لا تقوم الساعة على احد يقول الله الله[۲]

قیامت ایسے کسی شخص پر نہیں آئے گی جو اللہ اللہ کہتا ہو۔

(٥) لا تقوم الساعة الاعلى شرار الناس[۳]

قیامت نہیں آئے گی مگر صرف بدترین لوگوں پر۔

دونوں قسم کی احادیث میں بظاہر تعارض ہے پہلی حدیث باقی چاروں

---

(۱) صحیح مسلم ص۵، ج۱

(۲) صحیح مسلم ص۸۴ ج۱ (۲) صحیح مسلم ص۴۰۶ ج۲

(۳) یہ سب حدیثیں حصۂ دوم میں گذری ہیں دیکھئے حدیث (۳۲)، (۴۷)، (۷۳)، (۱۰۵)، (۱۰۶)

حدیثوں سے معارض نظر آتی ہے، لیکن پہلی حدیث جو یہاں مسلم سے نقل کی گئی مختلف کتب حدیث میں متعدد سندوں اور مختلف الفاظ سے آئی ہے مسند احمد، مسند ابی یعلی، سنن ابی عمر والدانی، کنز العمال، ابن عساکر، الحاوی اور سیرت خلطائی کی حدیثوں میں " الی یوم القیامة" کی بجائے حتی ینزل عیسی ابن مریم(۱) کا لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مؤمنین کی ایک ایسی جماعت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے نازل ہونے تک باقی رہے گی، معلوم ہوا کہ اوپر مسلم کی پہلی روایت میں جو "الیٰ یوم القیامة" ہے وہاں یوم قیامت سے قیامت کبریٰ مراد نہیں بلکہ قیامت کی ایک بڑی علامت یعنی نزول عیسیٰ علیہ السلام مراد ہے لہٰذا پہلی حدیث اور باقی چار حدیثوں میں جو تعارض نظر آرہا تھا ختم ہو گیا۔

کہیں دو حدیثوں میں تعارض اس لئے ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک ضعیف یا موضوع ہوتی ہے اگر حدیث موضوع ہے تو اس کا تو اعتبار ہی نہیں وہ کالعدم ہے، اور اگر ضعیف ہے اور وہ حدیث قوی پر منطبق نہیں ہوتی تو ظاہر ہے کہ حدیث ضعیف کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ اعتماد حدیث قوی پر ہی کیا جائے گا۔

کبھی علامات قیامت کی دو حدیثوں میں تعارض اس لئے محسوس ہوتا ہے کہ دو الگ الگ علامتوں کو ایک سمجھ لیا جاتا ہے، مثلاً قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ عدن (یمن) سے آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانک کر ملک شام میں جمع کر دے گی، اور کئی دوسری حدیثوں میں ہے کہ "آگ حجاز سے نکلے گی" سرسری نظر سے دونوں باتیں متضاد معلوم ہوتی ہیں، لیکن در حقیقت یہ دو الگ الگ علامتیں ہیں حجاز کی آگ بھی علامات قیامت میں سے ہے اور وہ نکل چکی ہے جس کی تفصیل آگلے صفحات میں آرہی ہے، اور عدن کی آگ ابھی نہیں نکلی وہ بالکل قرب قیامت میں نکلے گی جیسا کہ علامات قیامت کی فہرست کے آخر میں بیان ہوگا۔

یہ تعارض کے وہ موٹے موٹے اسباب ہیں جو علامات قیامت کی احادیث میں زیادہ پیش آتے ہیں، دیگر اسباب بھی ہوتے ہیں لیکن وہ اس مضمون کے ساتھ خاص نہیں دوسری احادیث میں بھی بکثرت پیش آتے ہیں، یہاں صرف نمونہ کے طور پر چند اسباب پیش کئے گئے ہیں تاکہ ناظرین کو جہاں احادیث کے درمیان تضاد اور تعارض نظر آئے وہاں تضاد کا فیصلہ کرنے کی بجائے حدیث کی حقیقت سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

ناچیز راقم الحروف نے حصہ دوم کے ترجمہ میں قوسین اور حواشی میں ایسے مقامات پر جہاں احادیث میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے اسے حل کرنے کی کوشش کی ہے اور آگے علامات قیامت کی فہرست میں ناظرین دیکھیں گے کہ انہیں مرتب ہی اس طرح کیا ہے کہ تعارض اکثر مقامات پر تو محسوس ہی نہیں ہوتا خود ترتیب بیان ہی سے تعارض کا حل ہوگیا ہے، اور کہیں بقدر ضرورت حواشی میں اس کا بیان کردیا گیا ہے۔

علامات قیامت کی تین قسمیں

قرآن حکیم میں جو علامات قیامت ارشاد فرمائی گئیں وہ زیادہ تر ایسی علامات ہیں جو بالکل قرب قیامت میں ظاہر ہوں گی، اور آنحضرت ﷺ نے احادیث میں قریب اور دور کی چھوٹی بڑی ہر قسم کی علامات بیان فرمائیں، علامہ محمد بن عبد الرسول برزنجیؒ (متوفی ۱۱۰۳ھ) نے اپنی کتاب "الاشاعة لا شراط الساعة" میں علامات قیامت کی تین قسمیں کی ہیں (۱) علامات بعیدہ (۲) علامات متوسطہ جن کو علامات صغریٰ بھی کہا جاتا ہے (۳) علامات قریبہ جن کو علامات کبریٰ بھی کہا جاتا ہے۔

قسم اوّل (علامات بعیدہ)

علامات بعیدہ وہ ہیں جن کا ظہور کافی پہلے ہو چکا ہے، ان کو بعیدہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کی اور قیامت کے درمیان نسبۃً زیادہ فاصلہ ہے، مثلاً رسول اللہ ﷺ کی بعثت شق القمر (۱) کا واقعہ، رسول اللہ ﷺ کی وفات، جنگ صفین (۲)، یہ سب واقعات از روئے قرآن و حدیث علامات قیامت میں سے ہیں اور ظاہر ہو چکے ہیں۔

فتنۂ تاتار

انہی علامات سے فتنۂ تاتار ہے جس کی پیشگی خبر احادیث صحیحہ میں دی گئی تھی، بخاری مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے یہ روایت ذکر کی ہیں، بخاری میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں (۳)۔

---

(۱) لقولہ علیہ السلام" بعثت انا والساعة كهاتين" رواہ البخاری و مسلم ولقولہ تعالیٰ "اقتربت الساعة وانشق القمر" تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر بیان القرآن سورۂ محمد تحت قوله تعالیٰ فقد جاء اشراطها اور آگے کی سب علامات کو علامہ برزنجیؒ نے "الاشاعۃ" میں تفصیل سے احادیث کے ساتھ بیان کیا ہے ص ۴۷، ۱۰۵، ۳۵ تا ص ۴۰ اور اجمالاً یہ سب علامات نواب صدیق حسن صاحبؒ نے بھی "الاذاعة لما يكون بين يدى الساعة" میں ذکر کی ہیں ص ۱۳ تا ۸۵ طبع ثانی مدینہ منورہ

(۲) لقوله عليه السلام لا تقوم الساعة حتى تقتل فئتان عظيمتان تكون بينهما مقتلة عظيمة دعوتهما واحدة۔ صحیح بخاری ۱۰۵۴ ج ۲ و مسلم ص ۳۹۰ ج ۲ شراح حدیث حافظ ابن حجر علامہ قسطلانی وغیر ہمانے اس کا مصداق جنگ صفین ہی کو قرار دیا ہے مثلاً دیکھئے فتح الباری ص ۷۲ ج ۱۳۔

(۳) صحیح بخاری ص ۴۱۰ ج اول، کتاب الجهاد باب قتال الترك و ص ۵۰۷ ج اول باب علامات النبوۃ کتاب المناقب

قال ابو هريرة قال رسول الله ﷺ لا تقوم الساعة حتى
تقاتلوا الترك صغار الاعين حمر الوجوه ذلف الانوف كان
وجوههم المجان المطرقة ولا تقوم الساعة حتى تقاتلو
اقوامانعالهم الشعر

وفي حديث عمروبن تغلب مرفوعا وان من اشراط الساعة
ان تقاتلوا اقوما عراض الوجوه۔ (صحیح البخاری)

ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت نہ آئے گی
یہاں تک کہ تم ترکوں سے جنگ کرو، جن کی آنکھیں چھوٹی چہرے
سرخ اور ناکیں چھوٹی اور چپٹی ہوں گی، ان کے چہرے (گولائی اور
موٹائی میں) ایسی ڈھال کی مانند ہوں گے جس پر تہ بر تہ چمڑا چڑھادیا گیا
ہو، اور قیامت نہیں آئے گی یہاں تک کہ تم ایک ایسی قوم سے جنگ
کرلو جن کے جوتے بالوں کے ہوں گے۔

اور ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علامت قیامت
میں سے یہ بھی ہے کہ تم ایک ایسی قوم سے جنگ کروگے جن کے
چہرے عریض (چوڑے) ہوں گے۔

اور صحیح مسلم(۱) کی ایک حدیث میں ان کی یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے کہ
یلبسون الشعر یعنی وہ بالوں کا لباس پہنتے ہوں گے، ان احادیث میں جس قوم
سے مسلمانوں کی جنگ کی خبر دی گئی ہے یہ تاتاری ہیں(۲) جو ترکستان سے قہر الٰہی
بن کر عالم اسلام پر ٹوٹ پڑے تھے، اور اس قوم کی جو جو تفصیلات رسول اللہ
ﷺ نے بتلائی تھیں وہ سب کی سب فتنہ تاتار میں رونما ہو کر رہیں، یہ فتنہ
۶۵۶ھ میں اپنے عروج پر پہنچا جب کہ تاتاریوں کے ہاتھوں سقوط بغداد کا عبر

(۱) صحیح مسلم ص۳۹۵ ج۲

(۲) فتح الباری ص۷۷ ج۲، عمدۃ القاری ص۲۰۱ ج۱۴، ۱۳۲ ج۱۶، الاشاعۃ ص۳۵، والاذاعۃ ص۸۲۔

تناک حادثہ پیش آیا، انہوں نے بنو عباس کے آخری خلیفہ مستعصم کو قتل کر ڈالا اور عالم اسلام کے بیشتر ممالک ان کی زد میں آکر زیر و زبر ہو گئے۔

شارح مسلم علامہ نوویؒ نے وہ دور اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کیونکہ ان کی ولادت ۶۳۱ھ میں اور وفات ۶۷۶ھ میں ہوئی، وہ انہی احادیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

> یہ سب پیشین گوئیاں رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہیں، کیونکہ ان ترکوں سے جنگ ہو کر رہی، وہ سب صفات ان میں موجود ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی تھیں، آنکھیں چھوٹی، چہرے سرخ، ناکیں چھوٹی اور چپٹی، چہرے عریض، ان کے چہرے ایسی ڈھال کی طرح ہیں جن پر تہ بر تہ چمڑا چڑھا دیا گیا ہو، بالوں کے جوتے پہنتے ہیں، غرض یہ ان تمام صفات کے ساتھ ہمارے زمانہ میں موجود ہیں، مسلمانوں نے ان سے بارہا جنگ کی ہے اور اب بھی ان سے جنگ جاری ہے، ہم خدائے کریم سے دعا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے حق میں بہرحال انجام بہتر کرے ان کے معاملہ میں بھی اور دوسروں کے معاملہ میں بھی، اور مسلمانوں پر اپنا لطف وحمایت ہمیشہ بر قرار رکھے، اور رحمت نازل فرمائے اپنے رسول پر جو اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا بلکہ جو کچھ بولتا ہے وہ وحی ہوتی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے[1]۔

نار الحجاز

قیامت کی انہی علامات میں سے ایک حجاز کی وہ عظیم آگ ہے جس کی پیشگی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی تھی، بخاری اور مسلم[2] نے یہ حدیث حضرت ابو

(۱) شرح مسلم ص ۳۹۵ ج ۲ اصح المطابع کراچی

(۲) صحیح بخاری ص ۱۰۵۴ ج ۲ باب خروج النار، کتاب الفتن، وصحیح مسلم ص ۳۹۳ ج ۲ کتاب الفتن۔

ہریرہ سے ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

ان رسول الله ﷺ قال لا تقوم الساعة حتى تخرج نار من ارض الحجاز تضئی اعناق الابل ببصری

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ سر زمین حجاز سے ایک آگ نکلے گی جو بصری میں اونٹوں کی گردنیں روشن کردے گی۔

اور فتح الباری میں یہ روایت بھی ہے جس میں مزید تفصیل ہے۔

عن عمر بن الخطاب یرفعه لا تقوم الساعة حتى يسيل واد من اودية الحجاز بالنار تضئی له اعناق الابل ببصریٰ

(فتح الباری ص۶۸ ج۱۳، بحواله الكامل لابن عدی)

کہ حضرت عمر بن الخطاب نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرمایا کہ قیامت نہیں آئے گی یہاں تک کہ حجاز کی وادیوں میں سے ایک وادی ایسی آگ سے بہ پڑے جس سے بصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی۔

بصریٰ مدینہ طیبہ اور دمشق کے درمیان شام کا مشہور شہر ہے جو دمشق سے تین[1] مرحلہ (تقریباً ۴۸ میل) پر واقع ہے۔

یہ عظیم آگ بھی فتنہ تاتار سے تقریباً ایک سال پہلے مدینہ طیبہ کے نواح میں انہی صفات کے ساتھ ظاہر ہو چکی ہے[2] جو ان احادیث میں بیان کی گئی ہیں، یہ آگ جمعہ ۶ جمادی الثانیہ ۶۵۴ھ کو نکلی اور بحر زخار کی طرح میلوں میں پھیل

---

(۱) فتح الباری ص۶۷ ج۱۳ اور ارشاد الساری ص۲۰۳ ج۱۰

(۲) فتح الباری ص۶۷ ج۱۳ عمدة القاری للعینی ص ۲۱۲ تا ۲۱۳ ج ۲۴، ارشاد الساری للقسطلانی ص ۲۰۳ تا ۲۰۴ ج ۱۰ الاشاعۃ ص ۷ ۳ تا ۴۰، الاذاعۃ ص ۸۴، وفاء الوفاء للسمہودی ص ۱۳۹ تا ۱۵۱ ج اول۔

گئی جو پہاڑ اس کی زد میں آگئے انہیں راکھ کا ڈھیر بنادیا اتوار ۲۷ رجب (۵۲ دن) تک مسلسل بھڑکتی رہی اور پوری طرح ٹھنڈی ہونے میں تقریباً تین ماہ لگے، اس آگ کی روشنی مکہ مکرمہ ینبوع تیماء حتی کہ حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق بصری جیسے دور دراز مقام پر بھی دیکھی گئی، اس کی خبر تواتر کے ساتھ پورے عالم اسلام میں پھیل گئی تھی چنانچہ اس زمانہ کے محدثین و مؤرخین نے اپنی تصانیف میں اور شعراء نے اپنے کلام میں اس کا بہت تفصیل سے تذکرہ کیا ہے، صحیح مسلم کے مشہور شارح علامہ نووی اسی زمانہ کے بزرگ ہیں وہ مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

> حدیث میں جس آگ کی خبر دی گئی ہے یہ علامات قیامت میں سے ایک مستقل علامت ہے اور ہمارے زمانہ میں مدینہ طیبہ مین ایک آگ ۶۵۴ھ میں نکلی ہے جو بہت عظیم آگ تھی، مدینہ طیبہ سے مشرقی سمت میں حرہ کے پیچھے نکلی ہے تمام اہل شام اور سب شہروں میں اس کا علم بدرجہ تواتر پہنچ چکا ہے اور خود مجھے مدینہ کے ان لوگوں نے خبر دی ہے جو اس وقت وہاں موجود تھے (۱)۔

مشہور مفسر علامہ محمد بن احمد قرطبیؒ بھی اسی زمانہ کے بلند پایہ (۲) عالم ہیں انہوں نے اپنی کتاب التذکرة بامور الآخرة میں اس آگ کی مزید تفصیلات بیان کی ہیں بخاری و مسلم کی اسی حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

> حجاز میں مدینہ طیبہ میں ایک آگ نکلی ہے، اس کی ابتداء زبردست زلزلہ سے ہوئی جو بدھ ۳ جمادی الثانیہ ۶۵۴ھ کی رات میں عشاء کے بعد آیا اور جمعہ کے دن چاشت کے وقت تک جاری رہ کر ختم ہوگیا،

---

(۱) شرح صحیح مسلم ص ۳۹۳ ج ۲

(۲) وفات ۶۷۱ھ

اور آگ قریظہ کے مقام پر حرہ کے پاس نمودار ہوئی جو ایسے عظیم شہر کی صورت میں نظر آرہی تھی جس کے گرد فصیل بنی ہوئی ہو اور اس پر کنگرے، برج اور مینارے بنے ہوئے ہوں، کچھ ایسے لوگ بھی دکھائی دیتے تھے جو اسے ہانک رہے تھے جس پہاڑ پر گذرتی تھی اسے ڈھا دیتی اور پگھلا دیتی تھی، اس مجموعہ میں سے ایک حصہ سرخ اور نیلا نہر کی سی شکل میں نکلتا تھا جس میں بادل کی سی گرج تھی وہ سامنے کی چٹانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا اور عراق مسافرین کے اڈہ تک پہنچ جاتا تھا، اس کی وجہ سے راکھ ایک بڑے پہاڑ کی مانند جمع ہو گئی پھر آگ مدینہ کے قریب تک پہنچ گئی، مگر اس کے باوجود مدینہ میں ٹھنڈی ہوا آتی رہی، اس آگ میں سمندر کے سے جوش وخروش کا مشاہدہ کیا گیا، میرے ایک ساتھی نے مجھے بتایا کہ میں اس آگ کو پانچ یوم کی مسافت سے فضاء میں بلند ہوتا ہوا دیکھا، اور میں نے سنا ہے کہ وہ مکہ اور بصری کے پہاڑوں سے بھی دیکھی گئی ہے[۱]، علامہ قرطبیؒ آگے فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی نبوۃ کے دلائل میں سے ہے[۲]۔

اسی زمانہ کے ایک اور جلیل القدر محدث ابو شامۃ[۳] المقدسی الدمشقی ہیں انہوں نے اپنی کتاب ذیل الروضتین میں وہ خطوط نقل کئے ہیں جو اس واقعہ کے فوراً بعد ان کو مدینہ طیبہ کے قاضی اور دیگر حضرات کی طرف سے ملے، یہ خود اس وقت دمشق[۴] میں تھے فرماتے ہیں:۔

---

(۱) فتح الباری ص ۶۷ ج ۱۳ نقلا عن التذکرۃ

(۲) مختصر تذکرۃ القرطبی للشیخ عبد الوہاب الشعرانی ص ۱۳۷

(۳) حافظ شمس الدین ذہبی نے ان کو حفاظ حدیث میں شمار کیا اور نقل میں قابل اعتماد، ثقۃ فی النقل قرار دیا ہے، ابو شامہؒ علی کی ولادت ۵۹۹ھ میں اور وفات ۶۶۵ھ میں ہوئی تذکرۃ الحفاظ ۲۴۳ ج ۴۔

(۴) البدایہ والنہایہ ص ۱۸۸ ج ۱۳ وفاء الوفاء للسمہودی ص ۱۴۳ ج اول۔

اوائل شعبان ۶۵۴ھ میں کئی خطوط مدینہ شریف سے آئے ان میں ایک عظیم واقعہ کی تفصیلات ہیں جو وہاں رونما ہوا ہے، اس ذاقعہ سے اس حدیث کی تصدیق ہوگئی جو بخاری و مسلم میں ہے (آگے وہی حدیث ذکر کرکے فرماتے ہیں) اس آگ کا مشاہدہ کرنے والوں میں سے جن لوگوں پر مجھے اعتماد ہے ان میں سے ایک شخص نے مجھے بتایا کہ اسے یہ اطلاع ملی ہے کہ اس آگ کی روشنی سے تیماء(۱) کے مقام پر خطوط لکھے گئے ہیں (بعض خطوط نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں) اور بعض خطوط میں ہے کہ جمادی الثانیہ کے پہلے جمعہ کو مدینہ کی مشرقی سمت میں ایک عظیم آگ رونما ہوئی اس کے اور مدینہ کے درمیان نصف یوم کی مسافت تھی، یہ آگ زمین سے نکلی اور اس میں سے آگ کی ایک وادی (نہر) سی بہہ پڑی، یہاں تک کہ وہ جبل احد کی محاذات میں آگئی، ایک اور خط میں ہے کہ ایک عظیم آگ کے باعث حرہ کے مقام پر سے زمین پھٹ پڑی آگ کی مقدار (طول وعرض میں) مسجد نبوی کے برابر ہوگی اور دیکھنے میں یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ مدینہ ہی میں ہے، اس میں سے ایک وادی سی بہہ پڑی جس کی مقدار چار فرسخ اور عرض چار میل تھا وہ سطح زمین پر بہتی تھی اس میں سے چھوٹے چھوٹے پہاڑ سے نمودار ہوتے تھے، ایک اور خط میں ہے کہ اس کی روشنی اتنی پھیلی کہ لوگوں نے اس کا مشاہدہ مکہ سے کیا (آگے فرماتے ہیں) یہ آگ مہینوں باقی رہی پھر ٹھنڈی ہوگئی، جو بات مجھ پر واضح ہوئی وہ یہ ہے کہ اس حدیث میں جس آگ کا ذکر ہے یہ وہی ہے جو مدینہ کے نواح میں(۲) ظاہر ہوئی ہے۔

علامہ سمہودی نے وفاء الوفاء میں اس زمانہ کے لوگوں کے بیانات نقل کئے

---

(۱) تیماء مدینہ طیبہ سے اتنی دور ہے جتنی دور بصری ہے ارشاد الساری للقسطلانی ص ۲۰۴ ج ۱۰۔

(۲) فتح الباری ص ۶۷ ج ۱۳ بحوالہ ذیل الروضتین۔

ہیں کہ اس زمانہ میں مدینہ طیبہ کے نواح میں آفتاب اور چاند کی روشنی دھویں کی کثرت کے باعث اتنی دھندلی ہو گئی تھی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سورج اور چاند کو گرہن لگا ہوا ہے اور ابو شامہ کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ۔

> اور ہمارے یہاں دمشق میں اس کا یہ اثر ظاہر ہوا کہ دیواروں پر سورج کی روشنی دھندلی ہو گئی تھی اور ہم حیران تھے کہ اس کا سبب کیا ہے، یہاں تک کہ ہمیں اس آگ کی خبر پہنچ گئی۔

اسی زمانہ کے ایک اور بزرگ علامہ قطب الدین القسطلانیؒ ہیں جو عین اس وقت جب کہ آگ لگی ہوئی تھی مکہ مکرمہ میں موجود تھے (۱)، انہوں نے اس آگ کی تحقیق میں بڑی کاوش سے کام لیا حتیٰ کہ اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا (۲) جس میں عینی گواہوں کے بیانات قلم بند کئے ہیں، انہوں نے یہ عجیب واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ

> مجھے ایک ایسے شخص نے بتایا ہے جس پر میں اعتماد کرتا ہوں کہ اس نے حرہ کے پتھروں میں سے ایک بہت بڑا پتھر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جس کا بعض حصہ حرم مدینہ کی حد سے باہر تھا آگ اس کے صرف اس حصہ میں لگی جو حد حرم سے خارج تھا اور جب پتھر کے اس حصہ پر پہنچی جو حد حرم میں داخل تھا تو بجھ گئی اور ٹھنڈی ہو گئی۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور معجزہ ہے کہ اتنی بڑی آگ حرم مدینہ میں داخل نہ ہو سکی حتیٰ کہ ایک ہی پتھر کا جو حصہ حرم سے باہر تھا اسے آگ نے جلا دیا

---

(۱) وفاء الوفاء ص ۱۴۵ ج ۱

(۲) اس رسالہ کا نام " جمل الایجاز فی الاعجاز بنار الحجاز " ہے، ارشاد الساری للقسطلانیؒ ص ۲۰۳ ج ۱۰ اور یاد رہے کہ یہ قطب الدین القسطلانی شارح بخاری نہیں، بلکہ شارح بخاری سے مقدم ہیں اور شارح بخاری علامہ شہاب الدین القسطلانی نے ان کے حوالے اپنی کتاب ارشاد الساری میں دیئے ہیں۔

اور جو حصہ اندر تھا وہاں پہنچ کر آگ خود ٹھنڈی ہو گئی۔

علامہ سمہودیؒ جو مدینہ طیبہ کے مشہور مورخ ہیں انہوں نے مدینہ طیبہ کے مقامات مقدسہ اور چپہ چپہ کی تاریخ اور تفصیلات جس کاوش سے اپنی کتاب وفاء الوفا میں بیان کی ہیں ان کی نظیر نہیں ملتی انہوں نے اگ کی تفصیلات تقریباً ۱۲ صفحات میں قلم بند کی ہیں[1] اور جن حضرات کے زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا تھا ان کے بیانات تفصیل سے نقل جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس آگ کی روشنی مکہ مکرمہ (۱) تیماء (۲) ینبوع (۳) جبال (۴) سایہ بصری (۵) جیسے دور دراز مقامات میں دیکھی گئی۔

اسی زمانہ کے ایک بزرگ قاضی القضاۃ صدر الدین حنفی ہیں جو دمشق میں حاکم رہے ہیں ان کی ولادت ۶۴۲ھ میں ہوئی قاضی القضاۃ ہونے سے پہلے یہ بصریٰ میں ایک مدرسہ کے مدرس تھے اور آگ کے واقعہ کے وقت بھی بصریٰ میں تھے انہوں نے مشہور مفسر مؤرخ حافظ ابن کثیر کو خود بتایا کہ

> جن دنوں یہ آگ نکلی ہوئی تھی میں نے بصریٰ میں ایک دیہاتی کو خود سنا جو میرے والد[2] کو بتا رہا تھا کہ ہم لوگوں نے اس آگ کی روشنی میں اونٹوں کی گردنیں دیکھی ہیں[3]۔

یہ بعینہٖ وہ بات ہے جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے صحیح حدیث میں دی تھی

---

(۱) اور اس آگ کے بارے میں احادیث نبویہ بھی کئی ذکر کی ہیں جن میں مزید تفصیل ہے، اور آگ اسی تفصیل کے ساتھ ظاہر ہوئی۔

(۲) ان کے والد شیخ صفی الدین ہیں یہ بھی بصری کے اسی مدرسہ میں مدرس تھے، البدایہ والنہایہ ۱۹۲ ج ۱۳ وفاء الوفاء ص ۱۳۹ ج ۱،

(۳) دیکھے البدایہ والنہایہ ص ۱۹۱ تا ۱۹۲ ج ۱۳ نیز یہ واقعہ وفاء الوفاء میں علامہ سمہوری نے بھی ذکر کیا ہے ص ۱۲۹ ج ۱۔

کہ اس آگ سے بصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی، اس آگ کے متعلق آنحضرت ﷺ نے تین باتیں ارشاد فرمائی تھیں، ایک یہ کہ وہ آگ حجاز میں نکلے گی، دوسری یہ کہ اس سے ایک وادی بہہ پڑے گی، اور تیسری یہ کہ اس سے بصریٰ کے مقام پر اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی، یہ سب باتیں من وعن کھل کر ظاہر ہو گئیں۔

غرض رسول اللہ ﷺ کے یہ ایسے معجزات ہیں جو آپ کے وصال کے صدیوں بعد ظاہر ہوئے، اور آئندہ کے بھی جن واقعات کی خبر آپ نے دی ہے بلاشبہ وہ بھی ایک ایک کر کے سامنے آتے جائیں گے، اور آئندہ نسلوں کے لئے آپ کی صداقت وحقانیت کی تازہ ترین دلیل بنیں گے۔

یوں تو علامات بعیدہ کی ایک طویل فہرست ہے جن کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی تھی کہ وہ قیامت سے پہلے رونما ہوں گے اور وہ رونما ہو کر رہے، علامہ برزنجیؒ نے اپنی مشہور کتاب الاشاعۃ میں اور بھی بہت سے واقعات لکھے ہیں، ہم نے صرف چند مثالیں پیش کی ہیں مگر کلام پھر بھی طویل ہو گیا تاہم یہ تطویل بھی انشاءاللہ نفع سے خالی نہ ہو گی۔

قسم دوم (علامات متوسطہ)

قیامت کی علامات متوسطہ وہ ہیں جو ظاہر تو ہو گئی ہیں مگر ابھی انتہاء کو نہیں پہنچیں ان میں روزافزوں اضافہ ہو رہا ہے، اور ہوتا جائے گا یہاں تک کہ تیسری قسم کی علامات ظاہر ہونے لگیں گی، علامات متوسطہ کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔

مثلاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دین

پر قائم رہنے والے کی حالت اس شخص کی طرح ہوگی جس نے انگارے کو اپنی مٹھی میں پکڑ رکھا ہو، دنیاوی اعتبار سے سب سے زیادہ نصیبہ ور وہ شخص ہوگا جو خود بھی کمینہ ہو اور اس کا باپ بھی کمینہ ہو، لیڈر بہت اور امانت وار کم ہوں گے، قبیلوں اور قوموں کے لیڈر منافق رذیل ترین اور فاسق ہوں گے، بازاروں کے رئیس فاجر ہوں گے پولیس[1] کی کثرت ہوگی (جو ظالموں کی پشت پناہی کرے گی) بڑے عہدے نااہلوں کو ملیں گے، لڑکے حکومت کرنے لگیں گے، تجارت بہت پھیل جائے گی، یہاں تک کہ تجارت میں عورت اپنے شوہر کا ہاتھ بٹائیگی مگر کساد بازاری ایسی ہوگی کہ نفع حاصل نہ ہوگا، ناپ تول میں کمی کی جائے گی، لکھنے کا رواج بہت بڑھ جائے گا، مگر تعلیم محض دنیا کے لئے حاصل کی جائے گی، قرآن کو گانے باجے کا آلہ بنالیا جائے گا، ریاء شہرت اور مالی منفعت کے لئے گا کر قرآن پڑھنے والوں کی کثرت ہوگی اور فقہاء کی قلت ہوگی، علماء کو قتل کیا جائے گا، اور ان پر ایسا سخت وقت آئے گا کہ وہ سرخ سونے سے زیادہ اپنی موت کو پسند کریں گے، اس امت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کریں گے۔

امانت دار کو خائن اور خائن کو امانت دار کہا جائے گا، جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا کہا جائے گا، اچھائی کو برا اور برائی کو اچھا سمجھا جائے گا، اجنبی لوگوں سے حسن سلوک کیا جائیگا اور رشتہ داروں کے حقوق پامال کئے جائیں گے بیوی کی اطاعت

---

(۱) یہ حدیث علامہ برزنجی نے الاشاعۃ میں طبرانی سے نقل کی ہے، پوری عبارت یہ ہے، ان من اعلام الساعة واشراطها ان تكثر الشرط (الى قوله) الطبرانى ان ابن مسعود والشرط بضم المعجمة وفتح المهملة هم ، اعوان السلطان قال السخاوى وهم الان اعوان الظلمة ويطلق غالبا على اقبح جماعة الوالى ونحوه وربما توسع فى اطلاقه على ظلمة الحكام الاشاعة ص ۱ ۱ ۷

اور ماں باپ کی نافرمانی ہوگی، مسجدوں میں شور شغب اور دنیا کی باتیں ہوں گی، سلام صرف جان پہچان کے لوگوں کو کیا جائے گا، (حالانکہ دوسری احادیث میں ہے کہ سلام ہر مسلمان کو کرنا چاہئے خواہ، اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو) طلاقوں کی کثرت ہوگی، نیک لوگ چھپتے پھریں گے اور کمینے لوگوں کا دور دورہ ہوگا، لوگ فخر اور ریاء کے طور پر اونچی اونچی عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کریں گے۔

شراب کا نام نبیذ، سود کا نام بیع اور رشوت کا نام ہدیہ رکھ کر انہیں حلال سمجھا جائیگا سود، جوا، گانے، باجے کے آلات، شراب خوری زنا کی کثرت ہوگی، بے حیائی اور حرامی اولاد کی کثرت ہوگی، دعوت میں کھانے پینے کے علاوہ عورتیں بھی پیش کی جائیں گی ناگہانی اور اچانک اموات کی کثرت ہوگی، لوگ موٹی موٹی گدیوں پر سواری کرکے مسجدوں کے دروازوں تک آئیں گے، ان کی عورتیں کپڑے پہنتی ہوں گے مگر (لباس باریک اور چست ہونے کے باعث) وہ ننگی ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹ کے کوہان کی طرح ہوں گے لچک لچک کر چلیں گی اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں گی یہ لوگ نہ جنت میں داخل ہوں گے، نہ اس کی خوشبو پائیں گے، مؤمن آدمی ان کے نزدیک باندی سے بھی زیادہ رذیل ہوگا، مومن ان برائیوں کو دیکھے گا، مگر انہیں روک نہ سکے گا جن کے باعث ان کا دل اندر ہی اندر گھلتا رہے گا[1]۔

علامات متوسطہ میں اور بھی بہت سی علامات ہیں ان سب کی خبر رسول اللہ

---

(۱) یہ علامات "الاشاعۃ لاشراط الساعۃ" سے مختصراً نقل کی گئی ہیں اور بہت سی علامات بخوف طوالت حذف کردی ہیں، تفصیل اور متعلقہ احادیث وہیں دیکھی جاسکتی ہیں، از ص ۷۰ تا ۸۷۔

ﷺ نے ایسے دور میں دی تھی جب کہ ان کا تصور بھی مشکل تھا مگر آج ہم اپنی آنکھوں سے ان سب کا مشاہدہ کر رہے ہیں، کوئی علامت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اور کوئی ابتدائی مراحل سے گذر رہی ہے، جب یہ سب علامات اپنی انتہاء کو پہنچیں گی تو قیامت کی بڑی بڑی، اور قریبی علامات کا سلسلہ شروع ہو جائے گا، اللہ عزوجل ہمیں ہر فتنہ کے شر سے محفوظ رکھے اور سلامتی ایمان کے ساتھ قبر تک پہنچادے۔

قسم سوم (علامات قریبہ)

یہ علامات بالکل قرب قیامت میں یکے بعد دیگرے ظاہر ہوں گی، یہ بڑے بڑے عا واقعات ہوں گے لہٰذا ان کو علامات کبریٰ بھی کہا جاتا ہے، مثلاً ظہور مہدی، خروج دجال، نزول عیسیٰ علیہ السلام، یأجوج مأجوج، آفتاب کا مغرب سے طلوع اور دابۃ الارض اور یمن سے نکلنے والی آگ وغیرہ جب اس قسم کی تمام علامات ظاہر ہو چکیں گی تو کسی وقت بھی اچانک قیامت آجائے گی، آگے اسی قسم کی علامات کی ایک مفصل فہرست دی جارہی ہے۔

فہرست کی خصوصیات

(۱) قیامت کی جو علامات اور ان کی جو جو تفصیلات مستند احادیث مرفوعہ یعنی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات گرامی میں قوی سند کے ساتھ عربی کتاب التصریح(۱) بما تواتر فی نزول المسیح میں آئی ہیں، ان سب کو فہرست میں لے لیا گیا ہے۔

(۲) جو علامات عربی کتاب التصریح میں درج شدہ موقوف احادیث (یعنی

صحابہ وتابعین کے اقوال) میں آئی ہیں، ان کو بجائے فہرست کے فہرست کے حاشیہ میں حسب موقع درج کیا گیا ہے۔

(۳) فہرست کو اتنی تفصیل اور ایسے تسلسل سے مرتب کیا گیا ہے کہ اگر حوالوں کے کالم سے قطع نظر کر کے محض علامات ہی کا کالم مسلسل پڑھتے جائیں، تو یہ ایک مربوط اور مستقل مضمون کا کام دے گی۔

(۴) خاص طور پر فتنۂ دجال اور نزول عیسیٰ کی جتنی تفصیلات اس فہرست میں ہیں، کسی اور عربی یا اردو کتاب میں مستند حوالوں کے ساتھ احقر کی نظروں سے نہیں گزریں۔

(۵) علامات کے بیان میں واقعاتی اور زمانی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے، لیکن جن علامتوں کی ترتیب زمانی احادیث سے معلوم نہیں ہو سکی، ان میں ترتیب پر دلالت کرنے والے الفاظ سے احتراز کیا ہے۔

(۶) علامات پر سلسلہ والا نمبر ڈال دئے گئے ہیں، نیز ہر علامت کے سامنے التصریح بما تواتر فی نزول المسیح کی ان تمام احادیث کے نمبر درج ہیں جن میں وہ علامت مذکورہ ہے نیز ہر حدیث کے نمبر کے ساتھ اس کتاب کا نام درج ہے جس سے وہ حدیث تصریح میں لی گئی ہے، اگر وہ حدیث متعدد کتب حدیث میں ہے، تو صرف اس کتاب کا نام درج کیا ہے، جسکے الفاظ میں وہ حدیث نقل کی گئی ہے، اور جہاں صاحب الفاظ کی تعیین نہ ہو سکی، وہاں ایک سے زیادہ کتابوں کے نام درج کر دئے ہیں۔

(۷) کسی کسی علامت کے بیان میں کچھ عبارت قوسین میں ملے گی، اسکی وجہ یہ ہے کہ اس علامت کے لئے سامنے کے کالم میں جن احادیث کا حوالہ دیا گیا ہے، قوسین کا مضمون ان میں سے بعض میں ہے، بعض میں نہیں، حواشی میں

کہیں کہیں اسکی صراحت بھی کردی ہے، واللہ الموفق والمعین، علیہ توکلنا وبہ نستعین

☆☆☆

فہرست علامات قیامت

علامات قیامت بترتیب زمانی	حوالۂ احادیث
۱- قیامت سے پہلے ایسے بڑے بڑے واقعات رونما ہوں گے کہ لوگ ایک دوسرے سے پوچھا کریں گے کیا ان کے بارے میں تمہارے نبی نے کچھ فرمایا ہے؟	نمبر۱۷حاکم وغیرہ۔
۲- تیس بڑے بڑے کذاب ظاہر ہوں گے، سب سے آخری کذاب کا نام دجال ہوگا۔	نمبر۱۷حاکم وغیرہ۔
۳- لیکن (نزولِ[1] عیسیٰ تک) اس امت میں ایک جماعت حق کے لئے برسرپیکار رہے گی۔	نمبر۳مسلم، ونمبر۳۲احمد، ونمبر۴۷کنز العمال، ابن عساکر، ونمبر۷۳ احمد، سیرت مغلطائی، ونمبر ۱۰۵ الحاوی للسیوطی، سنن ابی عمرو الدانی، ونمبر۱۰۶ ابو یعلی۔

---

(۱) اس علامت کے لئے سامنے کے کالم میں جن حدیثوں کا حوالہ دیا گیا ہے قوسین کا مضمون ان میں سے حدیث نمبر۳ میں نہیں۔ باقی سب حدیثوں میں ہے اور قوسین کے علاوہ باقی مضمون حدیث نمبر۳ سمیت سب حدیثوں میں ہے آگے بھی جو عبارت قوسین میں ذکر کی جائے گی۔ وہ اس بات کی طرف اشارہ ہوگا کہ اس علامت کے لئے جن حدیثوں کا حوالہ دیا گیا ہے قوسین کا مضمون ان سب حدیثوں میں نہیں بلکہ بعض میں ہے۔ کہیں کہیں حواشی میں اس کی صراحت بھی کردی گئی ہے

۴- جو اپنے مخالفین کی پرواہ نہ کریگی نمبر ۷۴ کنز العمال، ابن عساکر۔

امام مہدی

۵- اس جماعت کے آخری امیر امام مہدی ہوں گے۔
نمبر ۳ مسلم وغیرہ ونمبر ۱۰۵ سیوطی، ابو عمرو الدانی ونمبر ۱۰۶ ابو یعلی ونمبر ۱۱۲ الحاوی، ابونُعیم۔

۶- جو نیک سیرت ہوں گے۔
نمبر ۱۳ ابن ماجہ وغیرہ، ونمبر ۱۱۲ الحاوی، ابونُعیم۔

۷- اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت (اور اولاد [1]) میں سے ہوں گے۔
نمبر ۴۱ ابونُعیم، کنز العمال، ونمبر ۱۰۷ الحاوی، ابو عمرو الدانی ونمبر ۱۱۲ الحاوی، ابونُعیم۔

۸- اور انہی کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول [2] ہوگا۔
نمبر ۲ بخاری ومسلم مع حاشیہ ونمبر ۳ مسلم وغیرہ ونمبر ۱۳ ابن ماجہ نمبر ۱۱۶ احمد، ونمبر ۳۱ احمد، حاکم ونمبر ۴۱ کنز العمال، ابونُعیم ونمبر ۱۰۴ الحاوی للسیوطی، اخبار المہدی لابی نعیم تا نمبر ۱۰۷ الحاوی، سنن عمرو الدانی ونمبر ۱۱۰ الحاوی، نعیم بن حماد ونمبر ۱۱۱ الحاوی ابن ابی شیبہ ونمبر ۱۱۲ الحاوی، ابونعیم ونمبر ۱۱۵ الحاوی، ابو

---

(۱) قوسین کا مضمون صرف نمبر ۱۰۷ حدیث میں ہے۔

(۲) حضرت ارطاۃ کے اثر میں ہے کہ دجال بھی امام مہدی کے زمانہ میں نکلے گا حدیث نمبر ۱۱۲ نعیم بن حماد، الحاوی۔

علامت	حوالہ
	نعیم۔
۹- جو آیت قرآنیہ "وَاِنَّه لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ" کی رو سے قرب قیامت کی ایک علامت ہے۔	نمبر ۹۴ الدر المنثور، ابن جریر، ابن ابی حاتم، طبرانی، وغیرہم تا نمبر ۹۶ و نمبر ۱۰۳ ابن حبان۔
۱۰- مسلمانوں کا ایک لشکر جو اللہ کی پسندیدہ جماعت پر مشتمل ہوگا، ہندوستان پر جہاد کرے[1] گا (اور فتح یاب ہوکر اس کے حکمرانوں کو طوق وسلاسل میں جکڑ لائے گا)۔	نمبر ۹ نسائی، احمد وغیرہما و نمبر ۴۶ کنز العمال، ابونعیم۔
۱۱- جب یہ لشکر واپس ہوگا تو شام میں عیسیٰ ابن مریم کو پائے گا۔	نمبر ۴۶ کنز العمال، ابونعیم۔

خروج دجال سے پہلے کے واقعات

علامت	حوالہ
۱۲- رومی اعماق یا وابق کے مقام تک پہنچ جائیں گے۔ ان سے جہاد کے لئے مدینہ سے مسلمانوں کا ایک لشکر روانہ ہوگا جو اس زمانہ کے بہترین لوگوں میں سے ہوگا۔	نمبر ۷ صحیح مسلم

---

(۱) ہندوستان پر اب تک متعدد جہاد ہو چکے ہیں، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہاں کونسا جہاد مراد ہے، اگر آئندہ کا کوئی جہاد ہے تب تو کوئی اشکال ہی نہیں اور پچھلا کوئی جہاد مراد ہے تو علامت نمبر ۱۲ میں جو آ رہا ہے کہ جب یہ لشکر واپس ہوگا الخ تو اس سے مراد اس شکر کی نسلیں ہوں گی۔ ۱۲ رفیع

جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوں
گے تو رومی اپنی قیدی واپس مانگیں گے
اور مسلمان انکار کریں گے، اس پر
جنگ ہوگی جنگ میں ایک تہائی
مسلمان فرار ہوجائیں گے جن کی توبہ
اللہ تعالیٰ قبول نہ کرے گا ایک تہائی
شہید ہوجائیں گے جو افضل الشہدا
ہوں گے اور باقی ایک تہائی مسلمان
فتح یاب ہوں گے جو آئندہ ہر قسم کے
فتنہ سے محفوظ و مامون ہوجائیں گے۔

۱۳- پھر یہ لوگ قسطنطنیہ (۱) فتح کریں گے۔　　نمبر ۷ صحیح مسلم

۱۴- جب وہ غنیمت تقسیم کرنے میں مشغول ہوں گے تو خروج دجال کی جھوٹی خبر مشہور ہوجائے گی جسے سنتے ہی یہ لشکر وہاں سے روانہ ہوجائے گا۔　　نمبر ۷ صحیح مسلم

خروج دجال

۱۵- اور (جب (۲) یہ لوگ شام　　نمبر ۵ مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ،

(۱) حدیث نمبر ۱۱۲ جو حضرت ارطاۃ پر موقوف ہے اس میں ہے کہ امام مہدی قسطنطنیہ پر جہاد کریں گے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی قیادت امام مہدی کر رہے ہوں گے۔
(۲) قوسین کا مضمون صرف حدیث نمبر ۷ میں اور باقی مضمون حوار کی حدیثوں میں ہے۔

پہنچیں گے تو) دجال واقعی نکل آئے گا[۱]۔	احمد، حاکم وغیرہم ونمبر ۶ مسلم، احمد، حاکم، ابن عساکر ونمبر ۷ مسلم ونمبر ۸ مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نمبر ۱۴ احمد، ابن ابی شیبہ، حاکم، طبرانی ونمبر ۲۳ حاکم، طبرانی، ابن مردویہ ونمبر ۲۷ درمنثور ابن جریر ونمبر ۳۹ ابن ابی شیبہ، ابن عساکر ونمبر ۴۴ کنز العمال نعیم بن حماد۔
۱۶- اس سے پہلے تین بار ایسا واقعہ پیش آچکا ہوگا کہ لوگ گھبرا اٹھیں گے۔	نمبر ۱۱۶ احمد وغیرہ۔
۱۷- خروج دجال کے وقت اچھے لوگ کم ہوں گے، باہمی عداوتیں پھیلی ہوئی ہوں گی۔	نمبر ۲۰ حاکم۔
۱۸- دین میں کمزوری آچکی ہوگی۔	نمبر ۲۰ حاکم ونمبر ۱۳۱ احمد، حاکم۔
۱۹- اور علم رخصت ہو رہا ہوگا۔	نمبر ۱۳۱ احمد وغیرہ۔
۲۰- عرب اس زمانہ میں کم[۲] ہوں گے۔	نمبر ۱۱۳ ابن ماجہ وغیرہ۔
۲۱- دجال کے اکثر پیرو عورتیں اور	نمبر ۱۱۶ احمد وغیرہ۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث موقوف نمبر ۱۰۹ میں ہے کہ خروج دجال کسی صدی کے آغاز پر ہوگا الحاوی للسیوطی۔

(۲) تعداد کے اعتبار سے کم ہوں گے یا قوت کے اعتبار سے۔

یہودی ہوں گے۔

۲۲- یہودیوں کی تعداد ستر ہزار ہوگی جو مرصع تلواروں سے مسلح ہوں گے اور ان پر بیش قیمت دبیز کپڑے ''ساج'' کا لباس ہوگا۔　　نمبر ۱۳ ابن ماجہ وغیرہ ونمبر ۱۶ احمد وغیرہ۔

۲۳- دجال شام وعراق کے درمیان نکلے گا۔　　نمبر ۵ مسلم وغیرہ ونمبر ۱۳ ابن ماجہ، ابو داؤد وغیرہما۔

۲۴- اور اصفہان کے ایک مقام ''یہودیہ'' میں نمودار ہوگا[1]۔　　نمبر ۳۳ احمد، الدر المنثور۔

''دجال کا حلیہ''

۲۵- دجال جوان ہوگا (اور عبد العزیٰ بن قطن کے مشابہ ہوگا)۔　　نمبر ۵ مسلم وغیرہ ونمبر ۱۳ ابن ماجہ وغیرہ۔

۲۶- (رنگ گندمی اور) بال پیچدار ہوں گے۔　　نمبر ۵ مسلم وغیرہ ونمبر ۳۸ طبرانی وغیرہ۔

۲۷- دونوں آنکھیں عیب دار ہوں گے۔　　نمبر ۳۵ احمد وغیرہ۔

---

(۱) حدیث نمبر ۵ ونمبر ۱۳ میں گزرا ہے کہ دجال شام وعراق کے درمیان نکلے گا، جس سے تعارض کا شبہ ہوتا ہے، لیکن درحقیقت کوئی تعارض نہیں ہوسکتا ہے کہ وہ پہلے شام وعراق کے درمیان نکلے مگر اس وقت اس کا خروج نمایاں نہ ہو پھر اصفہان کی بستی یہودیہ میں نمودار ہو اور وہاں پہنچ کر اس کی شہرت وجمعیت میں اضافہ ہوجائے پس حدیث نمبر ۵ ونمبر ۱۳ میں اس کا ابتدائی خروج مراد ہو اور حدیث نمبر ۳۳ میں خروج کی شہرت۔ رفیع۔

۲۸- ایک (بائیں) آنکھ سے کانا ہوگا۔	نمبر ۵ مسلم وغیرہ و نمبر ۱۳ ابن ماجہ نمبر ۱۷ حاکم و نمبر ۳۱ احمد و حاکم و نمبر ۳۵ احمد و نمبر ۳۶ حاکم کنز العمال و نمبر ۳۸ طبرانی، کنز العمال وغیرہما و نمبر ۶۵ درمنثور، ابن جریر۔
۲۹- دوسری (دائیں[1]) آنکھ میں موٹی پھلی ہوگی۔	نمبر ۳۵ احمد وغیرہ و نمبر ۳۶ حاکم وغیرہ و نمبر ۳۸ طبرانی وغیرہ۔
۳۰- پیشانی پر کافر (اس طرح) لکھا ہوگا (ک ف ر)	نمبر ۱۳ ابن ماجہ و نمبر ۳۱ احمد، حاکم و نمبر ۳۵ احمد، و نمبر ۳۶ حاکم وغیرہ۔
۳۱- جسے ہر مومن پڑھ سکے گا خواہ لکھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔	نمبر ۱۳ ابن ماجہ وغیرہ و نمبر ۳۱ احمد، حاکم و نمبر ۳۶ حاکم وغیرہ۔
۳۲- وہ ایک گدھے پر سواری کرے گا جس کے دونوں کانوں کے درمیان چالیس ہاتھ کا فاصلہ ہوگا۔	نمبر ۳۱ احمد، حاکم و نمبر ۱۰۸ حاکم، سیوطی۔
۳۳- دجال کی رفتار بادل اور ہوا کی طرح تیز ہوگی۔	نمبر ۵ مسلم وغیرہ۔
۳۴- تیزی سے پوری دنیا میں پھر جائے گا، (جیسے زمین اس کے واسطے لپیٹ دی گئی ہو)۔	نمبر ۱۳ ابن ماجہ وغیرہ و نمبر ۱۷ حاکم وغیرہ و نمبر ۲۰ حاکم و نمبر ۳۱ احمد۔ حاکم۔

(۱) جس کی تفصیل صحیح مسلم کی ایک حدیث مرفوع میں ہے کہ "اعور العین الیمنی کانہا عِنَبَۃٌ طافیۃ" یعنی دجال دائیں آنکھ سے (بھی) کانا ہوگا جو انگور کی طرح باہر کو ابھری ہوئی ہوگی۔ (ص ۹۵ ج ۱)

۳۵- اور ہر طرف فساد پھیلائے گا۔	نمبر ۵ مسلم وغیرہ ونمبر ۱۳ ابن ماجہ وغیرہ
۳۶- مگر (مکہ معظّمہ و) مدینہ طیبہ (اور بیت المقدس[1]) میں داخل نہ ہو سکے گا۔	نمبر ۱۳ ابن ماجہ ونمبر ۱۷ حاکم ونمبر ۲۰ حاکم ونمبر ۳۱ احمد، حاکم ونمبر ۳۵ احمد ونمبر ۶۸ معمر، درمنثور، ونمبر ۱۰۲ مجمع الزوائد، اوسط طبرانی۔
۳۷- اس زمانہ میں مدینہ طیبہ کے سات[2] دروازے ہوں گے۔	نمبر ۳۳ احمد، الدر المنثور۔
۳۸- اور (مکہ معظّمہ و) مدینہ طیبہ کے ہر راستے پر فرشتوں کا پہرہ ہوگا جو اسے اندر گھسنے نہ دیں گے۔	نمبر ۱۳ ابن ماجہ وغیرہ، ونمبر ۳۱ احمد، حاکم ونمبر ۳۳ احمد وغیرہ ونمبر ۱۰۲ مجمع الزوائد، اوسط طبرانی۔
۳۹- لہٰذا وہ مدینہ طیبہ کے باہر (ظریب احمر میں کھاری زمین کے ختم پر اور خندق کے درمیان) ٹھہرے گا۔	نمبر ۱۳ ابن ماجہ وغیرہ ونمبر ۳۳ احمد، الدر المنثور ونمبر ۶۸ درمنثور، معمر ونمبر ۱۰۲ مجمع الزوائد، طبرانی۔
۴۰- اور بیرون مدینہ پر اس کا غلبہ ہو جائے گا۔	نمبر ۲۰ حاکم۔
۴۱- اس وقت مدینہ طیبہ میں (تین) زلزلے آئیں گے جو ہر منافق مرد	نمبر ۱۳ ابن ماجہ وغیرہ ونمبر ۶۸ معمر، درمنثور۔

---

(۱) بیت المقدس کا ذکر صرف حدیث نمبر ۱۷ میں ہے۔

(۲) بظاہر دروازوں سے مراد راستے ہیں کیونکہ آگے اسی حدیث نمبر ۳۳ میں ہے کہ "ان سات میں سے ہر درّے پر دو فرشتے ہوں گے" حدیث نمبر ۱۰۲ میں بھی درّوں ہی کا ذکر ہے۔ رفیع

وعورت کو مدینہ سے نکال پھینکیں گے۔

۴۲- یہ سب منافقین دجال سے جاملیں گے۔	نمبر۱۳ ابن ماجہ وغیرہ ونمبر۳۳ احمد وغیرہ ونمبر۶۸ معمر، درمنثور۔
۴۳- عورتیں دجال کی پیروی سب سے پہلے کریں گی۔	نمبر۱۰۲ مجمع الزوائد، طبرانی۔
۴۴- غرض مدینہ طیبہ ان سے بالکل پاک ہوجائے گا اس لئے اس دن کو یوم نجات کہا جائے گا۔	نمبر۱۳ ابن ماجہ۔
۴۵- جب لوگ اسے پریشان کریں گے تو وہ غصہ کی حالت میں واپس ہوگا۔	نمبر۱۰۲ مجمع الزوائد، اوسط طبرانی۔

''فتنہ دجال''

۴۶- فتنہ دجال اتنا سخت ہوگا کہ تاریخ انسانی میں اس سے بڑا فتنہ نہ کبھی ہوا نہ آئندہ ہوگا۔	نمبر۱۳ ابن ماجہ وغیرہ ونمبر۳۸ طبرانی، فتح الباری۔
۴۷- اسی لئے تمام انبیاء کرام اپنی اپنی امتوں کو اس سے خبردار کرتے رہے۔	نمبر۱۳ ابن ماجہ وغیرہ ونمبر ۳۵ احمد وغیرہ۔
۴۸- مگر اس کی جتنی تفصیلات رسول اللہ ﷺ نے بتائیں کسی اور نبی نے	نمبر۳۸ طبرانی، فتح الباری۔

نہیں بتلائیں۔

۴۹- وہ (پہلے[1] نبوت کا اور اس کے بعد) خدائی کا دعویٰ کرے گا۔
نمبر ۱۳ ابن ماجہ وغیرہ ونمبر ۱۷ حاکم وغیرہ ونمبر ۳۱ احمد، حاکم، ونمبر ۳۸ طبرانی، وفتح الباری۔

۵۰- اس کے ساتھ غذا کا بہت بڑا ذخیرہ ہوگا۔
نمبر ۳۱ احمد، حاکم۔

۵۱- زمین کے پوشیدہ خزانوں کو حکم دے گا تو وہ باہر نکل کر اس کے پیچھے ہو جائیں گے۔
نمبر ۵ مسلم وغیرہ۔

۵۲- مادرزاد اندھے اور ابرص کو تندرست کر دے گا۔
نمبر ۳۸ طبرانی، وفتح الباری۔

۵۳- اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ شیاطین بھیجے گا جو لوگوں سے باتیں کریں گے۔
نمبر ۳۱ احمد، حاکم۔

۵۴- چنانچہ وہ کسی دیہاتی سے کہے گا کہ اگر میں تیرے ماں باپ کو زندہ کر دوں تو مجھے تو اپنا رب مان لے گا؟ دیہاتی وعدہ کرلے گا تو اس کے سامنے دو شیطان اس کے ماں باپ کی صورت میں آ کر کہیں گے کہ بیٹا تو
نمبر ۱۳ ابن ماجہ وغیرہ۔

---

(۱) قوسین کا مضمون صرف حدیث نمبر ۱۳ میں ہے۔

اس کی اطاعت کر یہ تیرا رب ہے۔

۵۵- نیز دجال کے ساتھ دو فرشتے دو نبیوں کے ہم شکل ہوں گے جو اس کی تکذیب لوگوں کی آزمائش کے لئے اس طرح کریں گے کہ سننے والوں کو تصدیق کرتے ہوئے معلوم ہوں گے۔	نمبر ۳۵ احمد، درمنثور۔
۵۶- جو شخص اس کی تصدیق کرے گا (کافر ہو جائے گا اور) اس کے پچھلے تمام نیک اعمال باطل و بے کار ہو جائیں گے اور جو اس کی تکذیب کرے گا اس کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔	نمبر ۱۷ حاکم وغیرہ ونمبر ۳۸ طبرانی، فتح الباری۔
۵۷- اس کا ایک عظیم فتنہ یہ ہوگا کہ جو لوگ اس کی بات مان لیں گے ان کی زمینوں میں دجال کے کہنے پر بادلوں سے بارش ہو(تی نظر آئے) گی اور اسی کے کہنے پر ان کی زمین نباتات اگائے گی، ان کے مویشی خوب فربہ ہو جائیں گے اور مویشیوں کے تھن دودھ سے بھر جائیں گے اور جو لوگ	نمبر ۵ مسلم وغیرہ، ونمبر ۱۳ ابن ماجہ وغیرہ۔

اس کی بات نہ مانیں گے ان میں قحط پڑے گا اور ان کے سارے مویشی ہلاک ہوجائیں گے۔	
۵۸- غرض اس کی پیروی کرنے والوں کے سوا سب لوگ اس وقت مشقت میں ہونگے۔	نمبر۱۳۱حمد، حاکم۔
۵۹- اور عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کوئی بھی اسے قتل کرنے پر قادر نہ ہوگا۔	نمبر ۲۸ الجامع الصغیر للسیوطی، ابوداؤد الطیالسی ونمبر۲۹احمد وغیرہ۔
۶۰- (نہروں اور وادیوں کی صورت میں) اس کے ساتھ ایک جنت ہوگی اور ایک آگ لیکن حقیقت میں جنت آگ ہوگی اور آگ جنت۔	نمبر۱۳ ابن ماجہ وغیرہ، ونمبر ۳۵ احمد وغیرہ ونمبر ۳۶ حاکم وغیرہ ونمبر ۳۹ ابن ابی شیبہ، ابن عساکر، کنزالعمال۔
۶۱- جو شخص اس کی آگ میں گرے گا اس کا اجر وثواب یقینی اور گناہ معاف ہوجائیں گے۔	نمبر ۳۹ ابن ابی شیبہ، ابن عساکر وغیرہما۔
۶۲- اور جو شخص دجال پر سورہ کہف کی ابتدائی (دس ۱۰) آیات پڑھ دیگا وہ اس کے فتنہ سے محفوظ رہے گا، حتیٰ کہ اگر دجال اسے اپنی آگ میں بھی ڈال دے تو وہ اس پر ٹھنڈی ہوجائے	نمبر ۵ مسلم وغیرہ ونمبر ۱۳ ابن ماجہ وغیرہ۔

گی۔

	حوالہ احادیث
۶۳- دجال تلوار (یا آرے) سے ایک (مومن) نوجوان کے دو ٹکڑے کر کے الگ الگ ڈال دے گا، پھر اس کو آواز دے گا، تو (اللہ کے حکم سے) وہ زندہ ہو جائے گا۔	نمبر۵ مسلم وغیرہ ونمبر۱۱۳ ابن ماجہ وغیرہ ونمبر۱۳۱ احمد، حاکم۔
۶۴- اور دجال اس سے پوچھے گا بتا تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا "میرا رب اللہ ہے" اور تو اللہ کا دشمن دجال ہے، مجھے آج پہلے سے زیادہ تیرے دجال ہونے کا یقین ہے۔	نمبر۱۱۳ ابن ماجہ وغیرہ۔
۶۵- دجال کو اس شخص کے علاوہ کسی اور کے مارنے اور زندہ کرنے پر قدرت نہ دی جائے گی۔	نمبر۱۳۱ احمد، حاکم۔
۶۶- اس کا فتنہ ۴۰ چالیس روز رہے گا جن میں سے ایک دن ایک سال کی برابر اور ایک دن ایک ماہ کی برابر اور ایک دن ایک ہفتہ کی برابر ہوگا، باقی ایام حسب معمول ہوں گے۔	نمبر۵ مسلم وغیرہ ونمبر۱۳۱ احمد، حاکم۔
۶۷- اس زمانہ میں مسلمانوں کے تین شہر ایسے ہوں گے کہ ان میں سے	نمبر۱۱۶ احمد وغیرہ۔

ایک تو دو سمندروں کے سنگم پر ہوگا، دوسرا ''حیرہ'' (عراق) کے مقام پر اور تیسرا شام میں، وہ مشرق کے لوگوں کو شکست دے گا اور اس شہر میں سب سے پہلے آئے گا جو دو سمندروں کے سنگم پر ہے۔

۶۸- (شہر[1] کے) لوگ تین گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ — نمبر ۱۶ احمد، نمبر ۷۵ ابن ابی شیبہ، الدر المنثور۔

۶۹- ایک گروہ (وہیں رہ جائے[2] گا اور) دجال کی پیروی کرے گا، اور ایک دیہات میں چلا جائے گا۔ — نمبر ۱۶ احمد و نمبر ۷۵ ابن ابی شیبہ وغیرہ۔

۷۰- اور ایک گروہ اپنے قریب والے شہر میں[3] منتقل ہوجائے گا، پھر دجال اس قریب والے شہر میں آئے گا اس میں بھی لوگوں کے اسی طرح تین گروہ ہوجائیں گے، اور تیسرا گروہ اس قریب والے شہر میں منتقل ہوجائے گا جو شام کے مغربی — نمبر ۱۶ احمد۔

---

(۱)(۲) قوسین کا مضمون صرف حدیث نمبر ۱۶ میں اور باقی مضمون نمبر ۱۶ و نمبر ۷۵ دونوں حدیثوں میں ہے۔

(۳) حضرت ابن مسعود کے اثر (حدیث نمبر ۷۵) میں ہے کہ تیسرا گروہ ساحل فرات کی طرف نکل جائے گا جو دجال سے جنگ کریگا۔ ابن ابی شیبہ وغیرہ۔

حصہ میں ہوگا۔

۷۱- یہاں تک کہ مؤمنین اردن [1] و بیت المقدس میں جمع ہو جائیں گے۔	نمبر ۱۱۳ ابن ماجہ وغیرہ ونمبر ۱۷ حاکم نمبر ۳۶ حاکم۔
۷۲- اور دجال شام میں (فلسطین کے ایک شہر تک) پہنچ جائے گا (جو باب لد پر واقع ہوگا)۔	نمبر ۳۳ احمد، ابن ابی شیبہ، الدر المنثور ونمبر ۶۸ جامع معمر بن راشد، درمنثور۔
۷۳- اور مسلمان ''افیق'' نامی گھاٹی کی طرف سمٹ جائیں گے، یہاں سے وہ اپنے مویشی چرنے کے لئے بھیجیں گے جو سب کے سب ہلاک ہو جائیں [2] گے۔	نمبر ۱۱۶ احمد وغیرہ۔
۷۴- بالآخر مسلمان (بیت المقدس کے) ایک پہاڑ پر محصور ہو جائیں	نمبر ۲۰ حاکم، ونمبر ۶۸ جامع معمر، درمنثور۔

---

(۱) ابن مسعودؓ کی حدیث موقوف نمبر ۵۷ میں ہے کہ ''شام کی بستیوں میں جمع ہو جائیں گے (ابن ابی شیبہ) اور قتادہؒ کے اثر (حدیث نمبر ۱۱۳) میں ہے کہ ''شام میں جمع ہو جائیں گے۔ (نُعیم بن حماد، الحاوی) یاد رہے کہ اصل ملک شام اردن اور بیت المقدس پر بھی مشتمل تھا جیسا کہ حصہ دوم کے حواشی میں ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں لہٰذا احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔

(۲) نیز ابن مسعودؓ کی حدیث موقوف نمبر ۵۷ میں ہے کہ شام کی بستیوں میں جمع ہونے کے بعد مسلمان ایک دستہ دجال کا حال معلوم کرنے کے لئے بھیجیں گے جس میں ایک شخص بھورے یا چتکبرے گھوڑے پر سوار ہوگا، یہ پورا دستہ شہید کر دیا جائے گا۔ کوئی بھی زندہ نہ لوٹے گا۔ (ابن ابی شیبہ وغیرہ)

گے۔	
۷۵- جس کا نام ''جبل الدخان'' ہے۔	نمبر ۱۳۱ احمد، حاکم۔
۷۶- اور دجال (پہاڑ کے دامن میں پڑاؤ ڈال کر) مسلمانوں (کی ایک جماعت) کا محاصرہ کر لے گا۔	نمبر ۲۰ حاکم و نمبر ۱۳۱ احمد، حاکم، نمبر ۶۸ جامع معمر، درمنثور و نمبر ۱۱۵ الحاوی۔ ابو نُعیم۔
۷۷- یہ محاصرہ سخت ہوگا۔	نمبر ۱۳۱ احمد، حاکم۔
۷۸- جس کے باعث مسلمان سخت مشقت (اور فقر[1] وفاقہ) میں مبتلا ہو جائیں گے۔	نمبر ۱۶ احمد وغیرہ، نمبر ۱۷ حاکم وغیرہ، و نمبر ۱۳۱ احمد، حاکم و نمبر ۱۱۵ الحاوی، کتاب الفتن لابی نعیم۔
۷۹- حتیٰ کہ بعض لوگ اپنی کمان کی تانت جلا کر کھائیں گے۔	نمبر ۱۶ احمد وغیرہ و نمبر ۱۱۵ الحاوی، ابو نُعیم۔
۸۰- دجال آخری بار اردن کے علاقہ میں ''افیق'' نامی گھاٹی پر نمودار ہوگا اس وقت جو بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہوگا وادیٔ اردن میں موجود ہوگا، وہ ایک تہائی مسلمانوں کو قتل کر دے گا، ایک تہائی کو شکست دے گا، اور صرف ایک تہائی مسلمان باقی بچیں گے۔	نمبر ۳۶ حاکم۔

(۱) قوسین کا مضمون صرف حدیث نمبر ۱۶ و نمبر ۱۱۵ میں ہے۔

۸۱- (جب محاصرہ طول کھینچے گا تو مسلمانوں کا امیر[1] ان سے کہے گا کہ (اب کس کا انتظار ہے) اس سرکش سے جنگ کرو (تاکہ شہادت یا فتح میں سے ایک چیز تم کو حاصل ہو جائے) چنانچہ سب لوگ پختہ عہد کرلیں گے کہ صبح ہوتے ہی (نماز فجر کے بعد) دجال سے جنگ کریں گے۔ — نمبر ۲۰ حاکم و نمبر ۳۶ حاکم وغیرہ و نمبر ۶۸ معمر وغیرہ۔

”نزول عیسیٰ علیہ السلام“

۸۲- وہ رات سخت تاریک ہوگی۔ — نمبر ۶۸ معمر وغیرہ۔

۸۳- اور لوگ جنگ کی تیاری کر رہے ہونگے۔ — نمبر ۷ مسلم۔

۸۴- کہ صبح کی تاریکی میں اچانک کسی کی آواز سنائی دے گی (کہ تمہارا فریادرس آ پہنچا[2]) لوگ تعجب سے کہیں گے ”یہ تو کسی شکم سیر کی آواز — نمبر ۱۶ احمد و نمبر ۱۱۵ الحاوی، ابو نُعیم۔

---

(۱) یعنی امام مہدی، کیونکہ اس وقت مسلمانوں کے امیر وہی ہوں گے جیسا کہ آگے آئے گا اور پیچھے بھی گذرا ہے رفیع۔

(۲) قوسین کا مضمون صرف حدیث نمبر ۱۶ میں ہے۔

ہے^(۱)۔

۸۵- غرض (نماز فجر کے وقت) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوجائیں گے۔	از حدیث نمبر ۱ تا نمبر ۱۱۶ (علاوہ حدیث نمبر ۲۷ و نمبر ۴۷ و نمبر ۸۶ تا نمبر ۹۱ و نمبر ۹۸، کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بارے میں ہیں)۔
۸۶- نزول کے وقت وہ اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے کاندھوں پر رکھے ہوئے ہوں[۲] گے۔	نمبر ۵ مسلم

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ''

۸۷- آپ مشہور صحابی حضرت عروۃ بن مسعودؓ کے مشابہ ہوں گے[۳]۔	نمبر ۶ مسلم، احمد، حاکم وغیرہم و نمبر ۹۷ درمنثور، ابن جریر۔
۸۸- قد و قامت درمیانہ، رنگ سرخ وسفید۔	نمبر ۱۰ ابوداؤد، ابن ابی شیبہ، احمد، ابن حبان، ابن جریر نمبر ۱۱۵ احمد۔

---

(۱) حضرت کعب احبارؒ کے اثر (حدیث نمبر ۱۱۵) میں ہے کہ ''پس لوگ نظر دوڑائیں گے تو ان کی نظر عیسیٰ علیہ السلام پر پڑے گی۔ نعیم بن حماد، الحاوی للسیوطی۔

(۲) کعب احبارؒ کے اثر (حدیث نمبر ۱۱۴) میں ہے کہ ''آپ کو ایک بادل نے اٹھا رکھا ہوگا اور اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے کندھوں پر رکھے ہوئے ہوں گے۔ تاریخ دمشق ابن عساکر۔

(۳) نیز ابن زید کے اثر (حدیث نمبر ۹۷) میں یہ بھی ہے کہ اس وقت آپ کہولت کی عمر میں ہوں گے۔ لقولہ تعالیٰ: ''وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلاً'' درمنثور، ابن جریر۔

۸۹- اور بال (شانوں تک پھیلے ہوئے) سیدھے[1] صاف اور چمکدار ہوں گے جیسے غسل کے بعد ہوتے ہیں۔ — نمبر ۱۰ ابوداؤد وغیرہ مع حاشیہ از بخاری ونمبر ۱۵ احمد۔

۹۰- سر جھکائیں گے تو اس سے موتیوں کی مانند قطرے ٹپکیں گے (یا ٹپکتے[2] ہوئے معلوم ہوں گے)۔ — نمبر ۵ مسلم وغیرہ ونمبر ۱۵ ونمبر ۱۰۷ الحاوی، ابو عمرو الدانی ونمبر ۱۱۴ تاریخ دمشق۔

۹۱- جسم پر ایک زرہ — نمبر ۶۸ معمر وغیرہ۔

۹۲- اور ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑے[3] ہوں گے۔ — نمبر ۵ مسلم وغیرہ ونمبر ۱۰ ابوداؤد ونمبر ۱۵ احمد۔

۹۳- جس جماعت میں آپ کا نزول ہوگا، وہ اس زمانہ کے صالح — نمبر ۶۹ دیلمی۔

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الایمان کی ایک حدیث میں ہے "عیسیٰ جَعْدٌ مَرْبُوعٌ"، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے بال گھنگریالے ہیں، اور اکثر احادیث میں ہے کہ سیدھے (سَبِطٌ) ہوں گے۔ دونوں قسم کی حدیثوں میں تطبیق علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کی ہے کہ جہاں سیدھا (سبط) فرمایا وہاں مراد یہ ہے کہ زیادہ پیچ دار نہ ہوں گے اور جہاں پیچ دار فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ بالکل سیدھے بھی نہ ہوں گے جس کا حاصل یہ ہے کہ بال نہ بہت پیچ دار ہوں گے نہ بالکل سیدھے بلکہ کسی قدر گھنگریالے ہوں گے (شرح نووی مع صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۴)۔

(۲) روایات دونوں طرح کی ہیں، قوسین کا مضمون صرف حدیث نمبر ۱۵ ونمبر ۱۰۷ میں ہے۔

(۳) کعب احبارؓ کے اثر (حدیث نمبر ۱۱۴) میں یہ بھی ہے کہ وہ کپڑے ملائم ہوں گے، ایک چادر ہوگی دوسرا تہبند۔ تاریخ دمشق ابن عساکر۔

ترین آٹھ سو مرد اور چار سو عورتوں پر مشتمل ہوگی۔

۹۴- ان کے استفسار پر آپ اپنا تعارف کرائیں گے۔	نمبر ۶۸ معمر وغیرہ۔
۹۵- اور دجال سے جہاد کے بارے میں ان کے جذبات وخیالات معلوم فرمائیں گے۔	نمبر ۳۱ احمد، حاکم ونمبر ۶۸ درمنثور، معمر۔
۹۶- اس وقت مسلمانوں کے امیر امام مہدی ہوں گے۔	نمبر ۲ مع حاشیہ ونمبر ۱۰۴ الحاوی للسیوطی، واخبار المہدی لابی نعیم ونمبر ۱۰۵ الحاوی ابو عمرو الدانی ونمبر ۱۱۲ الحاوی، ابونعیم۔
۹۷- جن کا ظہور نزول عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہو چکا ہوگا۔	نمبر ۲۷ نسائی، ابونعیم، حاکم، کنز العمال ونمبر ۶۶ مشکوٰۃ رزین ونمبر ۱۱۲ الحاوی للسیوطی۔ ابونعیم۔

”مقام نزول، وقت نزول اور امام مہدیؑ“

۹۸- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول دمشق کی مشرقی سمت میں سفید منارے کے پاس (یا بیت المقدس[1]	نمبر ۵ مسلم وغیرہ مع حاشیہ ونمبر ۳۰ طبرانی، ابن عساکر، ونمبر ۴۸ التاریخ الکبیر البخاری، تاریخ ابن عساکر المختارہ

(۱) بیت المقدس کی صراحت صرف حدیث نمبر ۱۰۵ میں ہے اور حدیث نمبر ۵ ونمبر ۳۰ ونمبر ۴۵ میں صراحت ہے کہ نزول دمشق کی مشرقی سمت میں سفید منارے کے پاس ہوگا ہوسکتا ہے کہ آسمان سے نزول تو دمشق کی مشرقی سمت میں سفید منارے (باقی اگلے صفحہ پر)

میں امام مہدی کے پاس) ہوگا۔	و نمبر ۱۰۵ الحاوی، ابو عمر و الدانی و نمبر ۱۱۰ الحاوی، نعیم بن حماد۔
۹۹- اس وقت امام (مہدی) نماز فجر پڑھانے کے لئے آگے بڑھ چکے ہوں گے۔	نمبر ۱۱۳ ابن ماجہ، و نمبر ۱۰۷ الحاوی، ابو عمر و الدانی و نمبر ۱۱۵ الحاوی، ابو نعیم۔
۱۰۰- اور نماز کی اقامت ہو چکی ہوگی۔	نمبر ۷ مسلم و نمبر ۱۱۳ ابن ماجہ و نمبر ۱۱۵ الحاوی للسیوطی ابو نعیم۔
۱۰۱- امام (مہدی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو امامت کے لئے بلائیں گے مگر وہ انکار کریں گے۔	نمبر ۳ مسلم، احمد و نمبر ۱۱۳ ابن ماجہ، نمبر ۱۶ احمد، نمبر ۱۳۱ احمد، حاکم و نمبر ۱۰۴ الحاوی، اخبار المہدی لابی نعیم و نمبر ۱۰۵ الحاوی، سنن ابی عمر و الدانی و نمبر ۱۰۶ ابو یعلی و نمبر ۱۰۷ اسیوطی۔ ابو عمر و الدانی۔
۱۰۲- اور فرمائیں گے کہ (یہ اس امت کا اعزاز ہے کہ) اس کے بعض لوگ بعض کے امیر ہیں۔	نمبر ۳ مسلم، نمبر ۱۶ احمد و نمبر ۱۰۴ اسیوطی، ابو نعیم و نمبر ۱۰۵ اسیوطی، ابو عمر و الدانی و نمبر ۱۰۶ ابو یعلی۔
۱۰۳- جب امام مہدی (مہدی) پیچھے ہٹنے لگیں گے تو آپ (ان کی	نمبر ۱۱۳ ابن ماجہ و نمبر ۱۳۱ احمد، حاکم۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کے پاس ہی ہو مگر اخیر شب میں آپ بیت المقدس کے محصور مسلمانوں کے پاس پہنچ جائیں جہاں امام مہدی بھی ہوں گے دوسری متعدد احادیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں اور حدیث نمبر ۱۱۰ میں ہے کہ نزول امام مہدی کے پاس ہوگا اس میں مقام کا نام مذکور نہیں۔ اور کعب احبارؓ کے اثر نمبر ۱۱۴ میں ہے کہ نزول دمشق کے مشرقی دروازے پر سفید پل کے پاس ہوگا، تاریخ دمشق ابن عساکر۔

پشت پر ہاتھ رکھ کر) فرمائیں گے کہ تم ہی نماز پڑھاؤ۔

۱۰۴- کیونکہ اس نماز کی اقامت تمہارے لئے ہوچکی ہے۔

نمبر۱۱۳ ابن ماجہ نمبر۱۰۷ الحاوی، ابوعمرو الدانی ونمبر۱۱۵ الحاوی، ابونعیم۔

۱۰۵- چنانچہ اس وقت کی نماز امام مہدی ہی پڑھائیں گے۔

نمبر۲ بخاری ومسلم مع حاشیہ نمبر۱۱۳ ابن ماجہ، ونمبر۱۱۶ احمد ونمبر۱۱۵ الحاوی، ابونعیم

۱۰۶- اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ان کے پیچھے پڑھیں گے۔

نمبر ۴۱ کنز العمال، ابونعیم ونمبر ۱۰۷ الحاوی، ابوعمر والدانی ونمبر۱۱۰ الحاوی، نعیم بن حماد ونمبر ۱۱۱ الحاوی، ابن ابی شیبہ

۱۰۷- اور رکوع سے اٹھ کر "سمع اللہ لمن حمدہ" کے بعد یہ جملہ فرمائیں گے۔ "قتل اللہ الدجال واظہر المومنین"[1]

نمبر۲۴ ابن حبان، مجمع الزوائد، سعایہ شرح شرح وقایہ۔

"دجال سے جنگ"

۱۰۸- غرض نماز فجر سے فارغ ہوکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دروازہ کھلوائیں گے جس کے پیچھے دجال ہوگا، اور اس کے ساتھ ستر ہزار مسلح یہودی ہوں گے۔

نمبر۱۱۳ ابن ماجہ۔

---

(۱) اس کی تشریح حصہ دوم میں حدیث نمبر۲۴ کے حاشیہ پر ملاحظہ فرمائیں۔ رفیع

۱۰۹- آپ ہاتھ کے اشارہ سے فرمائیں گے کہ میرے اور دجال کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔	نمبر ۳۶ حاکم، ابن عساکر۔
۱۱۰- دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی اس طرح گھلنے لگے گا جیسے پانی میں نمک گھلتا ہے (یا جیسے رانگ اور چربی پگھلتی ہے)۔	نمبر ۷ مسلم ونمبر ۱۱۳ ابن ماجہ نمبر ۱۱۴ احمد، نمبر ۱۱۶ احمد، نمبر ۱۳۱ احمد، حاکم ونمبر ۳۴ ابن ابی شیبہ، کنز العمال، نمبر ۳۶ حاکم، ابن عساکر ونمبر ۶۸ معمر۔
۱۱۱- اس وقت جس کافر پر عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کی ہوا پہنچے گی مر جائے گا اور جہاں تک آپ کی نظر جائیگی وہیں تک سانس پہنچے گا۔	نمبر ۵ مسلم۔
۱۱۲- مسلمان پہاڑ سے اتر کر دجال کے لشکر پر ٹوٹ پڑیں گے اور یہودیوں پر ایسا رعب چھائے گا کہ ڈیل ڈول والا یہودی تلوار تک نہ اٹھا سکے گا۔	نمبر ۶۸ معمر وغیرہ۔
۱۱۳- غرض جنگ ہوگی۔	نمبر ۲۱ حاکم، الدر المنثور
۱۱۴- اور دجال بھاگ کھڑا ہوگا	نمبر ۱۱۳ ابن ماجہ

''قتل دجال اور مسلمانوں کی فتح''

۱۱۵- حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کا	نمبر ۵ مسلم وغیرہ ونمبر ۶ مسلم، احمد،

تعاقب کریں گے۔	حاکم وغیرہم ونمبر ۱۳۱ احمد، حاکم
۱۱۶- اور فرمائیں گے کہ میری ایک ضرب تیرے لئے مقدر ہو چکی ہے جس سے تو بچ نہیں سکتا۔	نمبر ۱۳۳ ابن ماجہ۔
۱۱۷- اس وقت آپ کے پاس (دو نرم تلواریں اور) ایک حربہ ہوگا۔	نمبر ۷ مسلم ونمبر ۱۱۴ احمد، نمبر ۱۱۶ احمد۔
۱۱۸- جس سے آپ دجال کو (باب لد (۱) پر) قتل کر دیں گے۔	نمبر ۵ تا نمبر ۷ نمبر ۱۰ ابوداؤد، ونمبر ۱۱ ترمذی، احمد، ونمبر ۱۳ ونمبر ۱۶ احمد ونمبر ۲۰ حاکم، نمبر ۳۱ ونمبر ۳۳ احمد، ابن ابی شیبہ، ونمبر ۳۴ ابن ابی شیبہ، کنز العمال ونمبر ۳۸ طبرانی، فتح الباری ونمبر ۵۵ الاشاعۃ ونمبر ۶۵ درمنثور، ابن جریر ونمبر ۶۷ درمنثور طبرانی ونمبر ۶۸ معمر، ونمبر ۷۵ ابن ابی شیبہ، ونمبر ۸۲ ابن جریر ونمبر ۹۷ درمنثور، ابن جریر، ونمبر ۱۰۰ درمنثور، ونمبر ۱۰۸ حاکم، الحاوی ونمبر ۱۰۹ الحاوی، تفسیر ابن ابی حاتم۔
۱۱۹- پاس ہی ''افیق نامی گھاٹی'' ہوگی۔	نمبر ۱۳۵ ابن ابی شیبہ۔

---

(۱) لدّ فلسطین کا ایک مقام ہے جس کی تعیین مستند احادیث مرفوعہ میں کی گئی ہے یہ مقام آج کل یہودیوں کے قبضہ میں ہے اور یہاں نام نہاد اسرائیلی حکومت کا ایک ایرپورٹ بھی ہے۔ رفیع۔

علامت	حوالہ
۱۲۰- حربہ اس کے سینہ کے بیچوں بیچ لگے گا۔	نمبر ۱۱٦ احمد۔
۱۲۱- اور عیسیٰ علیہ السلام اس کا خون جو آپ کے حربہ پر لگ گیا ہوگا، مسلمانوں کو دکھائیں گے۔	نمبر ۷ مسلم۔
۱۲۲- بالآخر دجال کے ساتھی (یہودیوں) کو شکست ہو جائے گی۔	نمبر ۱۳ ابن ماجہ، نمبر ۱۶ ا احمد، نمبر ۱۷ حاکم، ونمبر ۲۰ حاکم، ونمبر ۳۱ احمد، حاکم ونمبر ۳۴ مسلم، ابن ابی شیبہ، کنز العمال
۱۲۳- اور ان کو مسلمانو (چن چن کر) قتل کریں گے۔	نمبر ۱۳ ابن ماجہ ونمبر ۱۳۱ احمد، حاکم ونمبر ۳۴ ابن ابی شیبہ ونمبر ۳٦ حاکم، کنز العمال۔
۱۲۴- کسی یہودی کو کوئی چیز پناہ نہ دیگی۔	نمبر ۱۳ ابن ماجہ، نمبر ۱۱٦ احمد وغیرہ۔
۱۲۵- حتیٰ کہ درخت اور پتھر بول اٹھیں گے کہ یہ (ہمارے پیچھے) کافر (یہودی چھپا ہوا) ہے (آکر اسے قتل کردو)۔	نمبر ۱۳ ابن ماجہ نمبر ۱۴ ا احمد، نمبر ۱۱٦ احمد، نمبر ۱۷ ا حاکم، نمبر ۱۳۱ احمد، حاکم، نمبر ۳۴ مسلم، ابن ابی شیبہ۔
۱۲٦- باقی ماندہ تمام اہل کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے۔	نمبر ا بخاری و مسلم، احمد، نمبر ۴ احمد، نمبر ۷٦ درمنثور، حاکم تا نمبر ۷۸ ابن جریر وغیرہ ونمبر ۸۰ درمنثور، ابن المنذر، ونمبر ۸۱ عبد الرزاق، عبد بن حمید،

درمنثور و نمبر ۸۲ تا نمبر ۸۴ ابن جریر و نمبر ۸۵ درمنثور، ابن ابی حاتم و نمبر ۱۰۰ درمنثور۔

۱۲۷- عیسیٰ علیہ السلام (اور مسلمان) خنزیر کو قتل کریں گے (اور صلیب توڑ دیں[1] گے)۔

نمبر ۱ بخاری، مسلم، احمد، و نمبر ۴ احمد، و نمبر ۱۰ ابوداؤد، و نمبر ۱۲ ابن ماجہ، و نمبر ۱۵ احمد، و نمبر ۳۶ حاکم، کنز العمال نمبر ۶۷ درمنثور، الطبرانی۔

۱۲۸- پھر آپ کی خدمت میں اطراف واکناف کے لوگ جو دجال (کے دھوکہ فریب) سے بچے رہے ہوں گے حاضر ہوں گے اور آپ ان کو جنت میں عظیم درجات کی خوشخبری دے کر دلاسا و تسلی دیں گے۔

نمبر ۵ مسلم وغیرہ۔

۱۲۹- پھر لوگ اپنے اپنے وطن واپس ہو جائیں گے۔

نمبر ۱۴ احمد۔

۱۳۰- مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کی خدمت وصحبت میں رہے گی۔

نمبر ۴۰ الدر المنثور و الحکیم الترمذی۔

۱۳۱- حضرت[2] عیسیٰ علیہ السلام مقام فج الروحاء میں تشریف لے

نمبر ۴ مسلم، احمد، حاکم و نمبر ۷۰ ابن عساکر، کنز العمال۔

---

(۱) یعنی نصرانیت کو مٹائیں گے۔

(۲) اس کے اور اگلے واقعہ کے بارے میں صراحت نہیں ملی کہ یہ یاجوج ماجوج کے واقعہ سے پہلے ہوں گے یا بعد۔ رفیع۔

جائیں گے، وہاں سے حج یا عمرہ (یا[1] دونوں) کریں گے۔

۱۳۲- اور رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس پر جا کر سلام عرض کریں گے اور آپ ان کے سلام کا جواب دیں گے۔ | نمبر۴ حاکم و نمبر۶۲ مجمع الزوائد، روح المعانی، عند قولہ تعالیٰ "وخاتم النبیین"

"یاجوج ماجوج"

۱۳۳- لوگ امن وچین کی زندگی بسر کر رہے ہوں گے کہ یاجوج ماجوج کی دیوار ٹوٹ جائے گی۔ | نمبر۱۰۸ حاکم، السیوطی فی الحاوی۔

۱۳۴- اور یاجوج ماجوج نکل پڑیں گے۔ | نمبر۵ مسلم وغیرہ، ونمبر۸ مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ وآیت قرآنیہ برحاشیہ حدیث نمبر۸ ونمبر۲۳ طبرانی، حاکم ونمبر۲۶ حاکم، ابن عساکر، ونمبر۵۷ ابن ابی شیبہ، نمبر۵ مسلم وغیرہ۔

۱۳۵- اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوگا کہ وہ مسلمانوں کو طور کی طرف جمع کرلیں کیونکہ یاجوج وماجوج کا مقابلہ کسی کے بس کا نہ ہوگا۔ | نمبر۵ مسلم وغیرہ۔

---

(۱) یہ لفظ صرف حدیث نمبر۴ میں ہے جو مرفوع ہے۔

۱۳۶- یاجوج ماجوج اتنی بڑی تعداد میں تیزی سے نکلیں گے کہ ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے معلوم ہوں گے۔	نمبر۵ مسلم وغیرہ ونمبر۱۱۴ احمد۔
۱۳۷- وہ شہروں کو روند ڈالیں گے زمین میں (جہاں پہنچیں[1] گے) تباہی مچادیں گے اور جس پانی پر گذریں گے اسے پی کر ختم کردیں گے۔	نمبر۱۱۴ احمد وغیرہ ونمبر۵۷ ابن ابی شیبہ وغیرہ ونمبر۱۰۸ حاکم، الحاوی۔
۱۳۸- ان کی ابتدائی جماعت جب بحیرہ (طبریہ) پر گذرے گی تو اس کا پورا پانی پی جائے گی اور جب ان کی آخری جماعت وہاں سے گزریں گی تو اسے دیکھ کر کہے گی۔ ''یہاں کبھی پانی (کا اثر) تھا''۔	نمبر۵ مسلم وغیرہ ونمبر۳۶ حاکم، ابن عساکر۔
۱۳۹- بالآخر یاجوج ماجوج کہیں گے کہ اہل زمین پر تو ہم غلبہ پاچکے، آؤ اب آسمان والوں سے جنگ کریں۔	نمبر۳۶ حاکم، ابن عساکر۔
۱۴۰- حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اس وقت محصور ہوں گے جہاں غذا کی سخت قلت کے باعث	نمبر۵ مسلم وغیرہ۔

(۱) قوسین کا مضمون صرف نمبر۱۱۴ میں ہے۔

لوگوں کو ایک بیل کا سر سو دینار سے
بہتر معلوم ہے۔

"یاجوج ماجوج کی ہلاکت"

۱۴۱- لوگوں کی شکایت پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام یاجوج ماجوج کے لئے بد دعا فرمائیں گے۔	نمبر ۵ مسلم وغیرہ ونمبر ۱۱۴ احمد۔
۱۴۲- پس اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں (اور کانوں) میں ایک کیڑا (اور حلق میں ایک پھوڑا) نکال دے گا۔	نمبر ۵ مسلم وغیرہ ونمبر ۳۶ حاکم، ابن عساکر، ونمبر ۱۰۸ حاکم السیوطی فی الحاوی۔
۱۴۳- جس سے سب کے جسم پھٹ جائیں گے۔	نمبر ۵ مسلم وغیرہ۔
۱۴۴- اور وہ سب (دفعۃً) ہلاک ہوجائیں گے۔	نمبر ۵ مسلم وغیرہ، ونمبر ۱۱۴ احمد، ونمبر ۳۶ حاکم، ابن عساکر ونمبر ۱۰۸ حاکم، السیوطی فی الحاوی۔
۱۴۵- اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی زمین[1] پر اتریں گے مگر پوری زمین یاجوج ماجوج کی لاشوں کی (چکناہٹ اور) بدبو سے بھری ہوگی۔	نمبر ۵ مسلم وغیرہ ونمبر ۱۱۴ احمد، ونمبر ۱۰۸ حاکم، السیوطی فی الحاوی۔
۱۴۶- جس سے مسلمانوں کو تکلیف	نمبر ۳۶ حاکم، ابن عساکر ونمبر ۱۰۸

(۱) کوہ طور سے۔ رفیع

ہو گی۔	حاکم وغیرہ۔
۱۴۷- تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام (اوران کے ساتھی) دعا کریں گے۔	نمبر۵ مسلم وغیرہ ونمبر ۱۰۸ حاکم وغیرہ۔
۱۴۸- پس اللہ تعالیٰ (ایک ہوا اور) لمبی گردنوں والے (بڑے بڑے) پرندے بھیج دیگا جوان کی لاشیں اٹھا کر (سمندر میں اور) جہاں اللہ چاہے گا پھینک دیں گے۔	نمبر۵ مسلم وغیرہ ونمبر ۳۶ حاکم، ابن عسا کر وغیرہما، ونمبر ۱۰۸ حاکم وغیرہ۔
۱۴۹- پھر اللہ تعالیٰ ایسی بارش برسائے گا جو زمین کو دھو کر آئینہ کی طرح صاف کردیگی۔	نمبر۵ مسلم وغیرہ ونمبر ۱۱۴ احمد۔
۱۵۰- اور زمین اپنی اصلی حالت پر ثمرات و برکات سے بھر جائے گی۔	نمبر۵ مسلم وغیرہ۔

’’حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکات‘‘

۱۵۱- دنیا میں آپ کا نزول (وقیام) امام عادل اور حاکم منصف کی حیثیت سے ہوگا۔	نمبر ۱ بخاری، مسلم، نمبر ۳۳ احمد، ونمبر ۳۸ طبرانی، کنز العمال۔
۱۵۲- اوراس امت میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہوں گے۔	نمبر ۶۷ درمنثور، طبرانی
۱۵۳- چنانچہ آپ قرآن وحدیث	نمبر ۳۸ طبرانی وغیرہ ونمبر ۵۵ الاشاعۃ

(اور اسلامی شریعت ہا پر خود بھی عمل کریں گے اور لوگوں کو بھی اس پر چلائیں گے۔	ابوالشیخ ابن حیان۔
۱۵۴- اور (نمازوں[1] میں) لوگوں کی امامت کریں گے۔	نمبر۴ احمد، ونمبر۲۴ ابن حبان، بزار، مع حاشیہ۔
۱۵۵- آپ کا نزول اس امت کے آخری دور میں ہوگا۔	نمبر۱۸ کنز العمال، درمنثور ونمبر۱۹ ابن ابی شیبہ، حاکم، حکیم ترمذی، درمنثور، ونمبر۲۷ نسائی، تاریخ حاکم ابونعیم، ابن عساکر وغیرہم ونمبر۶۴ کنز العمال، حلیۃ ابی نعیم ونمبر ۶۵ درمنثور، ابن جریر، ونمبر۶۶ مشکوٰۃ، رزین۔
۱۵۶- اور نزول کے بعد دنیا میں چالیس سال قیام کریں گے۔	نمبر۱۰ ابوداؤد، درمنثور۔ نمبر۳۳ احمد نمبر ۵۳ مرقاۃ الصعود نمبر ۵۵ الاشاعۃ۔
۱۵۷- اسلام کے دورِ اول کے بعد یہ اس امت کا بہترین دور ہوگا۔	نمبر۶۴ کنز العمال۔ ابونعیم
۱۵۸- آپ کے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ	نمبر ۹ نسائی، احمد، المختارہ، اوسط

(۱) اس کی صراحت صرف حدیث نمبر۴ میں ہے، البتہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اثر (حدیث نمبر۷۰) میں یہ صراحت بھی ہے کہ آپ نمازیں اور جمعہ پڑھایا کریں گے۔ ابن عساکر، وکنز العمال اور کعب احبارؒ کے اثر (حدیث نمبر۱۱۵ میں یہ تفصیل بھی ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت کی نماز تو امام مہدیؒ پڑھائیں گے اور بعد میں امامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیا کریں گے۔ نعیم بن حماد۔

جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔	طبرانی۔
۱۵۹- اور جو لوگ اپنا دین بچانے کے لئے آپ سے جاملیں گے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوں گے۔	نمبر۵۲ کنز العمال، نعیم بن حماد۔
۱۶۰- اس زمانہ میں اسلام کے سوا دنیا کے تمام ادیان ومذاہب مٹ جائیں گے اور دنیا میں کوئی کافر باقی نہ رہے گا۔	نمبر ۱۰ ابوداؤد، درمنثور، نمبر۱۳ ابن ماجہ، نمبر۱۵ احمد، ونمبر۸۱ عبد الرزاق، عبد بن حمید، نمبر۸۵ درمنثور، ابن ابی حاتم۔
۱۶۱- جہاد موقوف ہو جائے گا[1]۔	نمبر ابخاری، مسلم۔
۱۶۲- اور نہ خراج وصول کیا جائے گا۔	نمبر۴ احمد۔
۱۶۳- نہ جزیہ	نمبر۱۰ ابوداؤد، ونمبر۱۲ ابن ماجہ، ونمبر۱۵ احمد ونمبر ۳۶ حاکم ونمبر ۶۷ درمنثور، الطبرانی، مجمع الزوائد۔
۱۶۴- مال وزر لوگوں میں اتنا عام کردیں گے کہ مال کوئی قبول نہ کرے گا[2]۔	نمبر ابخاری ومسلم وغیرہما ونمبر۱۴ احمد ونمبر۱۲ ابن ماجہ۔

---

(۱) کیونکہ کوئی کافر ہی باقی نہ ہوگا جس سے جہاد کیا جائے یا جزیہ وخراج وصول کیا جائے۔ رفیع۔

(۲) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر (حدیث نمبر ۵۱) میں ہے کہ لوگ ان کی بدولت دوسروں سے مستغنی ہو جائیں گے، ابن عساکر، کنز العمال۔

۱۶۵- زکوٰۃ وصدقات کا لینا ترک کردیا جائے گا۔	نمبر۱۱۳ ابن ماجہ وغیرہ۔
۱۶۶- اورلوگ ایک سجدہ کو دنیا و مافیہا سے زیادہ پسند کریں گے۔	نمبر۱ بخاری، مسلم۔
۱۶۷- ہر قسم کی دینی و دنیوی برکات نازل ہوں گی[1]۔	نمبر۵ مسلم وغیرہ۔
۱۶۸- پوری دنیا امن وامان سے بھر جائیگی۔	نمبر۱۱۳ ابن ماجہ وغیرہ ونمبر۱۱۵ احمد، ونمبر ۶۷ طبرانی وغیرہ۔
۱۶۹- سات سال تک کسی بھی دو کے درمیان عداوت نہ پائی جائے گی۔	نمبر۶ مسلم، احمد، کنز العمال، درمنثور۔
۱۷۰- سب کے دلوں سے (بخل) وکینہ اور بغض وحسد نکل جائے گا۔	نمبر۱ ونمبر۶ مسلم وغیرہ ونمبر۱۱۳ ابن ماجہ وغیرہ ونمبر ۵۶ کنز العمال، ابونعیم۔
۱۷۱- چالیس سال تک نہ کوئی مریگا نہ بیمار ہوگا۔	نمبر۱۰۸ حاکم، سیوطی فی الحاوی۔
۱۷۲- ہر زہریلے جانور کا زہر نکال لیا جائے گا۔	نمبر۱۱۳ ابن ماجہ وغیرہ۔
۱۷۳- سانپ (اور بچھو) بھی کسی ایذا نہ دیں گے۔	نمبر۱۱۳ ابن ماجہ وغیرہ ونمبر ۵۶ کنز العمال، ابو نعیم، ونمبر ۱۰۸ حاکم، السیوطی۔

(۱) ابو ہریرہؓ کے اثر (حدیث نمبر ۷۰) میں ہے کہ "عیسیٰ علیہ السلام حلال اشیاء کی فراوانی کردیں گے (ابن عساکر، کنز العمال) یعنی ان کے زمانہ میں حلال اشیاء کثرت سے پیدا ہوں گی۔ رفیع

۱۷۴- بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے۔	نمبر ۱۱۵ احمد۔
۱۷۵- یہاں تک کہ بچہ اگر سانپ کے منہ میں بھی ہاتھ دیگا تو وہ گزند نہ پہنچائیگا۔	نمبر ۱۱۳ ابن ماجہ وغیرہ۔
۱۷۶- درندے بھی کسی کو کچھ نہ کہیں گے۔	نمبر ۱۱۳ ابن ماجہ وغیرہ ونمبر ۱۰۸ حاکم، السیوطی فی الحاوی۔
۱۷۷- آدمی شیر کے پاس سے گزرے گا تو شیر نقصان نہ پہنچائے گا۔	نمبر ۵۶ کنز العمال، ابونعیم۔
۱۷۸- حتیٰ کہ کوئی لڑکی شیر کے دانت کھول کر دیکھے گی تو وہ اسے کچھ نہ کہے گا۔	نمبر ۱۱۳ ابن ماجہ وغیرہ۔
۱۷۹- اونٹ شیروں کے ساتھ چیتے گایوں کے ساتھ اور بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ چریں گے۔	نمبر ۱۱۵ احمد۔
۱۸۰- بھیڑیا بکریوں کے ساتھ ایسا رہے گا جیسے کتا ریوڑ کی حفاظت کے لئے رہتا ہے۔	نمبر ۱۱۳ ابن ماجہ۔
۱۸۱- زمین کی پیداواری صلاحیت اتنی بڑھ جائے گی کہ بیج ٹھوس پتھر میں	نمبر ۵۶ کنز العمال، ابونعیم۔

بھی بویا جائے گا تو اگ آئے گا۔

۱۸۲- ہل چلائے بغیر بھی ایک مد سے سات سو مد گندم پیدا ہوگا۔ — نمبر ۱۰۸ حاکم، السیوطی فی الحاوی۔

۱۸۳- ایک انار اتنا بڑا ہوگا کہ اسے ایک جماعت کھائے گی اور اس کے چھلکے کے نیچے لوگ سایہ حاصل کریں گے۔ — نمبر ۵ مسلم وغیرہ۔

۱۸۴- دودھ میں اتنی برکت ہوگی کہ دودھ دینے والی ایک اونٹنی لوگوں کی بہت بڑی جماعت کو، ایک گائے پورے قبیلہ کو اور ایک بکری پوری برادری کو کافی ہوگی۔ — نمبر ۵ مسلم وغیرہ۔

۱۸۵- غرض نزول عیسیٰ کے بعد زندگی بڑی خوش گوار ہوگی۔ — نمبر ۵۶ کنز العمال، ابونعیم۔

''عیسیٰ علیہ السلام کا نکاح اور اولاد''

۱۸۶- حضرت عیسیٰ علیہ السلام (نزول کے بعد[1]) دنیا میں نکاح[2] فرمائیں گے۔ — نمبر ۵۸ مشکوٰۃ، ابن الجوزی، کنز العمال، ونمبر ۶۳ فتح الباری نعیم بن حماد ونمبر ۱۰۱ الخطط للمقریزی۔

---

(۱) اس کی تصریح صرف حدیث نمبر ۵۸ میں ہے۔

(۲) حدیث مرفوع نمبر ۱۰۱ میں ہے کہ یہ نکاح حضرت شعیبؑ کی قوم یعنی قبیلہ جذام میں ہوگا یہ حدیث علامہ مقریزی نے ''الخطط'' میں بغیر سند کے ذکر کی ہے۔

۱۸۷- اور آپ کے اولاد بھی ہوگی۔ نمبر ۵۸ مشکوٰۃ، ابن الجوزی، کنز العمال ونمبر ۱۰۱ الخطط للمقریزی۔

۱۸۸- (نکاح[1] کے بعد) دنیا میں آپ کا قیام انیس سال رہے گا۔ نمبر ۶۳ فتح الباری، نعیم بن حماد۔

''آپ کی وفات اور جانشین''

۱۸۹- پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوجائے گی۔ نمبر ۱۰ ابو داؤد نمبر ۱۵ احمد، ونمبر ۵۵ الاشاعہ للبرزنجی ونمبر ۵۷ ابن جریر، درمنثور، نمبر ۷۶ حاکم تا نمبر ۷۸ درمنثور، ابن جریر بحوالہ آیت قرآنیہ ونمبر ۸۴ ابن جریر ونمبر ۸۵ ابن ابی حاتم، درمنثور۔

۱۹۰- اور مسلمان نماز جنازہ پڑھ (کر آپ کو دفن کر) ینگے[2]۔ نمبر ۱۰ ابوداؤد وغیرہ ونمبر ۱۵ احمد۔

۱۹۱- لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نمبر ۵۵ الاشاعۃ للبرزنجی۔

---

(۱) حدیث ہذا میں اس کی پوری صراحت نہیں البتہ الفاظِ حدیث سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ انیس سال کی مدت نکاح کے بعد ہے نیز حدیث نمبر ۱۰ ونمبر ۳۳ ونمبر ۵۳ ونمبر ۵۵ بھی اسی کی مؤید ہیں۔۱۲ رفیع۔

(۲) اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی حدیث موقوف ۲۶۲ میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیا جائے گا ترمذی۔ اور عبداللہ بن سلامؓ ہی کی حدیث موقوف نمبر ۵۹ میں یہ بھی ہے کہ ''عیسیٰ ابن مریم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دو رفیقوں کے ساتھ دفن کیا جائے گا پس عیسیٰ علیہ السلام کی قبر چوتھی ہوگی، رواہ البخاری فی تاریخہ والطبرانی کما فی الدر المنثور

وصیت کے مطابق قبیلۂ بنی تمیم کے ایک شخص کو جس کا نام مقعد ہوگا، خلیفہ مقرر کریں گے۔

۱۹۲- پھر مقعد کا بھی انتقال ہو جائے گا۔ نمبر ۵۵ الاشاعۃ للبرزنجی۔

''متفرق علامات قیامت''

۱۹۳- اور آپ کے بعد اگر کسی کی گھوڑی بچہ دے گی تو قیامت تک اس پر سواری کی نوبت نہیں آئے گی(۱)۔ نمبر ۳۹ ابن ابی شیبہ، ابن عساکر، کنز العمال ونمبر ۴۴ نعیم بن حماد، کنز العمال۔

۱۹۴- زمین میں دھنس جانے کے نمبر ۸ مسلم، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ

(۱) ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ دوسری قسم کی سواریوں کا رواج ہوگا اور گھوڑے کی سواری بالکل متروک ہو جائے گی، یا یہ مراد ہو کہ جہاد کے لئے سواری نہ ہوگی کیونکہ جہاد قیامت تک منقطع رہے گا، یا پھر یہاں قیامت سے قیامت کی کوئی بڑی علامت مثلاً آفتاب کا مغرب سے طلوع یا دابۃ الارض یا دخان یا سب مؤمنین کی موت مراد ہو کیونکہ احادیث میں بعض علاماتِ قیامت کو بھی قیامت سے تعبیر کیا گیا ہے جس کی تفصیل ہم نے فہرست سے پہلے ''اسبابِ تعارض'' کے ذیل میں ذکر کی ہے۔ یہ توجیہات اس لئے ضروری ہیں کہ دوسری روایات کے مجموعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد قیامت تک کم از کم (ایک سو بیس) ۱۲۰ سال ضرور لگیں گے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے اثر (حدیث نمبر ۵۴) میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد قیامت سے پہلے ایک سو بیس برس تک عرب لوگ شرک وبت پرستی میں مبتلا رہیں گے الاشاعۃ للبرزنجی۔

اور فتح الباری میں تو حضرت عمرو بن العاصؓ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ آفتاب کے مغرب سے طلوع کے بعد لوگ دنیا میں ایک سو بیس ۱۲۰ سال تک رہیں گے پھر قیامت آئے گی، دیکھئے عربی حاشیہ ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح ص ۲۳۱ طبع حلب۔

تین واقعات ہوں گے، ایک مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک جزیرہ عرب میں۔	ونمبر ۲۳ طبرانی حاکم، ابن مردویہ، کنز العمال۔

''دھواں''

۱۹۵- ایک خاص دھواں ظاہر ہوگا جو لوگوں پر چھا جائے گا۔	نمبر ۸ مسلم، ابوداؤد وغیرہما مع مع آیت قرآنیہ بر حاشیہ نمبر ۲۳ طبرانی حاکم۔
۱۹۶- اس سے مؤمنین کو تو زکام سا محسوس ہوگا مگر کفار کے سر ایسے ہو جائیں گے جیسے انہیں آگ پر بھون دیا گیا ہو۔	حاشیہ حدیث نمبر ۸ بحوالہ تفسیر ابن جریر مرفوعاً وموقوفاً۔

''آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا''

۱۹۷- قیامت کی ایک علامت یہ ہوگی کہ ایک روز آفتاب مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔	نمبر ۸ مسلم وغیرہ ونمبر ۲۳ طبرانی، حاکم، ابن مردویہ ونمبر ۱۰۸ حاکم السیوطی فی الحاوی۔
۱۹۸- جسے دیکھتے ہی سب کافر ایمان لے آئیں گے مگر اس وقت ان کا ایمان قبول نہ کیا جائے گا اور گنہگار مسلمانوں کی توبہ بھی اس وقت قبول نہ ہوگی۔	حاشیہ حدیث نمبر ۸ بحوالہ صحیح بخاری وآیت قرآنیہ۔

''دابۃ الارض''

۱۹۹- اور ایک جانور(۱) زمین سے نکلے گا۔	نمبر ۸ مسلم وغیرہ و نمبر ۲۳ طبرانی، حاکم، ابن مردویہ
۲۰۰- جو لوگوں سے باتیں کرے گا۔	آیت قرآنیہ بر حاشیہ حدیث نمبر ۸۔

''یمن کی آگ''

۲۰۱- پھر ایک آگ یمن (عدن کی گہرائی) سے نکلے گی جو لوگوں کو محشر (شام) کی طرف ہانک کر لی جائے گی۔	نمبر ۸ مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ مع حاشیہ و نمبر ۲۳ طبرانی، حاکم، ابن مردویہ، و نمبر ۳۷ تفسیر ابن جریر، درمنثور۔
۲۰۲- اور سب مؤمنین کو ملک شام میں جمع کر دے گی۔	حاشیہ بر حدیث نمبر ۸ بحوالہ احمد، نسائی، ابوداؤد، ترمذی، حاکم۔
۲۰۳- مقعد کی موت کے بعد تین سال گذرنے نہ پائیں گے کہ قرآن لوگوں کے سینوں اور مصاحف سے اٹھالیا جائے گا۔	نمبر ۵۵ الاشاعۃ۔
۲۰۴- پہاڑ اپنے مرکزوں سے ہٹ جائیں گے اس کے بعد قبضِ ارواح ہوگا۔	نمبر ۱۷ حاکم۔

---

(۱) یعنی دابۃ الارض۔

’’مومنین کی موت اور قیامت‘‘

۲۰۵- ایک (خوش گوار[1]) ہوا آئے گی جو تمام مؤمنین کی روحیں قبض کرلے گی، اور کوئی مومن دنیا میں باقی نہ رہے گا۔	نمبر ۵ مسلم وغیرہ ونمبر ۱۱۶ الحاوی للسیوطی، نعیم بن حماد۔
۲۰۶- پھر دنیا میں صرف بدترین لوگ[2] رہیں گے۔	نمبر ۵ مسلم وغیرہ۔
۲۰۷- اور گدھوں کی[3] طرح جماع کیا کریں گے۔	نمبر ۵ مسلم وغیرہ۔
۲۰۸- پہاڑ دھن دیئے جائیں گے اور زمین چمڑے کی طرح پھیلا کر سیدھی کردی جائے گی۔ اس کے بعد قیامت کا حال پورے دنوں کی ان گابھن کی طرح ہوگا جس کے مالک ہر وقت اس انتظار میں ہوں کہ دن رات میں نہ معلوم کب بچہ جن دے۔	نمبر ۱۱۴ احمد۔
۲۰۹- بالآخر انہی بدترین لوگوں پر	نمبر ۵ مسلم وغیرہ ونمبر ۱۱۶ سیوطی نعیم بن

---

(۱) یہ لفظ صرف حدیث نمبر ۵ میں ہے۔

(۲) کعب احبار کے اثر (حدیث نمبر ۱۱۶) میں ہے کہ یہ لوگ نہ کسی دین کو جانتے ہوں گے نہ سنت کو مؤمنین کی موت کے بعد یہ لوگ سو ۱۰۰ سال تک رہیں گے انہی پر قیامت آئے گی نعیم بن حماد الحاوی۔

(۳) یعنی کھلم کھلا، حدیث نمبر ۱۱۶ میں جو کعب احبار پر موقوف ہے اس کی صراحت ہے۔

قیامت آجائے گی[1]۔　　　حماد۔

قیامت کس طرح آئے گی اس کی ہولناک تفصیلات قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں مختلف عنوانات کے ساتھ بہت کثرت سے بیان کی گئی ہیں مگر حصہ دوم کی احادیث میں وہ تفصیلات نہیں ہیں۔ اس لئے ہم اس فہرست کو یہیں ختم کرتے ہیں، و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمین ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ افضل النبیین وخاتم المرسلین وعلیٰ آلہٖ وصحبہ اجمعین ونسأل اللہ شفاعته یوم الدین.

کتبہ محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
خادم طلبہ دار الافتاء دار العلوم کراچی ۱۴
۲۰ صفر المظفر ۱۳۹۳ھ

(۱) مسلم کی ایک اور حدیث صحیح میں ہے "لا تقومُ الساعة علیٰ احدٍ یقول اللہ اللہ ص۸۴ ج۱، مسلم ہی کی ایک اور حدیث مرفوع صحیح میں ہے لا تقوم الساعة الا علیٰ شرار الناس ص۴۰۶ ج۲۔

اس زمانہ میں اجتہاد

اس زمانہ میں اجتہاد

اجتہاد کے موضوع پر اسلامی کانفرنس کی تنظیم Organization of The Islamic Countries (او، آئی، سی) کے زیر اہتمام اسلام آباد میں ایک سہ روزہ کانفرنس منعقد ہوئی زیر نظر مقالہ اسی کانفرنس میں پیش کیا گیا، اس مقالہ میں اجتہاد کے اہم اصول اور اس کی ضروری شرائط بیان کی گئی ہیں، اس کانفرنس میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب شہید نے اپنی افتتاحی تقریر میں ایک ایسے عالمی تحقیقاتی ادارۂ فقہ اسلامی کی تشکیل کی تجویز پیش کی تھی جس میں ماہر علماء کرام شامل ہوں تاکہ وہ امت کو درپیش دینی مسائل کا حل پیش کر سکیں، صدر مرحوم کی اس تجویز کی تائید حضرت مفتی مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم اور دیگر علماء کرام نے فرمائی جن میں شیخ مصطفیٰ الزرقاء مرحوم بھی شامل تھے۔ بعد میں اسی تجویز کی بنیاد پر او آئی سی نے "مجمع الفقہ الاسلامی" یعنی اسلامی فقہ اکیڈمی قائم کی جو تا حال فعال ہے اور جدہ میں اس کا مرکزی سکرٹریٹ ہے، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اس کے نائب صدر ہیں۔

اجتہاد اور اس کا معیار

الحمد للہِ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ خاتم النبیین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین الیٰ یوم الدین. اما بعد

جناب صدر، حضرات علماء کرام، اور معزز حاضرین گرامی!

نفاذ شریعت کانفرنس کے اس سہ روزہ اجتماع میں اجتہاد کے جواز اور اس کی ضرورت واہمیت پر کافی قیمتی علمی مواد بحمد اللہ سامنے آچکا ہے، لہٰذا اس پر مزید کچھ عرض کرنے کی بجائے میں اپنے اس مختصر مقالے میں رسول اکرم ﷺ کے

ایک ارشاد گرامی کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، جس میں بعینہ اس سوال کا جواب دیا گیا ہے جس پر ہم تین روز سے غور کر رہے ہیں، وہ سوال یہ ہے کہ "آج جب کہ زندگی کے تمام شعبوں میں انقلابی تبدیلیاں آچکی ہیں، نئے سائنسی اور صنعتی دور نے نت نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں، ان پیچیدہ مسائل کا اطمینان بخش حل اسلامی شریعت میں یقیناً موجود ہے، مگر ہماری رسائی اس حل تک کیسے ہو؟ اجتہاد کن حدود میں کیا جائے؟ اس کا طریق کار کیا ہونا چاہئے؟ اور اس کی شرائط کیا ہیں؟

اصولی طور پر یہی وہ سوال ہے جو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے آنحضرت ﷺ سے کیا تھا۔ آپ نے اس کا جو جواب ارشاد فرمایا اس سے اجتہاد کے متعلق کئی اصول سامنے آتے ہیں۔ اجتہاد کے حدود، طریقہ کار، اور شرائط سب اصولی طور پر اس میں بیان فرمادی گئی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا کہ "اگر ہمیں ایسا مسئلہ پیش آئے جس کا کوئی صریح حکم یا ممانعت قرآن و سنت میں موجود نہ ہو تو میرے لئے آپ کا کیا حکم ہے؟

آپ نے فرمایا کہ

شاوروا فيه الفقهاء والعابدين ولا تمضوا فيه رأى خاصةٍ. رواه الطبراني في الوسط ورجاله موثقون من اهل الصحيح كذا في مجمع الزوائد.

"اس مسئلے میں تم فقہاء اور عابدین سے مشورہ کرو، اور کسی شخصی رائے کو نافذ نہ کرو۔

یہ حدیث حافظ طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کی ہے، اور علامہ ہیثمیؒ نے

مجمع الزوائد میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے"۔

۱- اس حدیث سے ایک اصول تو یہ معلوم ہوا کہ جن مسائل کا صریح حکم قرآن و سنت میں موجود نہ ہو، ان کا شرعی حکم قرآن و سنت میں غور کر کے اجتہاد سے معلوم کیا جائے گا۔

۲- دوسرا اصول یہ معلوم ہوا کہ جن مسائل کا حکم قرآن یا سنت میں صریح طور پر موجود ہو، ان میں اجتہاد کی نہ ضرورت ہے نہ اجازت۔

۳- تیسرا اصول یہ معلوم ہوا کہ ایسے مسائل میں شخصی رائے کو قطعیت کا ایسا درجہ حاصل نہیں ہو سکتا کہ کسی کو اس سے اختلاف کی گنجائش نہ رہے، لہٰذا کسی شخصی رائے کو دوسرے فقہاء پر ٹھونسنے یا ان کو اس رائے کا پابند کرنا جائز نہیں۔

۴- چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ صحیح طریقہ جو سب کے لئے قابل اعتماد ہو سکتا ہے یہی ہے کہ ایسے مسائل میں باہمی مشورے سے فیصلہ کیا جائے۔

۵- پانچواں اصول یہ معلوم ہوا کہ مشورہ صرف ان حضرات کا معتبر ہے جو فقہاء اور عبادت گذار ہوں، یاد رہے کہ قرآن و سنت کی اصطلاح میں فقہاء سے مراد وہ باعمل اور متقی حضرات ہیں جو قرآن و سنت میں گہری بصیرت و مہارت رکھتے ہوں اور دین کے تمام شعبوں میں علم راسخ کے حامل ہوں۔

اس حدیث شریف نے ہمارے ان تمام سوالات کا جواب فراہم کر دیا ہے جو اس سیمنار کا موضوعِ بحث ہیں، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ موجودہ دور میں نفاذِ شریعت کے لئے ہم اس حدیث کو مشعلِ راہ بنائیں۔

ظاہر ہے کہ فقہاء سے مشورے کا مقصد یہ ہے کہ ایسے مجتہد فیہ مسائل میں ان کی تحقیقات اور آراء سے استفادہ کیا جائے۔ لہٰذا اس دور میں جن مسائل کے لئے اجتہاد کی ضرورت ہے ان میں طے کرنے کے لئے ہمیں موجودہ فقہاء کرام کی رہنمائی بھی حاصل کرنا ہوگی، اور فقہاء سابقین، اور ائمہ مجتہدین کی تحقیقات اور فیصلوں کا بھی دقت نظر کے ساتھ مطالعہ کرنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج عالم اسلام میں ایک ہی مجتہد کا فقہ نہیں بلکہ متعدد ائمہ مجتہدین کے فقہ مدوّن شکل میں موجود ہیں۔ اگر ایک فقہ میں پورا حل نہ ملے تو اس مسئلے میں دوسرے فقہ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے، اس طرح بیشتر مسائل کا حل ہمیں قدیم فقہاء مجتہدین کی تحقیقات میں یا تو بعینہ مل جائے گا، یا اس کے متعلق ایسے اصول و قواعد ہاتھ آجائیں گے، جن کی روشنی میں اس زمانے کے فقہائے عابدین باہمی مشورے سے موجودہ مسائل کو حل کر سکیں گے۔ یہی وہ اجتہاد ہے جسے فقہ کی اصطلاح میں "اجتهاد فی المسائل" اور "اجتهاد فی التخریج" کہا جاتا ہے۔

اس زمانے میں بلاشبہ بہت سے مسائل میں اجتہاد کی ضرورت ہے، لیکن اجتہاد کے ذریعے فقہ میں ارتقاء کا جو عمل جاری رہتا ہے، اس سے مراد چھلانگ لگا کر اوپر چڑھنا نہیں، بلکہ زینہ بزینہ چڑھنا ہے۔ جس طرح تمام علوم و فنون میں جدید تحقیقات اور ایجادات کے لئے پچھلے ماہرین فن کے کارناموں سے استفادہ کیا جاتا ہے، اسی طرح اجتہاد کے عمل میں بھی کرنا ہوگا۔ آج اگر ہم کسی نئی قسم کا ہوائی جہاز ایجاد کرنا چاہیں تو بنیادی طور پر ہمیں جہاز سازی کی موجودہ صنعت اور موجودہ اصولوں ہی سے مدد لینا پڑے گی، انہی کی مدد سے ہم ایک نئی قسم کا مطلوبہ جہاز تیار کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے، اگر ہم اس کے بجائے یہ طریقہ اختیار

کریں کہ دنیا میں جب سب سے پہلے پہیہ ایجاد ہوا تھا اس وقت سے اب تک کی تمام تحقیقات اور ایجادات سے آنکھیں بند کرلیں، اور تمام مسلمہ اصولوں کی از سرِ نو تحقیق میں لگ جائے تو نسلیں اور صدیاں گذر جائیں گی، اور مطلوبہ جہاز نہ بن سکے گا۔

اسی طرح جو نئے اور پیچیدہ فقہی مسائل آج ہمیں درپیش ہیں ان کا قابل عمل فیصلہ کرنے کا فطری طریقہ یہی ہے کہ ان کے متعلق پچھلے مجتہدین اور فقہاء کے کارناموں سے استفادہ کیا جائے۔ اور موجودہ فقہاء کے باہمی مشوروں سے ان کو ایسی شکل دی جائے جو اس دور کے مسائل کا بہترین حل بن سکے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

ائمہ مجتہدین کی تحقیقات سے استفادے، اور موجودہ فقہاء کے مشورے کو آسان بنانے کے لئے ہمیں دو کام کرنے چاہئیں:

(۱) ایک وہ کام جس کی تجویز فضیلۃ الشیخ مصطفیٰ احمد الزرقاء نے پیش کی ہے کہ فقہ اسلامی کا ایک جامع اور مفصل انسائیکلوپیڈیا مرتب کیا جائے، تاکہ ہر مسئلے کے متعلق اب تک کی فقہی تحقیقات اور مذاہب اور جملہ تفصیلات ایک نظر میں سامنے آسکیں اور ان سے استفادہ آسان ہو۔ حکومت کویت کی سرپرستی میں یہ کام بڑے پیمانے پر شروع ہوا تھا، مگر نامعلوم اسباب کی بناء پر وہ شاید اب تعطل کا شکار ہو گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اگر ایک حکومت اس کام کو انجام نہ دے سکے تو کئی اسلامی حکومتیں مل کر انجام دیں، یا اسلامی سکرٹریٹ اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کا انتظام کرے۔

(۲) اور دوسرا کام وہ کرنا چاہئے جو محترم صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق

صاحب نے اپنی افتتاحی تقریر میں تجویز فرمایا ہے کہ اسلامی قوانین کی تدوین جدید، اور فقہی تحقیقات کے لئے اسلامی سکرٹریٹ سے درخواست کی جائے کہ وہ ایک ''اسلامی لاء کمیشن'' عالمی سطح پر قائم کرنے، یہ تجویز فضیلۃ الشیخ مصطفیٰ احمد الزرقاء اور بعض دوسرے مندوبین نے بھی ''اجتہاد جماعی'' کے نام سے پیش کی ہے۔

لیکن اس عالمی ادارے کے قیام میں اس معیار کو ملحوظ رکھنا بہر حال ضروری ہے جو آنحضرت ﷺ نے اپنے مذکورہ بالا ارشاد میں ایسے مسائل کو حل کرنے کے لئے مقرر فرمایا ہے، کہ مشورہ کرنے والے حضرات، فقہاء اور عابدین ہوں۔ اگر اس معیار سے قطع نظر کی گئی تو مسائل حل ہونے کی بجائے اور پیچیدہ ہو جائیں گے، عالم اسلام کے مسلمان ان فیصلوں اور تحقیقات پر اعتماد نہیں کریں گے۔ اور ساری محنتیں اسی طرح بے نتیجہ ہو جائیں گی جس طرح اب تک اس قسم کی بہت سی کوششیں بے کار ہوتی رہی ہیں۔

لہٰذا مناسب یہ ہوگا کہ اسلامی سکرٹریٹ ایک عالمی ادارۂ قانون اسلامی اس طرح تشکیل دے کہ اس وقت عالم اسلام میں جو جو فقہی مذاہب رائج ہیں ان میں سے ہر ایک مسلک کے ایسے کم از کم دو دو فقہاء عابدین کو اس ادارے کا رکن بنایا جائے، جو قرآن و سنت کے علوم میں گہری بصیرت رکھنے کے علاوہ متقی، متبع سنت، اور مخلصین ہوں، اور جن کے علم و فضل، اور تدین و تقویٰ پر مسلمانوں کو عام طور سے اعتماد ہو۔ اور موجودہ قانونی، اقتصادی، انتظامی اور سیاسی مشکلات معلوم کرنے کے لئے ان علوم و فنون دیندار ماہرین کو بھی اس ادارے کا رکن بنایا جائے۔

اگر اس ادارے کو آنحضرت ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد کی روشنی میں تشکیل دیا گیا تو مختلف اسلامی ممالک میں تنفیذ شریعت کے لئے جو علمی کام ہو رہا ہے یہ ادارہ ان میں رابطہ اور تعاون کا بہترین ذریعہ ثابت ہو گا۔ اگر مندوبین گرامی مناسب خیال فرمائیں تو یہ دونوں تجویزیں قرارداد کی شکل میں پاس کر کے اسلامی سکرٹریٹ کو بھیجی جائیں۔

واللہ المستعان

وعلیہ التکلان

احقر العباد محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

منکرین حدیث کافر اور
دائرہ اسلام سے خارج ہیں

منکرین حدیث کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں

غلام احمد پرویز کے بارے میں کویت سے ایک سوال آیا تھا، جس کے دارالافتاء سے تفصیلی جواب کے ساتھ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ نے بھی عربی زبان میں جواب تحریر فرمایا جو اردو ترجمہ کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

الحمدلله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله الكريم، وعلى آله وأصحابه أجمعين.

وبعد:

فإن الرجل غلام أحمد برويز الذى نهض قبل زمان بدعوة إلى معتقداته الباطلة التى بلغت إلى إنكار ما ثبت من الدين ضرورة.

ومن أهم معتقداته إنكار حجية الحديث، وتحريف معانى الصلاة والزكاة والحج إلى ما ليس بثابت من الإسلام، وإن قائمة كفرياته طويلة جدا، وقد أفتى علماء جامعتنا عن السؤال المطروح عنه، بكفره وضلاله، وإنى أوافق تلك الفتوى بجميع محتوياتها.

وإن علمائنا ومشائخنا قد أفتوا بكفره فى الزمان الذى انتشرت مصنفاته الباطلة فيه، وبالغ شيخنا العلامة محمد يوسف البنورى فى

ذلك حتى طرح السؤال عن معتقدات هذا الرجل على علماء العرب، فافتوا بكفره وقد وقَّع على هذه الفتوى قرابة ألف من علماء شبه القارة، وعلى رأسهم والدى الماجد المفتى الأكبر لباكستان محمد شفيع قدس سره، وقد طبعت هذه الفتوى.

ولا تزال هذه مقبولة ومتداولة ومتفقة عليها فيما بين علماء باكستان والهند وبنغلاديش.

وإنى بفضل الله كتبت حول هذا الموضوع ردا على هذا الرجل ومعتقداته كتابا باسم "كتابة الحديث فى عهد الرسالة وعهد الصحابة".

وبالجملة فإنه لاشك فى كفر هذا الرجل، وجميع من يعتقد هذه الكفريات، أعاذنا الله منها.

والله الموفق

محمد رفيع العثمانى عفا الله عنه

رئيس جامعة دار العلوم كراتشى

٦/٩/١٤١٩هـ

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین.

امابعد

غلام احمد پرویز جس نے کچھ عرصہ قبل اپنے ان باطل عقائد و نظریات کی طرف لوگوں کو بلانا شروع کیا جو ضروریات دین سے انکار پر مشتمل ہے۔

اس کے اہم عقائد میں حجیت حدیث کا انکار، نماز، زکوٰۃ اور حج کے معانیؔ ومفاہیم کو بدلنا اور ان میں تحریف کرنا ہے، اس کے کفریہ عقائد کی فہرست بہت لمبی ہے، ہمارے جامعہ (دارالعلوم کراچی) کے علماء کرام نے اس سے متعلق کئے ہوئے ایک سوال کے بارے میں فتوی جاری کیا ہے جس میں اس کو کافر و گمراہ قرار دیا ہے، میں اس فتوی سے کلی طور پر متفق ہوں۔

ہمارے علماء و مشائخ نے اس شخص کے کفر کا فتوی اس زمانہ میں دیا تھا جس زمانہ میں اس کی تصنیفات باطلہ پھیل گئی تھیں، ان میں سر فہرست حضرت علامہ محمد یوسف بنوری صاحب قدس سرہ تھے، جنہوں نے علماء عرب سے اس کے عقائد کے بارے میں استفسار فرمایا، چنانچہ انہوں نے اس کے کفر کا فتویٰ دیا، اس فتویٰ پر برصغیر کے تقریباً ایک ہزار علماء کی تصدیقات ثبت ہیں، ان میں سر فہرست والد ماجد مفتی اعظم پاکستان محمد شفیع صاحب قدس سرہ تھے، یہ فتویٰ شائع ہو چکا ہے۔ یہ فتویٰ پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش کے علماء میں ہمیشہ سے مقبول اور متفق علیہ چلا آرہا ہے۔

اور میں نے بفضلہٖ تعالیٰ اس شخص کی تردید میں اس موضوع پر مستقل کتاب تحریر کی ہے جس کا نام ہے ''کتابتِ حدیث عہد رسالت وعہد صحابہ میں''۔

خلاصہ یہ کہ اس شخص اور اس کے پیروکاروں کے کفر میں کوئی شک نہیں۔

واللہ الموفق

(مولانا) محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

صدر جامعہ دار العلوم کراچی ۱۴

۱۴۱۹/۹/۶ھ

کفار کے ساتھ مسلمانوں کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیئے؟
اس کے مفصل اور مدلل شرعی اصول

کفار کے ساتھ مسلمانوں کا طرز عمل کیا ہونا چاہیئے؟ اس کے مفصل اور مدلل شرعی اصول

دار العلوم کراچی کے ترجمان ماہنامہ "البلاغ"

مورخہ جمادی الاولی ۱۳۸۸ھ میں شائع ہوا

سوال: غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کی کیا روش ہونی چاہیئے؟ نیز کیا ان کے ساتھ سلام و دعاء جائز ہے؟

جواب: کفار کے ساتھ مسلمانوں کی روش کے بارے میں اسلام نے چند اصول مقرر کر دیئے ہیں، وہ یہاں دلائل کے ساتھ نمبر وار ذکر کئے جاتے ہیں، آخر میں جواب کا خلاصہ اور بعض جزوی مسائل کا حکم بھی بیان کر دیا جائیگا۔

(۱) پہلا اصول یہ ہے کہ کفار کے ساتھ جہاد اپنی نوعیت کی بہترین عبادت ہے، جو بعض حالات میں واجب اور فرض عین بھی ہو جاتی ہے۔ (یہ اصول چونکہ بہت معروف ہے اس لئے اس کی دلیل ہم یہاں بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے)۔

(۲) دوسرا اصول یہ ہے کہ ان پر ظلم کسی حال جائز نہیں، بلکہ ہر حال میں عدل و انصاف واجب ہے۔ قرآن حکیم کی واضح ہدایت ہے کہ:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَنْ لَا تَعْدِلُوا، اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾

کسی قوم کی عداوت تم کو اس پر ہرگز برانگیختہ نہ کرے کہ تم عدل کو چھوڑ دو، عدل کرو، یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اللہ کو خوب

خبر ہے جو تم کرتے ہو۔ (سورۂ مائدہ رکوع نمبر ۲)

سورۂ مائدہ ہی کے پہلے رکوع میں ایک اور آیت ہے کہ:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوكُم عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا﴾.

تم کو اس قوم کی دشمنی جو تم کو مسجد حرام سے روکتی تھی ہرگز اس پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرنے لگو۔

اس آیت میں ان مشرکین مکہ پر ظلم کرنے سے بھی سختی سے روکا گیا ہے جنہوں نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکا، جس کا حاصل یہ ہے کہ کفار کے ساتھ سخت سے سخت دشمنی میں بھی ظلم کرنا اور حق وانصاف کو چھوڑ دینا جائز نہیں۔

(۳) تیسرا اصول یہ ہے کہ کفار کے ساتھ مصالحت جائز ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا﴾

اور اگر وہ (کفار) جھکیں صلح کی طرف تو تو بھی جھک اسی طرف۔

(سورۂ انفال رکوع ۸)

(۴) چوتھا اصول یہ ہے کہ ان کے ساتھ دوستی جائز نہیں، چنانچہ قرآن حکیم نے تنبیہ کر دی ہے کہ:

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَهُوَ مِنْهُمْ﴾.

(اے ایمان والو، یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور تم میں سے جو ان سے دوستی کرے وہ

انہی میں ہے۔ (سورۂ مائدہ رکوع نمبر ۸)

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تَتَّخِذُوْا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ﴾.

اے ایمان والو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنایا، جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان کو اور کفار کو دوست مت بناؤ۔ (مائدہ ع ۹)

اس آیت میں ہر قسم کے کفار سے دوستی کو صراحت سے منع کر دیا گیا ہے۔

(۵) پانچواں اصول یہ ہے کہ کفار کے ساتھ احسان اور حسن سلوک جائز بلکہ مستحب ہے۔ قرآن حکیم کی ہدایت ہے کہ:

﴿وَاَحْسِنْ إِلٰى مَنْ أَسَاءَ إِلَيْكَ﴾

اور تو احسان کر اس کے ساتھ بھی جس نے تیرے ساتھ برائی کی۔

اور سورۂ توبہ میں ارشاد ہے

﴿وإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ﴾.

اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیدے۔ (رکوع ۱)

اور ظاہر ہے کہ کفار کے ساتھ سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کو حسن تدبیر سے اسلام کی دعوت دی جائے اور ان کے مشرف باسلام ہونے کی دعاء کیجائے۔ دنیاوی امور میں بھی ان پر احسان کیا جا سکتا ہے اس کی مثالیں بھی رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں بکثرت ملتی ہیں۔

(۶) چھٹا اصول یہ ہے کہ عام حالات میں کفار کی تعظیم مثلاً ان کے لئے کھڑا ہونا وغیرہ جائز نہیں، ان کی قبر پر تعظیماً کھڑے ہونے کا بھی یہی حکم ہے، سورۂ توبہ میں رسول اللہ ﷺ کو ہدایت کی گئی کہ:

﴿وَلاَ تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ إِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾.

یعنی آپ ان میں سے کسی کی قبر پر کھڑے نہ ہوں انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے۔ (رکوع نمبر ۱۱)

کفار کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا بھی تعظیم میں داخل ہے اور احادیث میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے۔

البتہ اگر کافر کے ساتھ تعظیم کا معاملہ کسی دینی مصلحت سے کیا جائے یا یہ خوف ہو کہ اگر تعظیم کا سا سلوک نہ کیا گیا تو وہ نقصان پہنچائیگا تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس کے کفر کو دل سے برا ہی سمجھتا رہے۔ (ردالمحتار ص ۹۷ ج ۳)

(۷) ساتواں اصول یہ ہے کہ جو کافر حالت کفر میں مر گئے ان کے لئے دعائے مغفرت جائز نہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اس سے باز رہنے کی ہدایت کی گئی ہے، ارشاد ہے کہ:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيْمِ﴾.

لائق نہیں نبی کو اور مسلمانوں کو کہ وہ مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کریں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں، جب کہ ان پر یہ بات کھل چکی کہ وہ جہنم والے ہیں۔ (سورۂ توبہ ع نمبر ۱۲)

(۸) آٹھواں اصول یہ ہے کہ ان کی ہدایت اور اصلاح کی دعاء جائز ہے۔ نیز ایسے دنیاوی منافع کی دعاء بھی جائز ہے جن سے مسلمانوں کا نقصان پہنچنا لازم نہ آتا ہو۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ احد کے موقع پر مشرکین مکہ کیلئے دعا فرمائی کہ:

"ربِّ اهد قومی فانهم لا یعلمون".

اے میرے پروردگار میری قوم (مشرکین مکہ) کو ہدایت دے وہ (حق کو) نہیں جانتے۔

اور اسی طرح کئی واقعات عہد رسالت میں موجود ہیں۔

فتاویٰ شامیہ میں ہے کہ "اگر کسی کافر پڑوسی کا کوئی رشتہ دار مر جائے تو اس کی تعزیت کرنی چاہیئے اور یہ دعا دینی چاہیئے کہ "اللہ تجھے نعم البدل دے اور تیری اصلاح کرے" (ردالمحتار ص ۳۴۱ ج ۵)

خلاصہ

مذکورہ بالا آٹھ اصولوں کا خلاصہ صرف چار میں اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ:

(۱) کفار کے ساتھ جہاد جائز اور بعض حالات میں فرض ہے، مگر ان پر ظلم کرنا کسی حال جائز نہیں۔

(۲) کفار کے ساتھ مصالحت جائز ہے مگر دوستی جائز نہیں۔

(۳) ان کے ساتھ احسان کرنا جائز ہے مگر تعظیم جائز نہیں۔

(۴) ان کے لئے ہدایت و اصلاح کی دعا جائز ہے مگر جو کفر کی حالت میں مر گیا ہو اس کے لئے دعائے مغفرت جائز نہیں۔

کفار کے ساتھ سلام و دعاء

دعاء کا حکم تو اصول نمبر ۷ و نمبر ۸ سے معلوم ہو گیا، اور سلام کرنے کا حکم یہ ہے کہ کفار کو از خود سلام کرنا تو بغیر ضرورت کے جائز نہیں کیونکہ ایسا کرنے میں ان کی تعظیم ہے، نیز سلام درحقیقت سلامتی کی دعاء ہے جس میں دعائے مغفرت

بھی آجاتی ہے۔ اور کفار کے حق میں تعظیم اور دعائے مغفرت دونوں ناجائز ہیں جیسا کہ پیچھے اصول نمبر ۵ و نمبر ۷ میں گذر چکا، لہٰذا از خود سلام کرنے سے گریز کرنا چاہیئے۔

البتہ اگر وہ خود کسی مسلمان کو سلام کویں تو جواب میں صرف "وعلیکم" کہا جا سکتا ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ

"کفار کو ابتداء سلام نہ کرو، البتہ وہ سلام کریں تو جواب میں صرف "وعلیکم" کہدو"۔ (مشکوٰۃ شریف ص۳۹۸)

لیکن اگر کسی ضرورت یا دینی مصلحت کا تقاضا ہو تو ان کو ابتداءً بھی سلام کیا جاسکتا ہے۔ تاہم اس صورت میں بھی بہتر یہ ہے کہ "السلام علیکم" کی بجائے "سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی" کہا جائے (یعنی سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی)۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے قیصر روم کو جو تبلیغی خط بھیجا تھا اس میں سلام کی ابتداء آپ نے انہی الفاظ کے ساتھ کی تھی۔ (مشکوٰۃ ص۳۴۰)

مجبوری کی صورت میں "السلام علیکم" بھی کہہ سکتے ہیں اور مصافحہ کا بھی یہی حکم ہے۔ (در مختار ص۹۷۳ ج۳)

واللہ اعلم بالصواب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ
"کرم اللہ وجہہ" لکھنے کی وجہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ "کرم اللہ وجہہ" کی وجہ

(منقول از ماہنامہ البلاغ شمارہ رمضان ۱۳۸۸ھ)

حضرت علی کے اسم گرامی کے ساتھ "کرم اللہ وجہہ" کہا جاتا ہے آپ اس دعاء کے ساتھ کیوں مخصوص ہیں۔ یہ جملہ سب سے پہلے کس نے کہا اور کیوں کہا؟

محمد مجتبیٰ از مانسہرہ، ہزارہ

ہمیں تاریخ و سیر کی کتابوں میں اس کا جواب نہیں مل سکا، البتہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کا جواب جو امداد الفتاویٰ میں دیا ہے ہم وہ بعینہ نقل کئے دیتے ہیں۔

بعض علماء سے سنا ہے کہ خوارج نے آپ کے نام مبارک کے بعد سوَّد اللہ وجھہ بڑھایا تھا، اس کے جواب کے لئے " کَرَّمَ اللہ و جھہ" عادت ٹھہرائی گئی، اور ایک بزرگ سے یہ سنا تھا کہ چونکہ آپ عہد طفلی میں اسلام لے آئے آپ کا وجہ (چہرہ) مبارک بت کے سامنے نہیں جھکا اس لئے یہ کہا جاتا ہے۔

(ص ۳۲۸ ج ۴)

لیسٹر (برطانیہ) میں
وقت عشاء کا مسئلہ

لیسٹر برطانیہ میں وقت عشاء کا مسئلہ

محترم مکرم حضرت مفتی محمد رفیع صاحب دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت کی خدمت میں ایک استفتاء اوقاتِ فجر کے سلسلہ میں فیکس کیا گیا تھا لیسٹر کی مساجد کے اوقات عشاء پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس میں بھی عشاء کے مابین اختلافات ہیں، امید ہے کہ مندرجہ ذیل سوالون کے جواب مرحمت فرمائیں گے تاکہ ہمارا ٹائم ٹیبل بھی صحیح ہو جائے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیراً

(۱) کیا عشاء کے وقت کی ابتداء کیلئے (یعنی غیبوبت شفق ابیض کیلئے) یہی اصول ہے کہ شفق ابیض اس وقت غائب ہو جاتی ہے جب سورج ۱۸/درجے افق سے نیچے ہو جاتا ہے۔

(۲) اگر اصول یہی نہ ہے تو کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ جتنا وقت صبح صادق اور طلوع شمس کے درمیان ہوگا بالکل اتنا ہی وقت غروب شمس اور غیبوبت شفق ابیض کے درمیان ہوگا؟

(۳) موسم گرما میں جبکہ ہمارے یہاں مغرب کی نماز ۹۰۳۰ (ساڑھے نو بجے) ہوتی ہے عشاء کا وقت اس اصول پر تقریباً ۱۱۰۳۰ (ساڑھے گیارہ بجے) ہوگا اور فجر تقریباً ۱۵-۴ (سوا چار بجے) پڑھنی ہوگی کہ ۴۰۴۵ (پونے پانچ بجے) سورج طلوع ہو جاتا ہے۔ ان ایام میں دفع حرج کیلئے غروب کے ایک گھنٹہ بعد نماز عشاء پڑھنے کا یہاں معمول ہے اس کی گنجائش ہوگی کہ نہیں؟

(۴) اگر موسم سرما میں سورج کے زیر افق ۱۸ درجے پہنچنے سے پہلے عشاء کی نماز پڑھ لی جائے جبکہ مجبوری ہوتی ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ (موسم سرما میں نماز مغرب چار بجے ہوگی اور عشا کی نماز کا وقت ۱۸ درجے کے حساب سے تقریباً چھ بجے)۔

(۵) عشاء کی نماز کی صورت یعنی موسم سرما میں جبکہ مجبوری نہیں اگر کوئی صاحبین کے قول سے استدلال کرکے غروب کے سوا گھنٹہ (ایک گھنٹہ پندرہ منٹ) بعد شفق احمر کے غائب ہونے پر عشاء کی نماز پڑھ لے تو کیا حکم ہے؟ مساجد میں باقاعدہ اس وقت پر نماز باجماعت ہو تو کیا حیثیت ہے؟

(٦) اگر گنجائش نہیں تو اب تک جن حضرات نے اس کو حق سمجھتے ہوئے اس پر عمل کیا ہے ان کے ذمہ ان نمازوں کی قضاء ہوگی یا وہ معذور سمجھے جائیں گے۔

جزاکم اللہ تعالیٰ خیراً

۱۸ شعبان ۱۴۲۰ھ

الجواب حامداً ومصلیاً

(۱) اس مسئلہ میں ماہرین فلکیات کے درمیان اختلاف ہے، بعض کے نزدیک شفق ابیض کے غروب کے وقت آفتاب ۱۸ درجے زیر افق ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک سترہ درجے پر، لیکن تقسیم ہند اور قیام پاکستان سے پہلے متحدہ ہندوستان میں جو نقشے، اوقاتِ صلوٰۃ اور سحر و افطار کے رائج تھے بالاتفاق انہی پر پورے برصغیر میں عمل کیا جارہا تھا۔ اور پاکستان بننے کے بعد بھی ابتک انہی پر تمام اکابر علماء کا عمل اور فتویٰ جاری ہے۔ اگرچہ بعض متبحر اہل علم نے ان نقشوں سے اختلاف کیا، لیکن ہمارے بزرگوں مثلاً مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت علامہ یوسف بنوری صاحب رحمہما اللہ اور انکے ہم عصر تمام

اکابر علماء اس پر عمل بھی کرتے رہیں اور اسی کے مطابق فتوی بھی دیتے رہیں۔ دارالعلوم کراچی میں بھی ہمارا عمل اور فتوی اسی پر ہے، اور جب ان نقشوں کو فلکیات اور ریاضی کے اصولوں پر جانچا گیا تو یہ صورت سامنے آئی کہ ان نقشوں میں جو وقت شفق ابیض کے غروب ہونے کا اور صبح صادق کے طلوع ہونے کا دیا گیا ہے اس وقت آفتاب اٹھارہ درجے زیرِ افق ہوتا ہے، جسکا حاصل یہ ہوا کہ برصغیر کے تمام علماء محققین اٹھارہ درجے زیرِ افق کے حساب سے بنائے گئے نقشوں کے مطابق عمل کرتے رہے ہیں۔

لہٰذا حسابی اعتبار سے اسکو اصول کے درجے میں تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ اصول ظنی ہے قطعی نہیں، کیونکہ علماء فلکیین کا اسمیں اختلاف موجود ہے (ملاحظہ ہو، عبارات نمبر ۱۔۲۔۳)

(۲) فن ہیئت کے ماہرین کے اقوال سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جتنا وقفہ صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان ہوتا ہے اتنا ہی وقفہ غروب آفتاب اور غروب شفق ابیض کے مابین ہوتا ہے (ملاحظہ ہو عبارت نمبر ۴، ۵)

لیکن اس اصول کا علم بھی قطعی نہیں ہے، ظنی ہے کیونکہ ماہرین فلکیات کے اس میں بھی کئی اقوال ہیں۔ (ملاحظہ ہو عبارت نمبر ۳)

(۳) موسم گرما کے وہ ایام جن میں شفق ابیض بہت تاخیر سے غائب ہوتی ہے اور آفتاب کے اٹھارہ درجے زیرِ افق پہنچنے تک اسکے انتظار کرنے سے واقعۃً حرج لازم ہوتا ہے تو ان ایام میں حضرات صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہؒ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے کیونکہ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عشاء کا وقت غروب شفق احمر سے شروع ہو جاتا ہے اور اہل ریاضی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ شفق احمر کا غروب اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب پندرہ درجہ زیرِ افق پہنچ جائے، کیونکہ

بعض ریاضیین نے صراحت کی ہے کہ شفق ابیض اور شفق احمر کے درمیان تین درجے کا فرق ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو عبارت نمبر ۶۲۱)

(۴)۔ موسم سرما میں جب کوئی مجبوری نہیں ہوتی اور شفق ابیض کے غروب تک انتظار کرنے میں کوئی حرج لازم نہیں آتا تو غروب شفق ابیض ہی پر نماز عشاء ادا کرنی چاہئے، اور اسی کے مطابق نماز باجماعت ادا ہونی چاہئے۔ (ملاحظہ ہو عبارت نمبر ۲)

البتہ صاحبین اور ائمہ ثلاثہؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے غروب شفق احمر پر جو لوگ نماز عشاء پڑھ لیں ان سے بھی نزاع نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ مسئلہ مجتہد فیہا ہے۔

(۵)۔ اگر سوا گھنٹہ کے بعد شفق احمر غروب ہو جاتی ہے تو حضرات صاحبینؒ کے قول کے مطابق نماز عشاء پڑھنے کی گنجائش ہو جائیگی، جیسا کہ اوپر تفصیل سے آچکا ہے۔

یہاں تک تو سوالات کا اصولی جواب تھا، لیکن سوال نمبر ۳ میں کہا گیا ہے کہ یہاں (لیسٹر، برطانیہ میں) موسم گرما میں دفع حرج کیلئے غروب کے ایک گھنٹہ بعد نماز عشاء پڑھنے کا معمول ہے۔ اور سوال نمبر ۵ میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی صاحبینؒ کے قول سے استدلال کرتے ہوئے غروب کے سوا گھنٹہ بعد نماز عشاء پڑھ لے تو کیا حکم ہے؟

ہم نے یہاں لیسٹر (برطانیہ) کے اوقات نماز کا نقشہ بعض ماہرین سے کمپیوٹر پر نکلوایا (جس کی فوٹو کاپی منسلک ہے) اس سے یہ صورتحال سامنے آئی کہ لیسٹر میں جہاں کا عرض البلد ۵۲،۳۸ (شمالی) ہے یکم جنوری سے ۳۱ دسمبر تک یعنی پورے سال میں غروب آفتاب سے غروب شفق ابیض تک (بحساب ۱۸ درجہ زیر

افق) وقت کا فرق کم سے کم ایک گھنٹہ ۵۳ منٹ کا ہے اور وہ بھی صرف چار دنوں میں یعنی ۲۵، ۲۶، ۲۷، فروری اور ۱۹ اکتوبر کو، باقی دنوں میں غروب آفتاب اور غروب شفق ابیض کے درمیان فرق اس سے زیادہ ہی ہوتا ہے حتی کہ ایک دن یعنی ۱۶ مئی کو یہ فرق تین گھنٹے اکتالیس منٹ کا ہو جاتا ہے۔ اور ۱۷ مئی سے ۲۶ جولائی تک کل دو مہینے گیارہ دن تک شفق ابیض غروب ہی نہیں ہوتی۔ یعنی آفتاب ۱۸ درجہ زیر افق جانے سے پہلے ہی اگلی صبح کیلئے طلوع ہو جاتا ہے۔

اور غروب آفتاب سے غروب شفق احمر تک (بحساب ۱۵ درجے زیر افق) پورے سال میں وقت کا فرق کم از کم ایک گھنٹہ بتیس منٹ کا ہے اور وہ بھی صرف بائیس دنوں میں یعنی ۲۶، ۲۷ فروری اور ۲۶، ۲۸، اور ۳۰، ستمبر، نیز یکم اکتوبر سے لیکر ۱۴ اکتوبر تک اور ۱۷ سے ۱۹ اکتوبر تک ہے۔ اور باقی دنوں میں یہ فرق اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے حتی کہ ایک دن یعنی ۸ جولائی کو یہ فرق تین گھنٹے چالیس منٹ کا ہو جاتا ہے اور ۳، جون سے ۷ جولائی تک یعنی کل پینتیس دن میں شفق احمر غروب ہی نہیں ہوتی، یعنی آفتاب ۱۵ درجہ زیر افق جانے سے پہلے ہی اگلی صبح کیلئے طلوع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا پورے ملک برطانیہ میں پورے سال کیلئے غروب آفتاب کے بعد عشاء کی نماز کیلئے ایک گھنٹہ سوا گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ بعد کا وقت مقرر کر لینا کسی طرح درست نہیں۔

رہا حرج کا سوال تو سردیوں میں تو کوئی حرج لازم ہی نہیں آتا کہ اسکے دفعیہ کی ضرورت ہو اور موسم گرما کے جن ایام میں شفق احمر غروب ہوتی ہے انمیں صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہؒ کے قول پر عمل کی تو گنجائش ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، لیکن ان ایام میں غیبوبت شفق احمر سے بھی پہلے نماز عشاء کا معمول بنا لینا جیسا کہ سوال نمبر ۳ و نمبر ۵ میں مذکور ہے، فقہ حنفی (قول صاحبین سمیت) کے تو بالکلیہ

خلاف ہے ہی، ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے بھی خلاف ہے بلکہ بقول علامہ نووی وعلامہ ابن قدامہ کے اجماع امت کے خلاف ہے (ملاحظہ ہو عبارت نمبر۱۰)

اور حضرات شوافع کا وقت مغرب کے متعلق اگرچہ ایک رجوح قول یہ بھی ہے کہ مغرب کا وقت صرف پانچ رکعتیں پڑھنے کے بقدر باقی رہتا ہے۔ لیکن شافعیہ نے اسکے ساتھ یہ بھی صراحت کی ہے کہ عشاء کا وقت انکے قول کے مطابق بھی داخل نہیں ہوتا، یعنی مغرب کے وقت ختم ہونے کے باوجود مغیب شفق سے پہلے عشاء کا وقت انکے قول کے مطابق بھی داخل نہیں ہوتا۔ (ملاحظہ ہو عبارت نمبر۱۱)

یہی حال مالکیہ کے اس قول کا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مغرب کا وقت صرف تین رکعت کے بقدر ہے، کیونکہ انہوں نے بھی اسکی صراحت کردی ہے کہ وقت مغرب ختم ہونے کے باوجود بھی غیبوبت شفق سے پہلے عشاء کا وقت داخل نہیں ہوتا۔ (ملاحظہ ہو عبارت نمبر۱۲،۱۳)

لہٰذا غروب شفق احمر سے پہلے نماز عشاء کا جواز ہمیں تاحال کسی بھی صریح دلیل منقول سے دستیاب نہیں ہوسکا، بعض آثار واقوال اس سلسلہ میں ضرور ملتے ہیں، لیکن وہ صریح نہیں، مثلاً مندرجہ ذیل آثار واقوال ملاحظہ ہوں۔

(۱)۔ مصنف عبدالرزاق جلد نمبر۱ ص ۵۶۵ حدیث نمبر۲۱۵۰ (باب النوم قبلها والسهر بعدها) میں ہے:۔

وروى عن الزهرى أنه بلغنى ان اباهريرة رضى الله عنه قال من خشى ان ينام قبل صلوٰة العشاء فلا بأس أن يصلى قبل أن يغيب الشفق.

یہ اسلئے صریح نہیں کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد "قبل أن يغيب الشفق" میں "الشفق" سے مراد "الشفق الابيض" ہو اور

مطلب یہ ہو کہ جسے یہ خوف ہو کہ وہ عشا سے پہلے سو جائے گا وہ شفق ابیض سے پہلے عشاء کی نماز پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر یہ معنی ہیں تو اس سے ”قبل مغیب الشفق الاحمر“ پر استدلال درست نہ ہوگا۔

(۲)۔ مصنف عبدالرزاق جلد نمبر اص ۵۶۰ روایت نمبر ۲۱۲۶ (باب وقت العشاء الآخرۃ) میں ہے:-

عن ابن جریج عن عطاء قال لقد رأیت معاویة رضی یصلی المغرب ثم ما اطوف الاسبعا أو سبعین حتی یخرج فیصل العشاء ولم یغب الشفق، قال: فکان عطاء یقول: صل العشاء قبل أن یغیب الشفق، قال عطاء: وانی لاطوف احیانا سبعا بعد المغرب ثم اصلی العشاء.

یہاں بھی لفظ ”الشفق“ میں وہی احتمال ہے جو اوپر بیان ہوا۔ اور ”عطاء“ کا قول ”وانی لأطوف احیانا سبعا بعد المغرب ثم اصلی العشاء“ بھی قبل مغیب الشفق الاحمر کے معنی میں صریح نہیں۔

(۳)۔ مصنف عبدالرزاق جلد نمبر اص ۵۵۹ روایت نمبر ۲۱۲۳ (باب وقت العشاء الآخرۃ) میں ہے:-

عن ابن جریج قال حدثنا ابراهیم بن میسرة قال رأیت طاووساً یصلی المغرب ویطوف سبعا، ثم یرکع رکعتین ثم یصلی العشاء الآخرة ثم ینقلب، قال وکان بمعنیٰ اذا صلی المغرب رکع رکعتین ثم صلی العشاء الآخرة ثم انقلب، قال ولا اعلم ذالک الاقبل غروب الشفق

یہاں بھی لفظ ”الشفق“ میں وہی احتمال ہے جو اوپر بیان ہوا۔

(۴)- وفی مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۳۵ (باب من کرہ النوم بین المغرب والعشاء)

حدثنا وكيع قال حدثنا اسماعيل بن عبد الملک عن عبد الكريم ابی امية عن مجاهد قال لان اصلی العشاء قبل أن يغيب الشفق احب الى من ان انام عنها ثم اصليها بعد ما يغيب الشفق فی جماعة.

یہاں بھی لفظ ''الشفق'' میں وہی احتمال ہے جو اوپر بیان ہوا۔

(۵) - وفی ''ناظورة الحق فرضية العشاء وان لم يغب الشفق'' (تاليف العلامة هارون بن بهاء الدين المرجانی)

وحكی مثل ذالک عن ظهير الدين المرغينانی فانه لما قدم من فرغانة رأی كسالی بخاری يصلون العشاء قبل أن يغيب الشفق فاراد منعهم عن ذالک ثم لقی شمس الدين السرخسی وشاوره فيما قصده فقال لا تفعل ، فانک ان منعتهم عن ذالک تركوها بالكلية، واما الان فانهم يؤدونها فی وقت يجيزه بعض الائمة. ص ۷۳

اس عبارت کا واضح مطلب یہ ہے کہ شمس الدین سرخسی نے اہل بخاری کو جس شفق کی غیوبت سے پہلے نماز عشاء پڑھنے سے نہیں روکا، وہ شفق ابیض ہی ہے، یعنی انہوں نے بھی شفق احمر کی غیبت سے پہلے نماز عشاء پڑھنے کی اجازت نہیں دی، جسکا واضح قرینہ انہی کا یہ ارشاد اسی عبارت میں ہے کہ ''واما الآن فانهم يودونها فی وقت يجيزه بعض الائمة'' اور یہ بات صرف اسی وقت پر صادق آتی ہے جو شفق احمر اور شفق ابیض کی غیوبت کے درمیان ہے، کیونکہ ائمہ

نے نماز عشاء پڑھنے کی اجازت مغیب شفق احمر سے پہلے نہیں دی جیسا کہ عبارت نمبر ۱۱، ۱۲، و ۱۳، سے واضح ہے۔

تو ظاہر ہے کہ اجماع امت اور احادیث صریح مرفوعہ کے مقابلے میں ان آثار واقوال اور عبارات سے استدلال درست معلوم نہیں ہوتا، جس کا ایک واضح قرینہ یہ بھی ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی نے ان اثار واقوال سے استدلال نہیں فرمایا۔

مگر چونکہ سوال میں بتایا گیا ہے کہ برطانیہ میں گھنٹہ یا سوا گھنٹہ بعد الغروب کا وقت عشاء کے واسطے دفع حرج کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔ تو اگر واقعی موسم گرما میں شفق احمر کی غیوبت تک عشاء کو موخر کرنے سے شدید حرج لازم آتا ہے تو مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر ہونا یہ چاہئے کہ موسم گرما کیلئے اس مسئلہ میں کسی انفرادی فتوی یا محدود مشورہ پر انحصار کرنے کی بجائے قدرے وسیع پیمانے پر ایسے اہل فتویٰ علماء محققین سے مشورہ کیا جائے جو اس مسئلہ پر کھلے ذہن سے غور وفکر فرماسکیں، ہم نے اسی لئے یہاں وہ اثار واقوال بھی نقل کردئے ہیں جن پر غور کیا جاسکتا ہے۔

البتہ ان دنوں میں مریض اور مسافر کے حق میں، یہ گنجائش ہے کہ دفع حرج کیلئے وہ جمع بین الصلاتین کرلیں، یعنی یا تو فقہ حنفی کے مطابق جمع صوری کرلیں، یا اگر اسمیں بھی مشقت ہو تو دوسرے ائمہ کے قول پر انکی شرائط کی رعایت کرتے ہوئے جمع تاخیر کرلیں، یعنی غیوبت شفق کے بعد ہی مغرب پڑھیں اور اسکے بعد عشاء، اور اگر اسمیں بھی مشقت ہو تو مجبوراً انکی بیان کردہ شرائط کے مطابق جمع تقدیم کرلیں۔

رہے وہ ایام جن میں شفق احمر بھی غروب نہیں ہوتی یعنی لیسٹر میں ۳ جون سے ۷ جولائی تک (۳۵ دنوں میں) تو ان ایام میں وہاں کے لوگ ناقدین وقت

عشاء میں شمار ہونگے، یعنی جن علاقوں میں وقت عشاء آتا ہی نہیں وہاں کے لوگوں کے لئے جو طریقہ فقہاء کرام نے بیان فرمایا ہے اس پر عمل ہوگا۔

(٦) اس سوالات کا جواب پچھلے سوال کے حتمی جواب پر موقوف ہے۔

جن فقہی عبارات کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے وہ اگلے صفحات پر ملاحظہ ہوں۔

(١)- فی شرح چغمنی ص ١٢٧ :- وقد عرف بالتجربة أن اول الصبح واخر الشفق انما يكون اذا كان انحطاط الشمس ثمانية عشر جزءًا.

(٢) - وفی قانون المسعودی لأبی ريحان البيرونی: ٩٤٩/٢ : ان انحطاط الشمس تحت الافق منی كان ثمانية عشر جزءًا كان ذالک وقت طلوع الفجر في المشرق ووقت مغيب الشفق فی المغرب.

(٣) وعمل المتقدمين من اهل هذه الصناعة على تباين بلادهم فی المشرق والمغرب على أنّ ارتفاع النظير مشرقا عند مغيب الشفق ثمانية عشر ومثل هذا ارتفاعه مغربا عند طلوع الفجر عملا منهم على ان الشفق هو البياض ولم يزل عملهم على ذلک إلى أن زعم ابوعلى المراكشي أنّه رصده وقت مغيب الحمرة فوجد ارتفاع النظير ستة عشر ورصد وقت طلوع الفجر فوجد ارتفاع النظير عشرين فتوسط بعض المتأخرين بين القولين وعملوا علىٰ أن الارتفاع للشفق سبعة عشر وللفجر تسعة عشر وعلىٰ ذلک اقتصر جمال الدين الماردينی فی رسالته واختار الشيخ عبد العزيز أن يعمل فی

الشفق بثمانية عشر وفى الفجر بعشرين احتياطاً ولئن احتاط فى الفجر للصوم لقد اخل بالاحتياط للصلوة - ايضاح القول الحق فى مقدار انحطاط الشمس وقت طلوع الفجر وغروب الشمس (ص ۱۸)

(۴) - وفى فيض البارى : ۲/ ۱۳۱ : واعلم أن الوقت فى اليوم الواحد من انبلاح الصبح الصادق إلى طلوع الشمس يكون كما بين غروبها وغروب الشفق الابيض فى ذلك واليوم كما حققه الرياضيون.

(۵) - وفى فيض البارى : ۱۲/۲ : وذلك لأن الحمرة والبياض الباديين فى الافق بعد غروب الشمس كلاهما نظير للبياض الحمرة الباديين قبل طلوع الشمس لكون كليهما من آثار اشعتهما فمدة مابين غروب الشمس إلى غيبوبة بياض الشفق هى المدة مابين ظهور بياض الفجر إلى طلوع الشمس سواءً بسواءٍ كما صرح به اصحاب الرياضى والهئية.

(٦) - وفى اعلاء السنن: ۱۱/۲ : وفى البحر الشفق هو البياض عند الامام (إنى أن قال) فثبت أن قول الإمام هو الأصح وبهذا ظهر أنه لا يفتى ويعمل إلا بقول الإمام الاعظم ولا يغد عنه إلى قولهما او قول احدهما أو غيرهما إلا لضرورة من ضعف دليل او تعامل بخلافه كالمزارعة وإن صرح المشائخ بان الفتوى على قولهما كما فى هذه المسئلة وفى السراج الوهاج فقولهما اوسع للناس وقول أبى حنيفة أحوط.

(۷) – وفی حاشیة اعلاء السنن : ۲/۱۰ : وتنقيح المذاهب فيه ما ذكره العينى قال الثورى وإبن أبى ليلى وطاوس ومكحول والحسن بن حى والاوزاعى ومالک الشافعى واحمد واسحاق وداؤد إذا غاب الشفق وهو الحمرة خرج وقتها وممن قال ذلک ابو یوسف ومحمد. وقال عمر بن عبد العزيز وعبد الله ابن المبارک والأوزاعى فى روايج ومالک فى رواية وزفر بن المهذيل وابو ثور والمبرد والفراء: لا يخرج حتى يغيب الشفق الأبيض...... واليه ذهب ابو حنيفة.

(۸) – وفى الدر المختار: ۱/۳٦۱: وقت المغرب منه إلى الغروب غروب الشفق وهو الحمرة عندهما وبه قالت الثلاثه وإليه رجع الامام كما فى شروح المجمع وغيرها فكان هو المذهب.

وفى رد المحتار: قوله "اليه رجع الامام" اى إلى قولهما الذى هو رواية عنه ايضا وصرح فى الجمع بأن عليها الفتوى، ورده المحقق فى الفتح بأنه لا يساعده رواية ولا دراية الخ وقال تلميذه العلامة قاسم فى تصحيح القدورى أن رجوعه لم يثبت لما نقله الكافه من لدن الائمة الثلاثة إلى اليوم من حكاية القولين ودعوى عمل عامة الصحابة بخلافه خلاف المنقول، قال فى الاختيار الشفق البياض وهو مذهب الصدق ومعاذ بن جبل وعائشة رضى الله عنهم، قلت رواه عبد الرزاق عن أبى هريرة وعن عمر بن عبد العزيز ولم يرو البيهقى الشفق الاحمر

إلا عن ابن عمر وتمامه فيه واذا تعارضت الاخبار والاثارفلا يخرج وقت المغرب بالشك كما فى الهداية وغيرها. قال العلامة قاسم فثبت ان قول الامام هو الاصح ومشى عليه فى البحر مؤيد اله بما قد مناه عنه من أنه لا يعدل عن قول الامام إلا بضرورة من ضعف دليل أو تعامل بخلافه كالمزارعة لكن تعامل الناس اليوم فى عامة البلاد على قولهما. وقد ايده فى النهر تبعا للنقاية والوقاية والدرر والاصلاح ودرر البحار والامداد والمواهب وشرحه البرهان وغيرهم مصرحين بأن عليه الفتوى وفى السراج قولهما اوسع وقوله احوط.

(۹) — وفى رد المحتار: ۳۵۹/۱: (فائدة) ذكر العلامة المرحوم الشيخ خليل الكاملى فى حاشيته على رسالة الاسطولاب لشيخ مشائخنا العلامة المحقق على آفندى الداغستانى أن التفاوت بين الفجرين وكذا بين الشفقين الاحمر والابيض انما هو بثلاث درج اهـ

(۱۰) — وفى المجموع شرح المهذب للامام النووى: (المسألة الثالثة) فى الاحكام اجمعت الامة على أن وقت العشاء مغيب الشفق واختلفوا فى الشفق هل هو الحمره ام البياض (باب المواقيت ۳۸/۳) كذا فى زاد المحتاج (۱۲۵/۱) ونهاية المحتاج (۳۴۸/۱) ومغنى المحتاج (۱۲۲/۱)

(۱۱) — وفى روضة الطالبين وعمدة المفتين للامام

النووی: واما المغرب فیدخل وقتها بغروب الشمس بلخلاف والاعتبار بسقوط قرصها وهو ظاهر فی الصحاری واما العمران وخلل الجبال فالاعتبار بان لایری شیء من شعاعها علی الجدران ویقبل الظلام من المشرق وفی آخر وقتها قولان.

القدیم : انه یمتد إلی مغیب الشفق

الجدید: أنه اذا مضی قدر وضوء وسمتر عورة واذان واقامة وخمس رکعات انقضی الوقت وما لا بدمنه من شرائط الصلوة...... وعندهم المسالة مما یفتی فیه علی القدیم قلت: الاحادیث الصحیحة مصرحة بما قاله فی القدیم وأما العشاء فیدخل وقتها یمغیب الشفق وهو الحمرة اهـ (الباب الاول فی المواقیت ص ۱۸۱ ج ۱)

(۱۲) – وفی حاشیة الدسوقی علی الشرح الکبیر للعلامة شمس الدین: والوقت المختار للمغرب غروب الشمس وهو یقدر بفعلها ثلاث رکعات بعد تحصیل شروطها...... والمختار للعشاء من غروب حمرة الشفق للثلث الاول من اللیل اهـ (۱:۱۷۷۔ ۱۷۸)

وفی الشرح الکبیر لابی البرکات احمد الدردیر: (قوله المختار) ای وکل ایقاع الصلوة فیه لاختیار المکلف من حیث عدم الاثم فان شاء اوقعها فی اوله او فی

وسطه او فی آخره (قوله: ویقابله الضروری) ای وهو الذی لا یجوز تاخیر الصلوۃ الیه إلا لأرباب الضرورة. (۱/۱٤٦)

(۱۳) – وفی المغنی لابن قدامه: أما دخول وقت المغرب بغروب الشمس فاجماع اهل اعلم لانعلم بینهم خلافانیه والاحادیث دالة علیه وآخرة مغیب الشفق وبهذا قال الثوری واسحاق وابو ثور واصحاب الرای وبعض اصحاب الشافعی وقال مالک والاوزاعی والشافعی: لیس لها إلا وقت واحد عند مغیب الشمس لان جبرائیل علیه السلام صلاها بالنبی صلی الله علیه وسلم فی الیومین بوقت واحد فی بیان مواقیت الصلوٰۃ...... ولنا حدیث بریدة: أن النبی ﷺ المغرب فی الیوم الثانی حین غاب الشفق وفی لفظ رواہ الترمذی: فاخر المغرب إلی أن یغیب الشفق وروی ابو موسیٰ أن النبی ﷺ اخر المغرب فی الیوم الثانی حتی کان عند سقوط الشفق رواہ مسلم وابوداؤد.

وفی حدیث عبد الله بن عمرو أن النبی ﷺ قال: وقت المغرب مالم یغب الشفق رواہ مسلم...... وهذه نصوص صحیحة لا یجوز مخالفتها بشیء محتمل...... واحادیثهم محمولة علی الاستحباب والاختیار وکراهة

التاخیر.

لا خلاف فی دخول وقت العشاء بغیبوبة الشفق وانما اختلفوا فی الشفق ماهو؟ اهـ (۱/۱۳۸)

کذا فی الکافی (۱/۹٦) وفی الانصاف (۱/۴۳۴) والمبدع (۱/۳۴۳).

واللہ اعلم بالصواب

املاہ العبد الضعیف

محمد رفیع عثمانی عفی عنہ

دارالافتاء دارالعلوم کراچی

۵/۱/۱۴۲۱ھ

للہ در المجیب حیث اصاب

فیما اجاب واجاد فیما أفاد،

حفظہ اللہ تعالیٰ فی عافیة سابغة

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۷-۱-۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح

محمد عبد المنان عفی عنہ

۱۷-۱-۱۴۲۱ھ

المجیب نجیح

بندہ محمد عبد اللہ عفی عنہ

۱۷-۱-۱۴۲۱ھ

بندہ عبد الرؤف سکھروی

۱۷-۱-۱۴۲۱ھ

نقشہ اوقات متعلقہ لیسٹر (برطانیہ) مرتبہ: پروفیسر عبدالطیف صاحب کراچی - Prayers ... Time Table for compiled

by : Prof . ABDUL LATEEF LEICESTER UK JANUARY 5-C 91/4 Nazimabad Karachi

Date	Fajr 15 degrees		S/ rise		Zawa		Misl/1		Misl/2		S/set		Isha ' 18 degrees		مابین مغرب وعشا	After s/set time at 15 degrees		فرق مابین شفق ابیض واحمر
	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt		hr	mt	
1	6	8	8	16	12	8	1	44	2	13	4	1	6	7	2-6	5	46	1-45 not .21 منٹ
2	6	8	8	15	12	8	1	45	2	14	4	2	6	8	// //	5	47	1.45 dst day light saving
3	6	8	8	15	12	9	1	46	2	15	4	3	6	9	// //	5	48	// // time have
4	6	8	8	15	12	9	1	47	2	16	4	4	6	10	// //	5	49	// // already been
5	6	8	8	15	12	10	1	48	2	18	4	5	6	11	// //	5	50	// // added
6	6	8	8	14	12	10	1	49	2	19	4	7	6	12	2.5	5	51	1-44 21 منٹ
7	6	8	8	14	12	11	1	50	2	20	4	8	6	13	// //	5	53	note # 2:
8	6	7	8	13	12	11	1	51	2	21	4	9	6	15	// //	5	54	during
9	6	7	8	13	12	11	1	53	2	23	4	11	6	16	// //	5	55	3rd june to 7th july
10	6	7	8	12	12	12	1	54	2	24	4	12	6	17	// //	5	56	twilight at
11	6	6	8	12	12	12	1	55	2	26	4	14	6	18	// //	5	57	15 degrees also
12	6	6	8	11	12	13	1	56	2	27	4	15	6	19	// //	5	58	does not end
13	6	5	8	10	12	13	1	58	2	28	4	17	6	21	// //	6	0	....
14	6	5	8	9	12	13	1	59	2	30	4	18	6	22	// //	6	1	1-43
15	6	4	8	8	12	14	2	0	2	31	4	20	6	23	2.3	6	2	1-42 20 منٹ
16	6	4	8	7	12	14	2	2	2	33	4	21	6	25	// //	6	4	1.43
17	6	3	8	7	12	14	2	3	2	35	4	23	6	26	// //	6	5	1.42
18	6	2	8	6	12	15	2	4	2	36	4	25	6	27	// //	6	6	1.41
19	6	2	8	4	12	15	2	6	2	38	4	26	6	29	// //	6	8	
20	6	1	8	3	12	15	2	7	2	39	4	28	6	30	// //	6	9	
21	6	0	8	2	12	16	2	9	2	41	4	30	6	31	// //	6	11	1.41
22	6	59	8	1	12	16	2	10	2	43	4	32	6	33	// //	6	12	1.40
23	5	58	8	0	12	16	2	11	2	45	4	34	6	34	// //	6	14	1.40
24	5	57	7	58	12	16	2	13	2	46	4	35	6	36	// //	6	15	1.40
25	5	56	7	57	12	17	2	14	2	48	4	37	6	37	2.00	6	17	1.40
26	5	55	7	56	12	17	2	16	2	50	4	39	6	39	// //	6	18	1.39
27	5	54	7	54	12	17	2	17	2	51	4	41	6	40	// //	6	20	1.39
28	5	53	7	53	12	17	2	19	2	53	4	43	6	42	// //	6	21	1.38
29	5	52	7	51	12	17	2	20	2	55	4	45	6	44	// //	6	23	
30	5	50	7	50	12	18	2	22	2	57	4	46	6	45	1.59	6	24	1.38 21 منٹ
31	5	49	7	48	12	18	2	23	2	58	4	48	6	47	1.59	6	26	1.38 21 منٹ

LEICESTER UK FEBRUARY

Date	Fajr18 degrees		S/rise		Zawa		Misl/1		Misl/2		S/set		Isha 18 degrees		فرق مابین مغرب وعشا ۱۸ درجہ کے حساب سے	After s/set time at 15 degrees		فرق مابین الشفقین فرق مابین مغرب و عشاء ۱۵ درجہ کے اعتبار سے
	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt		hr	mt	
1	5	48	7	47	12	18	2	25	3	0	4	50	6	48	1-58	6	28	1-38 20 منٹ
2	5	47	7	45	12	18	2	26	3	2	4	52	6	50		6	29	1-37
3	5	45	7	43	12	18	2	28	3	4	4	54	6	52		6	31	
4	5	44	7	42	12	18	2	29	3	6	4	56	6	53		6	33	
5	5	42	7	40	12	18	2	31	3	7	4	58	6	55		6	34	
6	5	41	7	38	12	18	2	32	3	9	5	0	6	56		6	36	
7	5	39	7	36	12	19	2	34	3	11	5	2	6	58		6	38	1-36
8	5	38	7	35	12	19	2	35	3	13	5	4	7	0	1-56	6	39	1-35 20 منٹ
9	5	36	7	33	12	19	2	37	3	15	5	5	7	1		6	41	
10	5	34	7	31	12	19	2	38	3	16	5	7	7	3		6	43	
11	5	33	7	29	12	19	2	40	3	18	5	9	7	5		6	44	
12	5	31	7	27	12	19	2	41	3	20	5	11	7	7		6	46	
13	5	29	7	25	12	19	2	43	3	22	5	13	7	8		6	48	
14	5	28	7	23	12	19	2	44	3	23	5	15	7	10		6	49	
15	5	26	7	21	12	19	2	46	3	25	5	17	7	12	1-55	6	51	1-44 21 منٹ
16	5	24	7	19	12	18	2	47	3	27	5	19	7	13	1.54	6	53	1-34
17	5	22	7	17	12	18	2	49	3	29	5	21	7	15	1-54	6	55	
18	5	20	7	15	12	18	2	50	3	31	5	23	7	17		6	56	
19	5	18	7	13	12	18	2	52	3	32	5	25	7	19	1-54	6	58	
20	5	16	7	11	12	18	2	53	3	34	5	26	7	20	1.54	7	0	
21	5	14	7	9	12	18	2	54	3	36	5	28	7	22		7	2	1-34
22	5	12	7	7	12	18	2	56	3	37	5	30	7	24	1.54	7	3	1.33
23	5	10	7	5	12	18	2	57	3	39	5	32	7	26		7	5	1-33
24	5	8	7	2	12	18	2	59	3	41	5	34	7	28	1.54	7	7	1.33
25	5	6	7	0	12	17	3	0	3	42	5	36	7	29	1.53	7	9	1-33 21 منٹ
126	5	4	6	58	12	17	3	1	3	44	5	37	7	31	1.53	7	10	1.32
27	5	2	6	56	12	17	3	3	3	46	5	39	7	33	1.53	7	12	1.32
28	5	0	6	54	12	17	3	4	3	47	5	41	7	35	1.54	7	14	1.33
29	4	57	6	51	12	17	3	5	3	49	5	43	7	37	1.54	7	16	1.33 21 منٹ

LEICESTER UK MARCH

Date	Fajr18 degrees		S/ rise		Zawa		Misl/1		Misl/2		S/set		Isha 18 degree		مابین مغرب وعشا۱۸درجہ کے حساب سے	after a/set time at 15 degrees		فرق مابین الشفقین فرق مابین مغرب وعشاء۱۵ درجہ کے اعتبار سے
	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt		hr	mt	
1	4	57	6	51	12	17	3	5	3	49	5	43	7	·37	1.54	7	18	1-35 19 منٹ
2	4	55	6	49	12	17	3	7	3	51	5	45	7	39		7	20	1.35
3	4	53	6	47	12	16	3	8	3	52	5	47	7	41		7	21	
4	4	51	6	45	12	16	3	9	3	54	5	49	7	42		7	23	
5	4	48	6	42	12	16	3	11	3	55	5	51	7	44		7	25	
6	4	46	6	40	12	16	3	12	3	57	5	53	7	46		7	27	
7	4	43	6	38	12	15	3	13	3	59	5	54	7	48		7	29	
8	4	41	6	35	12	15	3	14	4	0	5	56	7	50		7	31	1.35
9	4	39	6	33	12	15	3	16	4	2	5	58	7	52		7	32	1.34
10	4	36	6	31	12	15	3	17	4	3	6	0	7	54		7	34	1-34
11	4	34	6	28	12	14	3	18	4	5	6	2	7	56		7	36	1.34
12	4	31	6	26	12	14	3	19	4	6	6	3	7	58		7	38	1-35
13	4	29	6	24	12	14	3	20	4	8	6	5	8	0		7	40	1.35
14	4	26	6	21	12	14	3	21	4	9	6	7	8	2		7	42	1-35
15	4	24	6	19	12	13	3	23	4	11	6	9	8	4	1-55	7	44	1-35 20 منٹ
16	4	21	6	17	12	13	3	24	4	12	6	11	8	6		7	46	1-35
17	4	18	6	14	12	13	3	25	4	14	6	12	8	8		7	48	1-36
18	4	16	6	12	12	13	3	26	4	15	6	14	8	10		7	50	
19	4	13	6	10	12	12	3	27	4	17	6	16	8	12		7	52	1-36
20	4	10	6	7	12	12	3	28	4	18	6	18	8	14		7	54	
21	4	8	6	5	12	12	3	29	4	19	6	19	8	16		7	56	
22	4	5	6	3	12	11	3	30	4	21	6	21	8	18		7	58	
23	4	2	6	0	12	11	3	31	4	22	6	23	8	21		8	0	1.37
24	3	59	5	58	12	11	3	32	4	24	6	25	8	23		8	2	1.37
25	3	57	5	55	12	10	3	34	4	25	6	27	8	25		8	4	1-37
26	3	54	5	53	12	10	3	35	4	26	6	28	8	27		8	6	
27	3	51	5	51	12	10	3	36	4	28	6	30	8	29		8	8	
28	4	48	6	48	1	10	4	37	5	29	7	32	9	32		9	10	
29	4	45	6	46	1	9	4	38	5	30	7	34	9	34		9	12	1-38
30	4	42	6	44	1	9	4	39	5	32	7	35	9	36		9	15	1-40
31	4	39	6	41	1	9	4	40	5	33	7	37	9	39	2.2	9	17	1-40 22 منٹ

LEICESTER UK APRIL

Date	Fajr18 degrees		s/rise		Zawa		Misl/1		Misl/2		S/set		Isha 18 degree		فرق مابین مغرب وعشا۱۸درجہ کے حساب سے	after s/set time at 15 degrees		فرق مابین الشفقین فرق مابین مغرب وعشاء۱۵ درجہ کے اعتبار سے
	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt		hr	mt	
1	4	37	6	39	1	8	4	40	5	34	7	39	9	41	2-2	9	19	1-40 22منٹ
2	4	34	6	37	1	8	4	41	5	35	7	41	9	43		9	21	
3	4	31	6	34	1	8	4	42	5	37	7	42	9	46		9	23	1-41
4	4	28	6	32	1	7	4	43	5	38	7	44	9	48		9	25	
5	4	25	6	30	1	7	4	44	5	39	7	46	9	51		9	28	
6	4	22	6	27	1	7	4	45	5	41	7	48	9	53		9	30	
7	4	18	6	25	1	7	4	46	5	42	7	49	9	56		9	32	
8	4	15	6	23	1	6	4	47	5	43	7	51	9	58		9	35	1-44
9	4	12	6	20	1	6	4	48	5	44	7	53	10	1		9	37	
10	4	9	6	18	1	6	4	49	5	45	7	55	10	3		9	39	
11	4	6	6	16	1	5	4	50	5	47	7	56	10	6		9	42	
12	4	3	6	13	1	5	4	50	5	48	7	58	10	9		9	44	1-46
13	3	59	6	11	1	5	4	52	5	49	8	0	10	11		9	47	
14	3	56	6	9	1	5	4	52	5	50	8	2	10	14		9	49	
15	3	53	6	7	1	4	4	53	5	51	8	3	10	17	2-14	9	51	1-48 26منٹ
16	3	50	6	4	1	4	4	54	5	53	8	5	10	20		9	54	
17	3	46	6	2	1	4	4	55	5	54	8	7	10	23		9	56	
18	3	43	6	0	1	4	4	55	5	55	8	9	10	26		9	59	
19	3	39	5	58	1	4	4	56	5	56	8	10	10	29		10	2	
20	3	36	5	56	1	3	4	57	5	57	8	12	10	32		10	4	
21	3	32	5	53	1	3	4	58	5	58	8	14	10	35		10	7	
22	3	29	5	51	1	3	4	58	6	0	8	16	10	38		10	9	
23	3	25	5	49	1	3	4	59	6	1	8	17	10	41		10	12	1-55
24	3	22	5	47	1	3	5	0	6	2	8	19	10	45		10	15	1-56
25	3	18	5	45	1	2	5	1	6	3	8	21	10	48		10	18	
26	3	14	5	43	1	2	5	1	6	4	8	23	10	51		10	20	
27	3	11	5	41	1	2	5	2	6	5	8	24	10	55		10	23	
28	3	7	5	39	1	2	5	3	6	6	8	26	10	58		10	26	
29	3	3	5	37	1	2	5	4	6	7	8	28	11	2		10	29	2.1
30	2	59	5	35	1	2	5	4	6	8	8	30	11	6	2-36	10	32	2-2 34منٹ

LEICESTER UK MAY

Date	Fajr18 degrees		S/ rise		Zawa		Misl/1		Misl/2		S/set		Isha 18 degree		فرق مابین مغرب و عشاء ۱۸ درجہ کے حساب سے	after s/set time at 15 degrees		فرق مابین الشفقین فرق مابین مغرب وعشاء ۱۵ درجہ کے حساب سے
	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	2-38	hr	mt	2-4 34منٹ
1	2	55	5	33	1	1	5	5	6	9	8	31	11	9		10	35	// //
2	2	51	5	31	1	1	5	6	6	10	8	33	11	13		10	38	// //
3	2	47	5	29	1	1	5	7	6	11	8	35	11	17		10	41	// //
4	2	42	5	27	1	1	5	7	6	13	8	36	11	21		10	44	// //
5	2	38	5	25	1	1	5	8	6	14	8	38	11	26		10	47	// //
6	2	34	5	23	1	1	5	9	6	15	8	40	11	30		10	50	// //
7	2	29	5	21	1	1	5	9	6	16	8	41	11	35		10	53	// //
8	2	24	5	20	1	1	5	10	6	17	8	43	11	39		10	56	// //
9	2	19	5	18	1	1	5	11	6	18	8	45	11	45		11	0	// //
10	2	14	5	16	1	1	5	11	6	19	8	46	11	50		11	3	// //
11	2	8	5	14	1	1	5	12	6	20	8	48	11	56		11	6	// //
12	2	2	5	13	1	1	5	13	6	20	8	50	12	2		11	10	// //
13	1	56	5	11	1	1	5	13	6	21	8	51	12	8		11	13	// //
14	1	49	5	9	1	1	5	14	6	22	8	53	12	16		11	16	// ایک گھنٹہ ۵ منٹ
15	1	41	5	8	1	1	5	14	6	23	8	54	12	25	3-31	11	20	2-26 1-5
16	1	31	5	6	1	1	5	15	6	24	8	56	12	37	3-41	11	23	2-26 1-15
17	***	***	5	5	1	1	5	16	6	25	8	58	***	***		11	27	// //
18	***	***	5	3	1	1	5	16	6	26	8	59	***	***	شفق	11	31	// //
19	***	***	5	2	1	1	5	17	6	27	9	1	***	***	ابیض	11	35	// //
20	***	***	5	0	1	1	5	17	6	28	9	2	***	***	غروب	11	38	// //
21	***	***	4	59	1	1	5	18	6	29	9	4	***	***	نہیں	11	42	// //
22	***	***	4	58	1	1	5	19	6	29	9	5	***	***	ہوتی	11	46	// //
23	***	***	4	56	1	1	5	19	6	30	9	6	***	***		11	51	// //
24	***	***	4	55	1	1	5	20	6	31	9	8	***	***		11	55	// //
25	***	***	4	54	1	1	5	20	6	32	9	9	***	***		11	59	// //
26	***	***	4	53	1	1	5	21	6	33	9	11	***	***		12	4	// //
27	***	***	4	52	1	1	5	21	6	33	9	12	***	***		12	8	// //
28	***	***	4	51	1	2	5	22	6	34	9	13	***	***		12	13	3-00
29	***	***	4	49	1	2	5	22	6	35	9	14	***	***		12	19	3-5
30	***	***	4	49	1	2	5	23	6	36	9	16	***	***		12	25	3-9
31	***	***	4	48	1	2	5	23	6	36	9	17	***	***		12	31	3-14

LEICESTER UK JUNE

Date	Fajr 18 degrees		S/rise		Zawa		Msl/1		Misl/2		Ss/set		Isha 18 degrees		فرق مابین عشاء ومغرب ۱۸ درجہ کے حساب سے	after s/set time at 15 degrees		اوقات بعد غروب آفتاب جب سورج ۱۲ درجہ زیر افق پر ہوتا ہے		[illegible]زن کے [illegible]اب سے ۱۲ درجہ	
	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt		hr	mt	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	[illegible]
1	**	**	4	47	1	2	5	24	6	37	9	18	**	***		***	***	//			
2	**	**	4	46	1	2	5	24	6	38	9	19	**	***		***	***	//			
3	**	**	4	45	1	2	5	25	6	38	9	20	***	***		***	***	//	25	2	5
4	**	**	4	44	1	3	5	25	6	39	9	21	**	**		***	***	//	27	2	6
5	**	**	4	44	1	3	5	26	6	40	9	22	***	***		***	***	//	29	2	7
6	**	**	4	43	1	3	5	26	6	40	9	23	***	***		***	***	//	31	2	6
7	**	**	4	42	1	3	5	27	6	41	9	24	***	***		***	***	//	33	2	10
8	**	**	4	42	1	3	5	27	6	41	9	25	***	***		***	***	//	35	2	11
9	**	**	4	41	1	3	5	27	6	42	9	26	***	****		***	***	//	36	2	13
10	**	**	4	41	1	4	5	28	6	42	9	27	***	**		***	***	//	38	2	
11	**	**	4	41	1	4	5	28	6	43	9	27	***	***		***	***	//	39	2	
12	**	**	4	40	1	4	5	29	6	43	9	28	***	***		***	***	//	41	2	
13	**	**	4	40	1	4	5	29	6	44	9	29	***	***		***	***	//	42	2	
14	**	**	4	40	1	4	5	29	6	44	9	29	***	***		***	***	//	43	2	
15	**	**	4	40	1	5	5	30	6	44	9	30	***	***		***	***	//	44	2	
16	**	**	4	40	1	5	5	30	6	45	9	30	***	***		***	***	//	45	2	14
17	**	**	4	40	1	5	5	30	6	45	9	31	***	***		***	***	//	46	2	14
18	**	**	4	40	1	5	5	30	6	45	9	31	***	***		***	***	//	46	2	//
19	**	**	4	40	1	6	5	31	6	46	9	32	***	***		***	***	//	47	2	15
20	**	**	4	40	1	6	5	31	6	46	9	32	***	***		***	***	//	47	2	15
21	**	**	4	40	1	6	5	31	6	46	9	32	****	***		***	***	//	47	2	15
22	**	**	4	40	1	6	5	31	6	46	9	32	***	***		***	***	//	47	2	//
23	**	**	4	40	1	6	5	32	6	47	9	32	***	***		***	***	//	47	2	//
24	**	**	4	41	1	7	5	32	6	47	9	33	***	***		***	***	//	47	2	//
25	**	**	4	41	1	7	5	32	6	47	9	33	***	***		***	***	//	46	2	14
26	**	**	4	42	1	7	5	32	6	47	9	33	***	***		***	***	//	46	2	13
27	**	**	4	42	1	7	5	32	6	47	9	32	***	***		***	***	//	45	2	13
28	**	**	4	43	1	7	5	32	6	47	9	32	***	***		***	***	//	44	2	//
29	**	**	4	43	1	8	5	32	6	47	9	32	***	***		***	***	//	44	2	12
30	**	**	4	44	1	8	5	32	6	47	9	32	**	***		***	***	//	43	2	11

LEICESTER UK JULY

date	Fajr 18 degrees		S/rise		zawal		Misl /1		Misl /2		S/set		Isha 18 degrees		فرق مابین عشاء ومغرب ۱۸ درجہ کے حساب سے	after s/set time at 15 degrees		بعد غروب آفتاب زیر افق ۱۵ درجہ کے اوقات	اوقات بعد غروب آفتاب جب سورج ۱۲ درجہ زیر افق ہوتا ہے		فرق ۱۲ درجہ کے حساب سے / فرق بین الشفقین
	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt		hr	mt		گھنٹہ	منٹ	
1	**	**	4	45	1	8	5	32	6	47	9	31	**	**	شفق	***	**	شفق احمر	11	41	2-10
2	**	**	4	45	1	8	5	32	6	47	9	31	*	**	ابیض	***	**	بھی	11	40	
3	**	**	4	46	1	8	5	32	6	47	9	31	**	**	غروب	***	**	غروب	11	39	
4	**	**	4	47	1	9	5	32	6	47	9	30	**	**	نہیں	***	**	نہیں	11	37	
5	**	**	4	48	1	9	5	32	6	46	9	30	**	**	ہوتی	***	**	ہوتی	11	36	
6	**	**	4	49	1	9	5	32	6	46	9	29	**	**		***	**		11	34	
7	**	**	4	50	1	9	5	32	6	46	9	28	**	**		**	**		11	33	2-7
8	**	**	4	51	1	9	5	32	6	46	9	28	**	**		1	8	3-40	11	31	
9	**	**	4	52	1	9	5	32	6	45	9	27	**	**	3-40	12	48	3-21	11	29	
10	**	*	4	53	1	10	5	32	6	45	9	26	**			12	40	3-14			
11	**	**	4	54	1	10	5	32	6	45	9	25	**	***	شفق	12	34	3-9			
12	**	**	4	55	1	10	5	31	6	44	9	25	**	***	ابیض	12	28	3-3			
13	**	**	4	56	1	10	5	31	6	44	9	24	**	***	غروب	12	23	2-59			
14	**	**	4	57	1	10	5	31	6	43	9	23	**	**	نہیں	12	18	2-55			
15	**	**	4	58	1	10	5	31	6	43	9	22	***	**	ہوتی	12	14	2-52			
16	**	**	5	0	1	10	5	30	6	42	9	21	**	**		12	10	2-49			
17	**	**	5	1	1	10	5	30	6	42	9	19	**	**		12	5	2-46			
18	**	**	5	2	1	10	5	30	6	41	9	18	**	***		12	1	2-43			
19	**	**	5	4	1	11	5	29	6	40	9	17	**	***		11	57	2-40			
20	**	**	5	5	1	11	5	29	6	40	9	16	*	***		11	53	2-37			
21	**	**	5	6	1	11	5	28	6	39	9	15	**	***		11	50	2-35			
22	**	**	5	8	1	11	5	28	6	38	9	13	**	***		11	46	2-33			
23	**	**	5	9	1	11	5	27	6	38	9	12	**	***		11	42	2.30			
24	**	**	5	11	1	11	5	27	6	37	9	10	**	***		11	39	2-29			
25	**	**	5	12	1	11	5	26	6	36	9	9	**	***		11	35	2-26			
26	**	**	5	14	1	11	5	26	6	35	9	7	**	**		11	32	2-25			
27	1	29	5	15	1	11	5	25	6	34	9	6	12	44	3-38	11	28	2-22			ایک گھنٹہ سولہ منٹ
28	1	43	5	17	1	11	5	25	6	33	9	4	12	33	3.29	11	25	2-21			1-16
29	1	52	5	18	1	11	5	24	6	32	9	3	12	25		11	21	2-18			
30	2	0	5	20	1	11	5	23	6	31	9	1	12	17		11	18	2-17			
31	2	7	5	21	1	11	5	23	6	30	8	59	12	11		11	14	2-15			

LEICESTER UK AUGUST

date	fajr 18 degrees		s/rise		zawa		misl/1		misl/2		s/set		isha 18 degrees		فرق مابین عشاء ومغرب ۱۸ درجہ کے حساب سے	after s/set time at 15 degrees		فرق مابین مغرب وعشاء ۱۵ درجہ کے حساب سے	فرق الشفقین
	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt		hr	mt		
1	2	13	5	23	1	11	5	22	6	29	8	58	12	5	3-7	11	11	2-13	53 منٹ
2	2	19	5	24	1	11	5	21	6	28	8	56	11	59		11	8		
3	2	24	5	26	1	10	5	20	6	27	8	54	11	54		11	4	2-10	
4	2	29	5	28	1	10	5	19	6	26	8	53	11	49		11	1		
5	2	34	5	29	1	10	5	19	6	25	8	51	11	44		10	58		
6	2	39	5	31	1	10	5	18	6	24	8	49	11	39		10	55		
7	2	43	5	32	1	10	5	17	6	23	8	47	11	34		10	51	2-4	
8	2	47	5	24	1	10	5	16	6	21	8	45	11	30		10	48		
9	2	51	5	36	1	10	5	15	6	20	8	43	11	26		10	45		
10	2	55	5	37	1	10	5	14	6	19	8	41	11	21		10	42	2-1	
11	2	59	5	39	1	10	5	13	6	17	8	39	11	17		10	39		
12	3	3	5	41	1	9	5	12	6	16	8	37	11	13		10	36		
13	3	7	5	42	1	9	5	11	6	15	8	35	11	9		10	32		
14	3	10	5	44	1	9	5	10	6	13	8	33	11	5		10	29	1-56	
15	3	14	5	46	1	9	5	9	6	12	8	31	11	2	2.31	10	26	1-55	36 منٹ
16	3	17	5	47	1	9	5	8	6	11	8	29	10	58		10	23	1-54	
17	3	21	5	49	1	8	5	7	6	9	8	27	10	54		10	20		
18	3	24	5	51	1	8	5	6	6	8	8	25	10	50		10	17		
19	3	27	5	52	1	8	5	5	6	6	8	23	10	47		10	14	1-51	
20	3	30	5	54	1	8	5	3	6	5	8	21	10	43		10	11		
21	3	33	5	56	1	8	5	2	6	3	8	18	10	40		10	8		
22	3	36	5	57	1	7	5	1	6	1	8	16	10	36		10	5		
23	3	39	5	59	1	7	5	0	6	0	8	14	10	33		10	2	1-48	
24	3	42	6	1	1	7	4	58	5	58	8	12	10	29		9	59		
25	3	45	6	2	1	6	4	57	5	57	8	10	10	26		9	56		
26	3	48	6	4	1	6	4	56	5	55	8	7	10	22		9	53	1-46	
27	3	51	6	6	1	6	4	55	5	53	8	5	10	19		9	50	1-45	
28	3	53	6	7	1	6	4	53	5	52	8	3	10	16		9	47	1-44	
29	3	56	6	9	1	5	4	52	5	50	8	1	10	12		9	44	1-43	
30	3	59	6	11	1	5	4	50	5	48	7	58	10	9		9	41	1.43	28 منٹ
31	4	1	6	12	1	5	4	49	5	46	7	56	10	6	2-10	9	38	1-42	

LEICESTER UK SEPTEMBER

date	Fajr 18 degrees		s/rise		Zawa		msl/1		Misl/2		Ss/set		Isha 18 degrees		فرق مابین عشاء ومغرب کے 18 درجہ حساب سے	after s/set time at 15 degrees		فرق مابین مغرب وعشاء ۱۵ درجہ کے حساب سے	فرق بین الشفقین
	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt		hr	mt		
1	4	4	6	14	1	4	4	48	5	45	7	54	10	3	2-9	9	35	1-41	28 منٹ
2	4	7	6	16	1	4	4	46	5	43	7	51	10	0		9	32	1-41	
3	4	9	6	17	1	4	4	45	5	41	7	49	9	56		9	30	1-41	
4	4	12	6	19	1	3	4	43	5	39	7	47	9	53		9	27	1-40	
5	4	14	6	21	1	3	4	42	5	37	7	44	9	50		9	24	1-40	
6	4	17	6	23	1	3	4	40	5	35	7	42	9	47		9	21	1-39	
7	4	19	6	24	1	2	4	39	5	34	7	40	9	44		9	18	1-38	
8	4	21	6	26	1	2	4	37	5	32	7	37	9	41		9	15	1-38	
9	4	24	6	28	1	2	4	36	5	30	7	35	9	38		9	13	// //	
10	4	26	6	29	1	1	4	34	5	28	7	33	9	35		9	10	1-37	
11	4	28	6	31	1	1	4	32	5	26	7	30	9	32		9	7	1-37	
12	4	31	6	33	1	1	4	31	5	24	7	28	9	29		9	4	1-36	
13	4	33	6	34	1	0	4	29	5	22	7	26	9	26		9	2	1-36	
14	4	35	6	36	1	0	4	28	5	20	7	23	9	23		8	49	// //	
15	4	37	6	38	1	0	4	26	5	18	7	21	9	20	1-59	8	56	1-35	21 منٹ
16	4	39	6	39	12	59	4	24	5	16	7	18	9	17		8	53	// //	
17	4	41	6	41	12	59	4	23	5	14	7	16	9	15		8	51	// //	
18	4	44	6	43	12	59	4	21	5	12	7	14	9	12		8	48	1-34	
19	4	46	6	44	12	58	4	19	5	10	7	11	9	9		8	45	// //	
20	4	48	6	46	12	58	4	18	5	8	7	9	9	6		8	43	1-34	
21	4	50	6	48	12	57	4	16	5	6	7	6	9	3		8	40	//	
22	4	52	6	49	12	57	4	14	5	4	7	4	9	1		8	38	1-34	
23	4	54	6	51	12	57	4	12	5	2	7	2	8	58		8	35	1-33	
24	4	56	6	53	12	56	4	11	5	0	6	59	8	55		8	32	1-33	
25	4	58	6	54	12	56	4	9	4	58	6	57	8	53		8	30	1-33	
26	5	0	6	56	12	56	4	7	4	56	6	55	8	50		8	2,	1-32	
27	5	2	6	58	12	55	4	6	4	54	6	52	8	47		8	25	1-33	
28	5	4	7	0	12	55	4	4	4	52	6	50	8	45		8	22	1-32	
29	5	6	7	1	12	55	4	2	4	50	6	47	8	42		8	20	1-33	
30	4	8	6	3	11	54	3	0	3	48	6	45	7	40	1-55	7	17	1-32	21 منٹ

LEICESTER UK OCTOBER

Date	Fajr 18 degrees		S/rise		Zawa		Msl/1		Misl/2		S/set		Isha 18 degrees		فرق مابین عشاء و درجہ 18 مغرب کے حساب سے	after s/set time at 15 degrees		فرق مابین مغرب وعشاء ۱۵ درجہ کے حساب سے	فرق بین الشفقین
	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt		hr	mt		
1	4	10	6	5	11	54	2	59	3	46	5	43	7	37	1-54	7	15	1-32	22 منٹ
2	4	11	6	6	11	54	2	57	3	44	5	40	7	34		7	12	2-32	
3	4	13	6	8	11	53	2	55	3	41	5	38	7	32		7	10	// //	
4	4	15	6	10	11	53	2	53	3	39	5	36	7	30		7	8	// //	
5	4	17	6	12	11	53	2	52	3	37	5	33	7	27		7	5	// //	
6	4	19	6	13	11	53	2	50	3	35	5	31	7	25		7	3	// //	
7	4	21	6	15	11	52	2	48	3	33	5	29	7	22		7	1	// //	
8	4	23	6	17	11	52	2	46	3	31	5	26	7	20		6	58	// //	
9	4	24	6	19	11	52	2	44	3	29	5	24	7	17		6	56	// //	
10	4	26	6	20	11	51	2	43	3	27	5	22	7	15		6	54	// //	
11	4	28	6	22	11	51	2	41	3	25	5	19	7	13		6	51	// //	
12	4	30	6	24	11	51	2	39	3	23	5	17	7	11		6	49	1-32	
13	4	32	6	26	11	51	2	37	3	21	5	15	7	8		6	47	// //	
14	4	33	6	27	11	50	2	36	3	19	5	13	7	6		6	45	1-32	
15	4	35	6	29	11	50	2	34	3	17	5	10	7	4	1-54	6	43	1-33	21منٹ
16	4	37	6	31	11	50	2	32	3	15	5	8	7	2	1-54	6	41	// //	
17	4	39	6	33	11	50	2	31	3	13	5	6	7	0	1-54	6	38	1-32	
18	4	40	6	34	1	50	2	29	3	11	5	4	6	57	1-54	6	36	1-32	
19	4	42	6	36	11	49	2	27	3	9	5	2	6	55	1-53	6	34	1-32	
20	4	44	6	38	11	49	2	26	3	7	4	59	6	53	1-54	6	32	1-33	
21	4	45	6	40	11	49	2	24	3	5	4	57	6	51		6	30	1-33	
22	4	47	6	42	11	49	2	22	3	3	4	55	6	49		6	28	1-33	
23	4	49	6	44	11	49	2	21	3	1	4	53	6	47		6	26	1-33	
24	4	50	6	45	11	49	2	19	2	59	4	51	6	45		6	24	// //	
25	4	52	6	47	11	48	2	17	2	57	4	49	6	43		6	23	1-34	
26	4	54	6	49	11	48	2	16	2	55	4	47	6	42		6	21	// //	
27	4	55	6	51	11	48	2	14	2	53	4	45	6	40		6	19	1-34	
28	4	57	6	53	11	48	2	12	2	51	4	43	6	38		6	17	// //	
29	4	59	6	55	11	48	2	11	2	50	4	41	6	36		6	15	// //	
30	5	0	6	56	11	48	2	9	2	48	4	39	6	34		6	14	1-35	
31	5	2	6	58	11	48	2	8	2	46	4	37	6	33	1-56	86	12	1-35	21 منٹ

LEICESTER UK NOVEMBER

Date	Fajr 18 degrees		S/rise		Zawa		Msl/1		Misl/2		S/set		Isha 18 degrees		فرق مابین عشاء ومغرب ۱۸ درجہ کے حساب سے	after s/set time at 15 degrees		فرق مابین مغرب وعشاء ۱۵ درجہ کے حساب سے	فرق بین الشفقین
	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt		hr	mt		21 منٹ
1	5	4	7	0	11	48	2	6	2	44	4	35	6	31	1-56	6	10	1-35	
2	5	5	7	2	11	48	2	5	2	42	4	33	6	29		6	9	1-36	
3	5	7	7	4	11	48	2	3	2	41	4	31	6	28		6	7	// //	
4	5	8	7	6	11	48	2	2	2	39	4	29	6	26		6	5	1-36	
5	5	10	7	7	11	48	2	1	2	37	4	28	6	25		6	4	1-36	
6	5	12	7	9	11	48	1	59	2	36	4	26	6	23		6	2	1-36	
7	5	13	7	11	11	48	1	58	2	34	4	24	6	22		6	1	1-37	
8	5	15	7	13	11	48	1	57	2	32	4	22	6	20		6	0	1-38	
9	5	16	7	15	11	48	1	55	2	31	4	21	6	19		5	58	1-38	
10	5	18	7	17	11	48	1	54	2	29	4	19	6	17		5	57	1-38	
11	5	19	7	19	11	48	1	53	2	28	4	17	6	16		5	55	1-38	
12	5	21	7	20	11	48	1	52	2	26	4	16	6	15		5	54	1-38	
13	5	22	7	22	11	49	1	50	2	25	4	14	6	14		5	53	1-38	
14	5	24	7	24	11	49	1	49	2	23	4	13	6	12		5	52	1-39	
15	5	25	7	26	11	49	1	48	2	22	4	11	6	11	2-00	5	51	1-40	20 منٹ
16	5	27	7	28	11	49	1	47	2	21	4	10	6	10		5	50	// //	
17	5	28	7	29	11	49	1	46	2	19	4	9	6	9		5	48	1-39	
18	5	30	7	31	11	49	1	45	2	18	4	7	6	8		5	47	1-39	
19	5	31	7	33	11	50	1	44	2	17	4	6	6	7		5	46	1-40	
20	5	33	7	35	11	50	1	43	2	16	4	5	6	6		5	46	1-40	
21	5	34	7	36	11	50	1	42	2	15	4	3	6	5		5	45	1-42	
22	5	35	7	38	11	50	1	41	2	14	4	2	6	4		5	44	1-42	
23	5	37	7	40	11	51	1	41	2	13	4	1	6	4		5	43	1-42	
24	5	38	7	41	11	51	1	40	2	12	4	0	6	3		5	42	1-42	
25	5	40	7	43	11	51	1	39	2	11	3	59	6	2		5	41	1-42	
26	5	41	7	45	11	52	1	38	2	10	3	58	6	1		5	41	1-42	
27	5	42	7	46	11	52	1	38	2	9	3	57	6	1		5	40	1-43	
28	5	43	7	48	11	52	1	37	2	8	3	56	6	0		5	40	1-44	
29	5	45	7	49	11	53	1	37	2	7	3	55	6	0		5	39	1-44	
30	5	46	7	51	11	53	1	36	2	7	3	55	5	59	2-4	5	39	1-44	20 منٹ

LEICESTER UK DECEMBER

Date	Fajr 18 degrees		S/rise		Zawa		Misl/1		Misl/2		S/set		Isha 18 degrees		فرق مابین عشاء ومغرب ۱۸ درجہ کے حساب سے	after s/set time at 15 degrees		فرق مابین مغرب وعشاء ۱۵ درجہ کے حساب سے	فرق بین الشفقین
	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt		hr	mt		
1	5	47	7	52	11	53	1	36	2	6	3	54	5	59	2-3	5	38	1-44	19 منٹ
2	5	48	7	54	11	54	1	36	2	5	3	53	5	58		5	38	1-45	
3	5	49	7	55	11	54	1	35	2	5	3	53	5	58		5	37	1-44	
4	5	51	7	57	11	54	1	34	2	4	3	52	5	58		5	37	1-45	
5	5	52	7	58	11	55	1	34	2	4	3	52	5	57		5	37	1-45	
6	5	53	7	59	11	55	1	34	2	3	3	51	5	57		5	37	1-46	
7	5	54	8	0	11	56	1	34	2	3	3	51	5	57		5	36	1-45	
8	5	55	8	2	11	56	1	34	2	3	3	50	5	57		5	36	1-46	
9	5	56	8	3	11	57	1	33	2	3	3	50	5	57		5	36	1-46	
10	5	57	8	4	11	57	1	33	2	3	3	50	5	57		5	36	// //	
11	5	58	8	5	11	57	1	33	2	2	3	50	5	57		5	36	1-46	
12	5	58	8	6	11	58	1	33	2	2	3	50	5	57		5	36	1-46	
13	5	59	8	7	11	58	1	34	2	2	3	50	5	57		5	36	1-46	
14	6	0	8	8	11	59	1	34	2	2	3	50	5	57		5	37	1-47	20 منٹ
15	6	1	8	9	11	59	1	34	2	3	3	50	5	57	2-7	5	37	1-47	
16	6	2	8	10	12	0	1	34	2	3	3	50	5	58		5	37	// //	
17	6	2	8	11	12	0	1	34	2	3	3	50	5	58		5	37	1-47	
18	6	3	8	11	12	1	1	35	2	3	3	50	5	58		5	38	1-48	
19	6	4	8	12	12	1	1	35	2	4	3	51	5	59		5	38	1-47	
20	6	4	8	13	12	2	1	35	2	4	3	51	5	59		5	39	1-48	
21	6	5	8	13	12	2	1	36	2	4	3	52	5	59		5	39	1-47	
22	6	5	8	14	12	3	1	36	2	5	3	52	6	0		5	40	1-48	
23	6	6	8	14	12	3	1	37	2	5	3	53	6	0		5	40	1-47	
24	6	6	8	15	12	4	1	38	2	6	3	53	6	1		5	41	1-48	
25	6	7	8	15	12	4	1	38	2	7	3	54	6	2		5	41	1-47	
26	6	7	8	15	12	5	1	39	2	7	3	55	6	2		5	42	// //	
27	6	7	8	15	12	5	1	40	2	8	3	55	6	3		5	43	1-47	
28	6	7	8	16	12	6	1	40	2	9	3	56	6	4		5	44	1-48	
29	6	8	8	16	12	6	1	41	2	10	3	57	6	5		5	44	1-47	
30	6	8	8	16	12	7	1	42	2	11	3	58	6	5		5	45	1-47	
31	6	8	8	16	12	7	1	43	2	12	3	59	6	6	2-7	5	46	1-47	20 منٹ

فرینکفرٹ (جرمنی) میں
وقت عشاء کا مسئلہ

فرینکفرٹ (جرمنی) میں وقتِ عشاء کا مسئلہ

جناب حضرت مفتی صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہمارے یہاں فرینکفرٹ (جرمنی) میں گرمیوں میں راتیں بہت چھوٹی ہو جاتی ہیں، جس کی وجہ سے مغرب وعشاء کے درمیان وقفہ بہت لمبا ہو جاتا ہے، ان حالات میں اگر عشاء کی نماز حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق پڑھی جائے تو وقت کے انتظار میں رات کو بہت دیر تک جاگنا پڑتا ہے اس مشکل کو دیکھ کر یہاں کے بعض لوگ وقت سے قبل ہی عشاء کی نماز پڑھنے لگے ہیں۔

براہ کرم آپ فرینکفرٹ سے متعلق اوقاتِ نماز کا مستند نقشہ اور اپنی ہدایات ارسال فرمائیں۔

مستفتی

قاری احسان الرحمٰن فرینکفرٹ (جرمنی)

الجواب حامداً ومصلیاً

عشاء کا وقت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شفق ابیض کے غروب سے شروع ہوتا ہے اور صاحبین، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شفق احمر کے غروب

سے شروع ہوتا ہے۔

مرسلہ نقشہ نماز میں فرینکفرٹ کے لئے عشاء کے اوقات دونوں مذہب سے متعلق الگ الگ خانوں میں دکھائے گئے ہیں، یہ نقشہ پورے سال کا ہے یعنی دائمی ہے، جس کا لب لباب یہ ہے کہ اگر امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق عشاء کا وقت شفق ابیض کی غیوبت کے بعد مانا جائے تو صورتحال مندرجہ ذیل ہوگی۔

(۱)...... یکم جنوری سے ۳۰ مئی تک مغرب و عشاء کے درمیان کم از کم ایک گھنٹہ ۴۷ منٹ کا فرق ہے، یعنی مغرب کے بعد ایک گھنٹہ ۴۷ منٹ گزرنے کے بعد عشاء کا وقت شروع ہوگا، اور زیادہ سے زیادہ فرق تین گھنٹہ ۴۵ منٹ کا ہے۔ (تفصیلی نقشہ ملاحظہ ہو)

(۲)...... ۳۱ مئی سے ۱۲ جولائی تک (یعنی ۴۳ دن) فرینکفرٹ میں شفق ابیض غروب ہی نہیں ہوتی، یعنی ان ۴۳ دنوں میں امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق عشاء کا وقت آتا ہی نہیں، رات بھر افق پر سفیدی رہتی ہے اور اسی سفیدی کے بعد بالاخر آفتاب طلوع ہوجاتا ہے۔

(۳)...... ۱۳ جولائی سے ۳۱ دسمبر تک مغرب و عشاء کے درمیان کم از کم ۱ گھنٹہ ۴۷ منٹ، اور زیادہ سے زیادہ فرق ۳ گھنٹے ۴۲ منٹ کا ہے۔

اور اگر صاحبین وامام شافعی کے قول پر عمل کیا جائے یعنی شفق احمر کی غیوبت کے بعد سے عشاء کا وقت مانا جائے تو صورتحال یہ ہوگی کہ:

(۱)...... یکم جنوری سے ۱۲ مارچ تک مغرب و عشاء کے درمیان کا وقت کم از کم ۱ گھنٹہ ۲۸ منٹ، اور زیادہ سے زیادہ ۱ گھنٹہ ۳۹ منٹ ہے۔

(۲)...... ۱۳ مارچ سے ۲۲ جون تک مغرب وعشاء کے درمیان کا وقت کم از کم ا گھنٹہ ۲۹ منٹ، اور زیادہ سے زیادہ ۲ گھنٹہ ۴۲ منٹ ہے۔

(۳)...... ۲۳ جون سے ۳۱ دسمبر تک مغرب وعشاء کے درمیان کا وقت کم از کم ا گھنٹہ ۲۸ منٹ، اور زیادہ سے زیادہ ۲ گھنٹہ ۴۱ منٹ ہے۔

مذکورہ بالا امور کے نتیجے میں فرینکفرٹ میں عشاء کے وقت کے سلسلے میں مندرجہ ذیل امور پر عمل ہونا چاہئے۔

(۱)...... ۳۱ مئی سے ۱۲ جولائی تک ۴۳ دنوں میں چونکہ امام اعظمؒ کے قول پر عمل ممکن نہیں، اس لئے لازم ہے کہ ان دنوں میں شفق احمر کی غیبوبت سے ہی عشاء کا وقت سمجھا جائے۔

(۲)...... گرمیوں کے باقی ایام میں اگرچہ شفق ابیض غروب ہوتی ہے، یعنی امام اعظمؒ کے قول پر عمل ممکن ہے، مگر اس میں مشقت بہت ہے، کیونکہ اس قول پر مغرب وعشاء کے درمیان فرق بعض ایام میں تین گھنٹہ ۴۲ منٹ ہو جاتا ہے، اور اتنی دیر تک عشاء کے وقت کا انتظار کرنا مشکل ہوتا ہے، اس لئے گرمیوں کے بقیہ ایام میں صاحبین کے قول پر حنفی حضرات بھی بلا کراہت عمل کر سکتے ہیں، کیونکہ بعض مشائخ حنفیہ نے صاحبین کے قول پر فتویٰ عام حالات میں بھی دیا ہوا ہے، تو یہاں دفع حرج کے لئے اس قول پر عمل بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا، یعنی حاصل یہ نکلا کہ گرمیوں کے ان ایام میں فرینکفرٹ کے مسلمان جس قول پر عمل کو اپنے لئے آسان سمجھیں اسے اختیار کر سکتے ہیں۔

(۳)...... مذکورہ بالا ایام کے علاوہ دنوں میں یعنی سردیوں میں حنفی حضرات امام ابو حنیفہؒ کے قول پر کسی مشقت کے بغیر عمل کر سکتے ہیں، اس لئے انہیں

چاہئے کہ وہ امام اعظمؒ کے قول ہی کے مطابق عشاء کی نماز پڑھیں۔

مگر جو حضرات صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے قول پر عمل کریں ان پر بھی نکیر نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ صاحبین کے نزدیک وہ صحیح ہے، بلکہ فقہائے حنفیہ میں سے بعض مشائخ نے تو صاحبین کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم

ان تمام کاغذات کی وصولیابی سے براہ کرم جلد مطلع فرمادیا جائے

واللہ المستعان

محمد رفیع عثمانی عفی عنہ
رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی

نقشہ متعلقہ فرینکفرٹ (جرمنی) مرتبہ: پروفیسر عبداللطیف صاحب کراچی : FRANKFURT GERMANY JANUARY

Date	Fajr		Sun rise		Zawa mid-day		Misl-e-awwal		Misl-e-sani		Sun set		Isha\1end of shafaq-e-ahmerr		Isha 2end of shafaq-e-abyad		تفاوت مابین غروب شمس وشفق احمر		تفاوت مابین غروب آفتاب و شفق ابیض	
			hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ
1	6	25	8	24	12	29	2	16	2	48	4	34	6	13	6	33	1	39	1	59
2	6	25	8	24	12	29	2	17	2	49	4	35	6	14	6	34	1	39	1	59
3	6	25	8	24	12	30	2	18	2	50	4	36	6	15	6	34	1	39	1	58
4	6	55	8	24	12	30	2	19	2	51	4	37	6	16	6	35	1	39	1	58
5	6	25	8	24	12	31	2	20	2	52	4	38	6	17	6	36	1	39	1	58
6	6	25	8	23	12	31	2	21	2	53	4	40	6	18	6	37	1	38	1	57
7	6	25	8	23	12	32	2	22	2	54	4	41	6	19	6	38	1	38	1	57
8	6	25	8	23	12	32	2	24	2	56	4	42	6	20	6	39	1	38	1	57
9	6	24	8	22	12	32	2	25	2	57	4	43	6	21	6	41	1	38	1	58
10	6	24	8	22	12	33	2	26	2	58	4	45	6	22	6	42	1	37	1	57
11	6	24	8	21	12	33	2	27	2	59	4	46	6	23	6	43	1	37	1	57
12	6	23	8	21	12	34	2	28	3	1	4	47	6	25	6	44	1	38	1	57
13	6	23	8	20	12	34	2	29	3	2	4	49	6	26	6	45	1	37	1	56
14	6	23	8	19	12	34	2	31	3	4	4	50	6	27	6	46	1	37	1	56
15	6	22	8	19	12	35	2	32	3	5	4	52	6	28	6	48	1	36	1	56
16	6	21	8	18	12	35	2	33	3	6	4	53	6	30	6	49	1	37	1	56
17	6	21	8	17	12	35	2	34	3	8	4	55	6	31	6	50	1	36	1	55
18	6	20	8	16	12	36	2	36	3	9	4	56	6	32	6	51	1	36	1	55
19	6	20	8	15	12	36	2	37	3	11	4	58	6	33	6	53	1	36	1	55
20	6	19	8	14	12	36	2	38	3	12	4	59	6	35	6	54	1	36	1	55
21	6	18	8	12	12	37	2	40	3	14	5	1	6	36	6	55	1	35	1	54
22	6	17	8	12	12	37	2	41	3	16	5	3	6	38	6	57	1	35	1	54
23	6	17	8	11	12	37	2	42	3	17	5	4	6	39	6	58	1	35	1	54
24	6	16	8	10	12	37	2	44	3	19	5	6	6	40	6	59	1	34	1	53
25	6	15	8	9	12	38	2	45	3	20	5	8	6	42	7	1	1	34	1	53
26	6	14	8	8	12	38	2	46	3	22	5	9	6	43	7	2	1	34	1	53
27	6	13	8	6	12	38	2	48	3	23	5	11	6	45	7	4	1	34	1	53
28	6	12	8	5	12	38	2	49	3	25	5	13	6	46	7	5	1	33	1	52
29	6	11	8	4	12	39	2	50	3	27	5	14	6	47	7	6	1	33	1	52
30	6	10	8	2	12	39	2	52	3	28	5	16	6	49	7	8	1	33	1	52
31	6	9	8	1	12	39	2	53	3	30	5	18	6	50	7	9	1	32	1	51

FRANKFURT GERMANY FEBUARY

Date	Fajr		Sun rise		Zawa mid-day		Misl-e-awwal		Misl-e-sani		Sun set		Isha 1end ofshafaq-e-ahmwr		Isha 2end of shafaq-e-abyad		تفاوت مابین غروب شمس و شفق احمر		تفاوت مابین غروب آفتاب و شفق ابیض	
			hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ
1	6	7	8	0	12	39	2	55	3	32	5	19	6	52	7	11	1	33	1	52
2	6	6	7	58	12	39	2	56	3	33	5	21	6	53	7	12	1	32	1	51
3	6	5	7	57	12	39	2	57	3	35	5	23	6	55	7	14	1	32	1	51
4	6	4	7	55	12	39	2	59	3	36	5	25	6	56	7	15	1	31	1	50
5	6	2	7	54	12	39	3	0	3	38	5	26	6	58	7	17	1	32	1	51
6	6	1	7	52	12	40	3	2	3	40	5	28	7	59	6	18	1	31	1	50
7	6	0	7	50	12	40	3	3	3	41	5	30	7	1	7	20	1	31	1	50
8	5	58	7	49	12	40	3	4	3	43	5	32	7	2	7	21	1	30	1	49
9	5	57	7	47	12	40	3	6	3	45	5	33	7	4	7	23	1	31	1	50
10	5	55	7	45	12	40	3	7	3	46	5	35	7	6	7	24	1	31	1	49
11	5	54	7	44	12	40	3	8	3	48	5	37	7	7	7	26	1	30	1	49
12	5	52	7	42	12	40	3	10	3	50	5	38	7	9	7	27	1	31	1	49
13	5	51	7	40	12	40	3	11	3	51	5	40	7	10	7	29	1	30	1	49
14	5	49	7	38	12	40	3	13	3	53	5	42	7	12	7	31	1	30	1	49
15	5	47	7	37	12	40	3	14	3	54	5	44	7	13	7	32	1	29	1	48
16	5	46	7	35	12	40	3	15	3	56	5	45	7	15	7	34	1	30	1	49
17	5	44	7	33	12	39	3	17	3	58	5	47	7	17	7	35	1	30	1	48
18	5	42	7	31	12	39	3	18	3	59	5	49	7	18	7	37	1	29	1	48
19	5	41	7	29	12	39	3	19	4	1	5	51	7	20	7	38	1	29	1	47
20	5	39	7	27	12	39	3	20	4	2	5	52	7	21	7	40	1	29	1	48
21	5	37	7	25	12	39	3	22	4	4	5	54	7	23	7	42	1	29	1	48
22	5	35	7	23	12	39	3	23	4	5	5	56	7	24	7	43	1	28	1	47
23	5	33	7	21	12	39	3	24	4	7	5	57	7	26	7	45	1	29	1	48
24	5	31	7	19	12	39	3	25	4	8	5	59	7	28	7	47	1	29	1	48
25	5	29	7	17	12	39	3	27	4	10	6	1	7	29	7	48	1	28	1	47
26	5	27	7	15	12	38	3	28	4	11	6	2	7	31	7	50	1	29	1	48
27	5	25	7	13	12	38	3	29	4	13	6	4	7	33	7	51	1	29	1	47
28	5	23	7	11	12	38	3	30	4	14	6	6	7	34	7	53	1	28	1	47
29	5	21	7	9	12	38	3	32	4	16	6	8	7	36	7	55	1	28	1	47

FRANKFURT GERMANY MARCH

Date	Fajr		Sun rise		Zawa mid-day		Misl-e-awwal		Misl-e-sani		Sun set		Isha 1end ofshafaq-e-ahmwr		Isha 2end of shafaq-e-abyad		تفاوت مابین غروب شمس و شفق احمر		تفاوت مابین غروب آفتاب و شفق ابیض	
			hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ
1	5	21	7	9	12	38	3	32	4	16	6	8	7	36	7	55	1	28	1	47
2	5	19	7	7	12	38	3	33	4	17	6	9	7	37	7	56	1	28	1	47
3	5	17	7	5	12	37	3	34	4	19	6	11	7	39	7	58	1	28	1	47
4	5	15	7	3	12	37	3	35	4	20	6	13	7	41	8	0	1	28	1	47
5	5	13	7	1	12	37	3	36	4	22	6	14	7	42	8	1	1	28	1	47
6	5	11	6	59	12	37	3	37	4	23	6	16	7	44	8	3	1	28	1	47
7	5	9	6	57	12	37	3	38	4	25	6	17	7	46	8	5	1	29	1	48
8	5	6	6	55	12	36	3	40	4	26	6	19	7	47	8	7	1	28	1	48
9	5	6	4	52	12	36	3	41	4	27	6	21	7	49	8	8	1	28	1	47
10	5	2	6	50	12	36	3	42	4	29	6	22	7	51	8	10	1	29	1	48
11	5	0	6	48	12	36	3	43	4	30	6	24	7	52	8	12	1	28	1	48
12	4	57	6	46	12	35	3	44	4	31	6	26	7	54	8	14	1	28	1	48
13	4	55	6	44	12	35	3	45	4	33	6	27	7	56	8	15	1	29	1	48
14	4	53	6	42	12	35	3	46	4	34	6	29	7	58	8	17	1	29	1	49
15	4	51	6	39	12	34	3	47	4	36	6	30	7	59	8	19	1	29	1	49
16	4	48	6	37	12	34	3	48	4	37	6	32	8	1	8	21	1	29	1	49
17	4	46	6	35	12	34	3	49	4	38	6	34	8	3	8	23	1	29	1	49
18	4	43	6	33	12	34	3	50	4	39	6	35	8	5	8	24	1	30	1	49
19	4	41	6	31	12	33	3	51	4	41	6	37	8	6	8	26	1	29	1	49
20	4	39	6	29	12	33	3	52	4	42	6	38	8	8	8	28	1	30	1	50
21	4	36	6	26	12	33	3	53	4	43	6	40	8	10	8	30	1	30	1	50
22	4	34	6	24	12	32	3	54	4	44	6	42	8	12	8	32	1	30	1	50
23	4	31	6	22	12	32	3	55	4	46	6	43	8	13	8	34	1	30	1	51
24	4	29	6	20	12	32	3	56	4	47	6	45	8	15	8	36	1	30	1	51
25	4	26	6	18	12	31	3	57	4	48	6	46	8	17	8	38	1	31	1	52
26	4	24	6	15	12	31	3	57	4	49	6	48	8	19	8	39	1	31	1	51
27	4	21	6	13	12	31	3	58	4	50	6	50	8	21	8	41	1	31	1	51
28	5	18	7	11	1	31	4	59	5	52	7	51	9	23	9	43	1	31	1	52
29	5	16	7	9	1	30	5	0	5	53	7	53	9	24	9	45	1	31	1	53
30	5	13	7	7	1	30	5	1	5	54	7	54	9	26	9	47	1	32	1	53
31	5	11	7	4	1	30	5	2	5	55	7	56	9	28	9	49	1	32	1	53

FRANKFURT GERMANY APRIL

Date	Fajr		Sun rise		Zawa mid-day		Misl-e-awwal		Misl-e-sani		Sun set		Isha 1end of shafaq-e-ahmerr		Isha 2end of shafaq-e-abyad		تفاوت مابین غروب شمس و شفق احمر		تفاوت مابین غروب آفتاب و شفق ابیض	
			hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ
1	5	8	7	2	1	29	5	3	5	56	7	57	9	30	9	52	1	33	1	55
2	5	5	7	0	1	29	5	3	5	58	7	59	9	32	9	54	1	33	1	55
3	5	3	6	58	1	29	5	4	5	59	8	1	9	34	9	56	1	33	1	55
4	5	0	6	56	1	28	5	5	6	0	8	2	9	36	9	58	1	34	1	56
5	4	57	6	54	1	28	5	6	6	1	8	4	9	38	10	0	1	34	1	56
6	4	54	6	52	1	28	5	7	6	2	8	5	9	40	10	2	1	35	1	57
7	4	52	6	49	1	28	5	7	6	3	8	7	9	42	10	4	1	35	1	57
8	4	49	6	47	1	27	5	8	6	4	8	9	9	44	10	6	1	35	1	57
9	4	46	6	45	1	27	5	9	6	5	8	10	9	46	10	9	1	36	1	59
10	4	43	6	43	1	27	5	10	6	6	8	12	9	48	10	11	1	36	1	59
11	4	41	6	41	1	27	5	10	6	8	8	13	9	50	10	13	1	37	2	00
12	4	38	6	39	1	26	5	11	6	9	8	15	9	52	10	15	1	37	2	00
13	4	35	6	37	1	26	5	12	6	10	8	16	9	54	10	18	1	38	2	02
14	4	32	6	35	1	26	5	13	6	11	8	18	9	56	10	20	1	38	2	02
15	4	29	6	33	1	26	5	13	6	12	8	19	9	58	10	22	1	39	2	03
16	4	27	6	30	1	25	5	14	6	13	8	21	10	0	10	25	1	39	2	04
17	4	24	6	28	1	25	5	15	6	14	8	23	10	3	10	27	1	40	2	04
18	4	21	6	26	1	25	5	15	6	15	8	24	10	5	10	30	1	41	2	06
19	4	18	6	24	1	25	5	16	6	16	8	26	10	7	10	32	1	41	2	06
20	4	15	6	22	1	24	5	17	6	17	8	27	10	9	10	35	1	42	2	08
21	4	12	6	20	1	24	5	17	6	18	8	29	10	11	10	37	1	42	2	08
22	4	8	6	18	1	24	5	18	6	19	8	30	10	14	10	40	1	44	2	10
23	4	6	6	16	1	24	5	19	6	20	8	32	10	16	10	42	1	44	2	10
24	4	3	6	15	1	24	5	19	6	21	8	34	10	18	10	45	1	44	2	11
25	4	0	6	13	1	23	5	20	6	22	8	35	10	20	10	48	1	45	2	13
26	3	57	6	11	1	23	5	21	6	23	8	37	10	23	10	50	1	46	2	13
27	3	54	6	9	1	23	5	21	6	24	8	38	10	25	10	53	1	47	2	15
28	3	51	6	7	1	23	5	22	6	25	8	40	10	27	10	56	1	47	2	16
29	3	48	6	5	1	23	5	23	6	26	8	41	10	30	10	59	1	49	2	18
30	3	45	6	3	1	23	5	23	6	27	8	43	10	32	11	2	1	49	2	19

FRANKFURT GERMANY MAY

Date	Fajr		Sun rise		Zawa mid-day		Misl-e-awwal		Misl-e-esani		Sun set		Isha 1end of shafaq-e-ahmerr		Isha 2end of shafaq-e-abyad		تفاوت مابین غروب شمس و شفق احمر		تفاوت مابین غروب آفتاب و شفق ابیض	
،			hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ
1	3	42	6	2	1	23	5	24	6	28	8	44	10	34	11	4	1	50	2	20
2	3	38	6	0	1	22	5	24	6	28	8	46	10	37	11	7	1	51	2	23
3	3	35	5	58	1	22	5	25	6	30	8	47	10	39	11	10	1	52	2	23
4	3	32	5	56	1	22	5	26	6	30	8	49	10	42	11	13	1	53	2	24
5	3	29	5	55	1	22	5	26	6	31	8	51	10	44	11	16	1	53	2	25
6	3	26	5	53	1	22	5	27	6	32	8	52	10	47	11	19	1	55	2	27
7	3	22	5	51	1	22	5	27	6	33	8	54	10	49	11	23	1	55	2	29
8	3	19	5	50	1	22	5	28	6	34	8	55	10	52	11	26	1	57	2	31
9	3	16	5	48	1	22	5	29	6	35	8	57	10	54	11	29	1	57	2	32
10	3	13	5	46	1	22	5	29	6	36	8	58	10	57	11	32	1	59	2	34
11	3	9	5	45	1	22	5	30	6	37	8	59	10	59	11	36	2	00	2	37
12	3	6	5	43	1	22	5	30	6	38	9	1	11	2	11	39	2	01	2	38
13	3	2	5	42	1	22	5	31	6	38	9	2	11	4	11	42	2	02	2	40
14	2	59	5	40	1	22	5	31	6	39	9	4	11	7	11	46	2	03	2	42
15	2	55	5	39	1	22	5	32	6	40	9	5	11	9	11	50	2	04	2	45
16	2	52	5	38	1	22	5	32	6	41	9	7	11	12	11	53	2	05	2	46
17	2	48	5	36	1	22	5	33	6	42	9	8	11	14	11	57	2	06	2	49
18	2	44	5	35	1	22	5	33	6	43	9	9	11	17	12	1	2	08	2	52
19	2	40	5	34	1	22	5	34	6	43	9	11	11	19	12	5	2	08	2	54
20	2	36	5	32	1	22	5	34	6	44	9	12	11	22	12	9	2	10	2	57
21	2	32	5	31	1	22	5	35	6	45	9	13	11	25	12	13	2	12	3	00
22	2	28	5	30	1	22	5	36	6	46	9	15	11	27	12	19	2	12	3	02
23	2	24	5	29	1	22	5	36	6	47	9	16	11	30	12	22	2	14	3	06
24	2	20	5	28	1	22	5	36	6	47	9	17	11	32	12	27	2	15	3	10
25	2	15	5	27	1	22	5	37	6	48	9	18	11	35	12	32	2	17	3	14
26	2	10	5	26	1	22	5	37	6	49	9	20	11	37	12	37	2	17	3	17
27	2	4	5	25	1	22	5	38	6	49	9	21	11	40	12	43	2	19	3	22
28	1	58	5	24	1	23	5	38	6	50	9	22	11	42	12	50	2	20	3	28
29	1	51	5	23	1	23	5	39	6	51	9	23	11	45	12	58	2	22	3	35
30	1	43	5	22	1	23	5	39	6	51	9	24	11	47	13	9	2	23	3	45
31	**	***	5	21	1	23	5	40	6	52	9	25	11	49	***	***	2	24	**	**

FRANKFURT GERMANY JUNE

Date	Fajr		Sun rise		Zawa mid-day		Misl-e-awwal		Misl-e-sani		Sun set		Isha 1end of shafaq-e-ahmerr		Isha 2end of shafaq-e-abyad		تفاوت مابین غروب شمس وشفق احمر	
			hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	گھنٹہ	منٹ
1	**	***	5	21	1	23	5	40	6	53	9	26	11	52	**	***	2	26
2	**	***	5	20	1	23	5	41	6	53	9	27	11	54	**	***	2	27
3	**	***	5	19	1	23	5	41	6	54	9	28	11	56	**	***	2	28
4	**	***	5	18	1	24	5	41	6	54	9	29	11	58	**	***	2	29
5	**	***	5	18	1	24	5	42	6	55	9	30	12	1	**	***	2	31
6	**	***	5	17	1	24	5	42	6	56	9	31	12	3	**	***	2	32
7	**	***	5	17	1	24	5	43	6	56	9	32	12	5	**	***	2	33
8	**	***	5	16	1	24	5	43	6	57	9	33	12	7	**	***	2	34
9	**	***	5	16	1	25	5	43	6	57	9	33	12	8	**	***	2	35
10	**	***	5	16	1	25	5	44	6	58	9	34	12	10	**	***	2	36
11	**	***	5	15	1	25	5	44	6	58	9	35	12	12	**	***	2	37
12	**	***	5	15	1	25	5	44	6	58	9	35	12	13	**	***	2	38
13	**	***	5	15	1	25	5	45	6	59	9	36	12	15	**	***	2	39
14	**	***	5	15	1	26	5	45	6	59	9	37	12	16	**	***	2	39
15	**	***	5	15	1	26	5	45	7	0	9	37	12	17	**	***	2	40
16	**	***	5	15	1	26	5	46	7	0	9	38	12	18	**	***	2	40
17	**	***	5	15	1	26	5	46	7	0	9	38	12	19	**	***	2	41
18	**	***	5	15	1	26	5	46	7	1	9	38	12	20	**	***	2	42
19	**	***	5	15	1	27	5	47	7	1	9	39	12	20	**	***	2	41
20	**	***	5	15	1	27	5	47	7	1	9	39	12	21	**	***	2	42
21	**	***	5	15	1	27	5	47	7	1	9	39	12	21	**	***	2	42
22	**	***	5	15	1	27	5	47	7	2	9	39	12	21	**	***	2	42
23	**	***	5	16	1	27	5	47	7	2	9	40	12	21	**	***	2	41
24	**	***	5	16	1	28	5	48	7	2	9	40	12	21	**	***	2	41
25	**	***	5	16	1	28	5	48	7	2	9	40	12	21	**	***	2	41
26	**	***	5	17	1	28	5	48	7	2	9	40	12	20	**	***	2	40
27	**	***	5	17	1	28	5	48	7	2	9	40	12	19	**	***	2	39
28	**	***	5	18	1	29	5	48	7	2	9	39	12	19	**	***	2	40
29	**	***	5	18	1	29	5	48	7	2	9	39	12	18	**	***	2	39
30	**	***	5	19	1	29	5	48	7	2	9	39	12	17	**	***	2	38

FRANKFURT GERMANY JULY

Date	Fajr		Sun rise		Zawa mid-day		Misl-e-awwal		Misl-e-sani		Sun set		Isha 1end of shafaq-e-ahmerr		Isha 2end of shafaq-e-abyad		تفاوت مابین غروب شمس و شفق احمر		تفاوت مابین غروب آفتاب و شفق ابیض	
			hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ
1	**	***	5	19	1	29	5	48	7	2	9	39	12	16	**	***	2	37		
2	**	***	5	20	1	29	5	48	7	2	9	39	12	14	**	***	2	35		
3	**	***	5	21	1	30	5	48	7	2	9	38	12	13	**	***	2	35		
4	**	***	5	21	1	30	5	48	7	2	9	38	12	11	**	***	2	33		
5	**	***	5	22	1	30	5	48	7	2	9	37	12	10	**	***	2	33		
6	**	***	5	23	1	30	5	48	7	2	9	37	12	8	**	***	2	31		
7	**	***	5	24	1	30	5	48	7	1	9	36	12	6	**	***	2	30		
8	**	***	5	25	1	30	5	48	7	1	9	36	12	5	**	***	2	29		
9	**	***	5	26	1	31	5	48	7	1	9	35	12	3	**	***	2	28		
10	**	***	5	27	1	31	5	48	7	1	9	34	12	1	**	***	2	27		
11	**	***	5	28	1	31	5	48	7	0	9	34	11	59	**	***	2	25		
12	**	***	5	29	1	31	5	48	7	0	9	33	11	57	**	**	2	24		
13	1	40	5	30	1	31	5	47	7	0	9	32	11	55	13	14	2	23	3	42
14	1	54	5	31	1	31	5	47	6	59	9	31	11	52	13	4	2	21	3	33
15	2	2	5	32	1	31	5	47	6	59	9	30	11	50	12	57	2	20	3	27
16	2	9	5	33	1	31	5	47	6	58	9	29	11	48	12	50	2	19	3	21
17	2	15	5	34	1	31	5	47	6	58	9	28	11	46	12	45	2	18	3	17
18	2	20	5	35	1	32	5	46	6	57	9	27	11	43	12	40	2	16	3	13
19	2	25	5	36	1	32	5	46	6	57	9	26	11	41	12	35	2	15	3	09
20	2	30	5	38	1	32	5	46	6	56	9	25	11	39	12	31	2	14	3	06
21	2	35	5	39	1	32	5	45	6	55	9	24	11	36	12	26	2	12	3	02
22	2	39	5	40	1	32	5	45	6	55	9	23	11	34	12	22	2	11	2	59
23	2	43	5	41	1	32	5	44	6	54	9	22	11	31	12	18	2	09	2	56
24	2	47	5	43	1	32	5	44	6	53	9	21	11	29	12	14	2	08	2	53
25	2	51	5	44	1	32	5	43	6	53	9	19	11	27	12	10	2	8	2	51
26	2	55	5	45	1	32	5	43	6	52	9	18	11	24	12	6	2	06	2	43
27	2	59	5	47	1	32	5	42	6	51	9	17	11	21	12	3	2	04	2	46
28	3	2	5	48	1	32	5	42	6	50	9	15	11	19	11	59	2	04	2	44
29	3	6	5	49	1	32	5	41	6	49	9	14	11	16	11	56	2	02	2	42
30	3	9	5	51	1	32	5	41	6	48	9	12	11	14	11	52	2	02	2	40
31	3	13	5	52	1	32	5	40	6	48	9	11	11	11	11	49	2	00	2	38

FRANKFURT GERMANY AUGUST

Date	Fajr		Sun rise		Zawa mid-day		Misl-e-awwal		Misl-e-sani		Sun set		Isha 1end of shafaq-e-ahmerr		Isha 2end of shafaq-e-abyad		تفاوت مابین غروب شمس و شفق احمر		تفاوت مابین غروب آفتاب و شفق ابیض	
			hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ
1	3	16	5	54	1	32	5	40	6	47	9	9	11	9	11	45	2	00	2	36
2	3	19	5	55	1	32	5	39	6	46	9	8	11	6	11	42	1	58	2	34
3	3	23	5	56	1	32	5	38	6	45	9	6	11	3	11	38	1	57	2	32
4	3	26	5	58	1	31	5	37	6	44	9	4	11	1	11	35	1	57	2	31
5	3	29	5	59	1	31	5	37	6	43	9	3	10	58	11	32	1	55	2	29
6	3	32	6	1	1	31	5	36	6	42	9	1	10	56	11	28	1	55	2	27
7	3	35	6	2	1	31	5	35	6	40	9	0	10	53	11	25	1	53	2	25
8	3	38	6	4	1	31	5	34	6	39	8	58	10	50	11	22	1	52	2	24
9	3	41	6	5	1	31	5	34	6	38	8	56	10	48	11	19	1	52	2	23
10	3	44	6	7	1	31	5	33	6	37	8	54	10	45	11	16	1	51	2	22
11	3	47	6	8	1	31	5	32	6	36	8	52	10	42	11	12	1	50	2	20
12	3	50	6	9	1	30	5	31	6	35	8	51	10	40	11	9	1	49	2	18
13	3	52	6	11	1	30	5	30	6	33	8	49	10	37	11	6	1	48	2	17
14	3	55	6	12	1	30	5	29	6	32	8	47	10	34	11	3	1	47	2	16
15	3	58	6	14	1	30	5	28	6	31	8	45	10	32	11	0	1	47	2	15
16	4	1	6	15	1	29	5	27	6	29	8	43	10	29	10	57	1	46	2	14
17	4	3	6	17	1	29	5	26	6	28	8	41	10	27	10	54	1	46	2	13
18	4	6	6	18	1	29	5	25	6	27	8	39	10	24	10	51	1	45	2	12
19	4	8	6	20	1	29	5	24	6	25	8	37	10	21	10	48	1	44	2	11
20	4	11	6	21	1	29	5	23	6	24	8	35	10	19	10	45	1	44	2	10
21	4	13	6	23	1	29	5	22	6	22	8	33	10	16	10	42	1	43	2	09
22	4	16	6	24	1	28	5	21	6	21	8	31	10	13	10	39	1	42	2	08
23	4	18	6	26	1	28	5	20	6	20	8	29	10	11	10	36	1	42	2	07
24	4	21	6	27	1	28	5	18	6	18	8	27	10	8	10	33	1	41	2	06
25	4	23	6	29	1	28	5	17	6	17	8	25	10	5	10	30	1	40	2	05
26	4	25	6	30	1	27	5	16	6	15	8	23	10	3	10	27	1	40	2	04
27	4	28	6	32	1	27	5	15	6	13	8	21	10	0	10	24	1	39	2	03
28	4	30	6	33	1	27	5	14	6	12	8	19	9	58	10	22	1	39	2	03
29	4	32	6	35	1	26	5	12	6	10	8	17	9	55	10	19	1	38	2	02
30	4	35	6	36	1	26	5	11	6	9	8	15	9	52	10	16	1	37	2	01
31	4	37	6	38	1	26	5	10	6	7	8	13	9	50	10	13	1	37	2	00

FRANKFURT GERMANY SEPTEMBER

Date	Fajr		Sun rise		Zawa mid-day		Misl-e-awwal		Misl-e-sani		Sun set		Isha 1endof shafaq-e-ahmerr		Isha 2end of shafaq-e-abyad		تفاوت مابین غروب شمس و شفق احمر		تفاوت مابین غروب آفتاب و شفق ابیض	
			hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ
1	4	39	6	39	1	25	5	9	6	5	8	11	9	47	10	10	1	36	1	59
2	4	41	6	41	1	25	5	7	6	4	8	9	9	44	10	7	1	35	1	58
3	4	43	6	42	1	25	5	6	6	2	8	6	9	42	10	5	1	36	1	59
4	4	45	6	44	1	24	5	5	6	0	8	4	9	39	10	2	1	35	1	58
5	4	48	6	45	1	24	5	3	5	59	8	2	9	37	9	59	1	35	1	57
6	4	50	6	47	1	24	5	2	5	57	8	0	9	34	9	56	1	34	1	56
7	4	52	6	48	1	23	5	0	5	55	7	58	9	32	9	54	1	34	1	56
8	4	54	6	50	1	23	4	59	5	54	7	56	9	29	9	51	1	33	1	55
9	4	56	6	51	1	23	4	58	5	52	7	53	9	27	9	48	1	34	1	55
10	4	58	6	53	1	22	4	56	5	50	7	51	9	24	9	45	1	33	1	54
11	5	0	6	54	1	22	4	55	5	48	7	49	9	21	9	43	1	32	1	54
12	5	2	6	56	1	22	4	53	5	46	7	47	9	19	9	40	1	32	1	53
13	5	4	6	57	1	21	4	52	5	45	7	45	9	16	9	38	1	31	1	53
14	5	6	6	59	1	21	4	50	5	43	7	42	9	14	9	35	1	32	1	53
15	5	7	7	0	1	21	4	49	5	41	7	40	9	11	9	32	1	31	1	52
16	5	9	7	2	1	20	4	47	5	39	7	38	9	9	9	30	1	31	1	52
17	5	11	7	3	1	20	4	46	5	37	7	36	9	7	9	27	1	31	1	51
18	5	13	7	5	1	20	4	44	5	35	7	34	9	4	9	25	1	30	1	51
19	5	15	7	6	1	19	4	42	5	34	7	31	9	2	9	22	1	31	1	51
20	5	17	7	8	1	19	4	41	5	32	7	29	8	59	9	19	1	30	1	50
21	5	19	7	9	1	19	4	39	5	30	7	27	8	57	9	17	1	30	1	50
22	5	20	7	11	1	18	4	38	5	28	7	25	8	54	9	14	1	29	1	49
23	5	22	7	12	1	18	4	36	5	26	7	23	8	52	9	12	1	29	1	49
24	5	24	7	14	1	17	4	35	5	24	7	20	8	50	9	10	1	30	1	50
25	5	26	7	15	1	17	4	33	5	22	7	18	8	47	9	7	1	29	1	49
26	5	27	7	17	1	17	4	31	5	20	7	16	8	45	9	5	1	29	1	49
27	5	29	7	18	1	16	4	30	5	18	7	14	8	43	9	2	1	29	1	48
28	5	31	7	20	1	16	4	28	5	17	7	11	8	40	9	0	1	29	1	49
29	5	33	7	22	1	16	4	27	5	15	7	9	8	38	8	58	1	29	1	49
30	4	34	6	23	12	15	3	25	4	13	6	7	7	36	7	55	1	29	1	48

FRANKFURT GERMANY OCTOBER

Date	Fajr		Sun rise		Zawa mid-day		Misl-e-awwal		Misl-e-sani		Sun set		Isha 1endof shafaq-e-ahmerr		Isha 2end of shafaq-e-abyad		تفاوت مابین غروب شمس و شفق احمر		تفاوت مابین غروب آفتاب و شفق ابیض	
			hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ
1	4	36	6	25	12	15	3	23	4	11	6	5	7	33	7	53	1	28	1	48
2	4	38	6	26	12	15	3	22	4	9	6	3	7	31	7	51	1	28	1	48
3	4	39	6	28	12	15	3	20	4	7	6	1	7	29	7	48	1	28	1	47
4	4	41	6	29	12	14	3	18	4	5	5	58	7	27	7	46	1	29	1	48
5	4	43	6	31	12	14	3	17	4	3	5	56	7	25	7	44	1	29	1	48
6	4	44	6	32	12	14	3	15	4	1	5	54	7	22	7	41	1	28	1	47
7	4	46	6	34	12	13	3	14	3	59	5	52	7	20	7	39	1	28	1	47
8	4	48	6	35	12	13	3	12	3	57	5	50	7	18	7	37	1	28	1	47
9	4	49	6	37	12	13	3	10	3	55	5	48	7	16	7	35	1	28	1	47
10	4	51	6	39	12	12	3	9	3	54	5	46	7	14	7	33	1	28	1	47
11	4	52	6	40	12	12	3	7	3	52	5	43	7	12	7	31	1	29	1	48
12	4	54	6	42	12	12	3	5	3	50	5	41	7	10	7	29	1	29	1	48
13	4	56	6	43	12	12	3	4	3	48	5	39	7	8	7	27	1	29	1	48
14	4	57	6	45	12	11	3	2	3	46	5	37	7	6	7	24	1	29	1	47
15	4	59	6	47	12	11	3	1	3	44	5	35	7	4	7	22	1	29	1	47
16	5	0	6	48	12	11	2	59	3	42	5	33	7	2	7	20	1	29	1	47
17	5	2	6	50	12	11	2	57	3	40	5	31	7	0	7	18	1	29	1	47
18	5	3	6	51	12	11	2	56	3	39	5	29	6	58	7	17	1	29	1	48
19	5	5	6	53	12	10	2	54	3	37	5	27	6	56	7	15	1	29	1	48
20	5	6	6	55	12	10	2	53	3	35	5	25	6	54	7	13	1	29	1	48
21	5	8	6	56	12	10	2	51	3	33	5	23	6	52	7	11	1	29	1	48
22	5	10	6	58	12	10	2	50	3	31	5	21	6	50	7	9	1	29	1	48
23	5	11	7	0	12	10	2	48	3	29	5	19	6	48	7	7	1	29	1	48
24	5	13	7	1	12	10	2	47	3	26	5	17	6	47	7	5	1	30	1	48
25	5	14	7	3	12	10	2	45	3	26	5	15	6	45	7	4	1	30	1	49
26	5	16	7	5	12	9	2	44	3	24	5	14	6	43	7	2	1	29	1	48
27	5	17	7	6	12	9	2	42	3	23	5	12	6	42	7	0	1	30	1	48
28	5	19	7	8	12	9	2	41	3	21	5	10	6	40	6	59	1	30	1	49
29	5	20	7	10	12	9	2	39	3	19	5	8	6	38	6	57	1	30	1	49
30	5	22	7	11	12	9	2	38	3	17	5	6	6	37	6	55	1	31	1	49
31	5	23	7	13	12	9	2	37	3	16	5	5	6	35	6	54	1	30	1	49

FRANKFURT GERMANY NOVEMBER

Date	Fajr		Sun rise		Zawa mid-day		Misl-e-awwal		Misl-e-sani		Su. set		Isha 1end of shafaq-e-ahmerr		Isha 2end of shafaq-e-abyad		تفاوت مابین غروب شمس و شفق احمر		تفاوت مابین غروب آفتاب وشفق ابیض	
			hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ
1	5	25	7	15	12	9	2	35	3	14	5	3	6	34	6	52	1	31	1	49
2	5	26	7	16	12	9	2	34	3	13	5	1	6	32	6	51	1	31	1	50
3	5	27	7	18	12	9	2	33	3	11	4	59	6	31	6	49	1	32	1	50
4	5	29	7	20	12	9	2	31	3	9	4	58	6	29	6	48	1	31	1	50
5	5	30	7	21	12	9	2	30	3	8	4	56	6	28	6	46	1	32	1	50
6	5	32	7	23	12	9	2	29	3	6	4	55	6	26	6	45	1	31	1	50
7	5	33	7	25	12	9	2	27	3	5	4	53	6	25	6	44	1	32	1	51
8	5	35	7	26	12	9	2	26	3	3	4	51	6	24	6	42	1	33	1	51
9	5	36	7	28	12	9	2	25	3	2	4	50	6	22	6	41	1	32	1	51
10	5	38	7	30	12	9	2	24	3	1	4	48	6	21	6	40	1	33	1	52
11	5	49	7	31	12	9	2	23	2	59	4	47	6	20	6	39	1	33	1	52
12	5	40	7	33	12	10	2	22	2	58	4	46	6	19	6	38	1	33	1	52
13	5	42	7	35	12	10	2	21	2	57	4	44	6	[illegible]	6	37	1	34	1	53
14	5	43	7	36	12	10	2	20	2	55	4	43	6	17	6	35	1	34	1	52
15	5	44	7	38	12	10	2	19	2	54	4	42	6	15	6	34	1	33	1	52
16	5	46	7	39	12	10	2	18	2	53	4	40	6	14	6	33	1	34	1	53
17	5	47	7	41	12	10	2	17	2	52	4	39	6	13	6	32	1	34	1	53
18	5	49	7	43	12	11	2	16	2	51	4	38	6	13	6	32	1	35	1	54
19	5	50	7	44	12	11	2	15	2	50	4	37	6	12	6	31	1	35	1	54
20	5	51	7	46	12	11	2	14	2	49	4	36	6	11	6	30	1	35	1	54
21	5	52	7	47	12	11	2	13	2	48	4	35	6	10	6	29	1	35	1	54
22	5	54	7	49	12	11	2	13	2	47	4	34	6	9	6	28	1	35	1	54
23	5	55	7	50	12	12	2	12	2	46	4	33	6	8	6	28	1	35	1	55
24	5	56	7	52	12	12	2	11	2	45	4	32	6	8	6	27	1	36	1	55
25	5	57	7	53	12	12	2	11	2	44	4	31	6	7	6	26	1	36	1	55
26	5	59	7	55	12	13	2	10	2	43	4	30	6	6	6	26	1	36	1	56
27	6	0	7	56	12	13	2	9	2	42	4	29	6	6	6	25	1	37	1	56
28	6	1	7	58	12	13	2	9	2	42	4	28	6	5	6	25	1	37	1	57
29	6	2	7	49	12	14	2	8	2	41	4	28	6	5	6	24	1	37	1	56
30	6	3	8	1	12	14	2	8	2	41	4	27	6	4	6	24	1	37	1	57

FRANKFURT GERMANY DECEMBER

Date	Fajr		Sun rise		Zawa mid-day		Misl-e-awwal		Misl-e-sani		Sun set		Isha 1end of shafaq-e-ahmerr		Isha 2end of shafaq-e-abyad		تفاوت مابین غروب شمس و شفق احمر		تفاوت مابین غروب آفتاب و شفق ابیض	
			hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	hr	mt	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ
1	6	5	8	2	12	14	2	7	2	40	4	26	6	4	6	23	1	38	1	57
2	6	6	8	3	12	15	2	7	2	39	4	26	6	4	6	23	1	38	1	57
3	6	7	5	8	12	15	2	7	2	39	4	25	6	3	6	23	1	38	1	58
4	6	8	8	6	12	16	2	7	2	39	4	25	6	3	6	23	1	38	1	58
5	6	9	8	7	12	16	2	6	2	38	4	25	6	3	6	22	1	38	1	57
6	6	10	8	8	12	16	2	6	2	38	4	24	6	3	6	22	1	39	1	58
7	6	11	8	9	12	17	2	6	2	38	4	24	6	3	6	22	1	39	1	58
8	6	12	8	11	12	17	2	6	2	37	4	24	6	3	6	22	1	39	1	58
9	6	13	8	12	12	18	2	6	2	37	4	23	6	2	6	22	1	39	1	59
10	6	14	8	13	12	18	2	6	2	37	4	23	6	2	6	22	1	39	1	59
11	6	14	8	14	12	19	2	6	2	37	4	23	6	3	6	22	1	40	1	59
12	6	15	8	15	12	19	2	6	2	37	4	23	6	3	6	22	1	40	1	59
13	6	16	8	16	12	20	2	6	2	37	4	23	6	3	6	22	1	40	1	59
14	6	17	8	17	12	20	2	6	2	37	4	23	6	3	6	22	1	40	1	59
15	6	18	8	17	12	20	2	6	2	37	4	23	6	3	6	23	1	40	2	00
16	6	18	8	18	12	21	2	7	2	38	4	24	6	3	6	23	1	39	1	59
17	6	19	8	19	12	21	2	7	2	38	4	24	6	4	6	23	1	40	1	59
18	6	20	8	20	12	22	2	7	2	38	4	24	6	4	6	24	1	40	2	00
19	6	20	8	20	12	22	2	8	2	39	4	25	6	4	6	24	1	39	1	59
20	6	21	8	21	12	23	2	8	2	39	4	25	6	5	6	24	1	40	1	59
21	6	21	8	22	12	23	2	9	2	39	4	25	6	5	6	25	1	40	2	00
22	6	22	8	22	12	24	2	9	2	40	4	26	6	6	6	25	1	40	1	59
23	6	22	8	22	12	24	2	10	2	40	4	26	6	6	6	26	1	40	2	00
24	6	23	8	23	12	25	2	10	2	41	4	27	6	7	6	27	1	40	2	00
25	6	23	8	23	12	25	2	11	2	42	4	28	6	8	6	27	1	40	1	59
26	6	24	8	24	12	26	2	12	2	42	4	28	6	8	6	28	1	40	2	00
27	6	24	8	24	12	26	2	12	2	43	4	29	6	9	6	28	1	40	1	59
28	6	24	8	24	12	27	2	13	2	44	4	30	6	10	6	29	1	40	1	5*9
29	6	24	8	24	12	27	2	14	2	45	4	31	6	10	6	30	1	39	1	59
30	6	25	8	24	12	28	2	15	2	46	4	32	6	11	6	31	1	39	1	59
31	6	25	8	24	12	28	2	15	2	47	4	33	6	12	6	32	1	39	1	59

تاخیرِ واجب کی مقدار

تاخیر کی واجب مقدار

منقول از البلاغ، شمارہ شعبان ۱۳۸۸ھ

ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ کا ماہنامہ البلاغ شمارہ نمبر ۴ ایک دوست سے موصول ہوا پڑھنے سے بہت پسند آیا اس میں زیر عنوان ''اپنی نمازیں درست کیجئے'' مسئلہ نمبر ۳ یہ لکھا ہے کہ اگر آپ غلطی سے پہلی یا تیسری رکعت میں بیٹھ گئے تو فوراً کھڑے ہو جایئے، اگر بیٹھ کر اتنی دیر گذر گئی کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہا جا سکے تو سجدہ سہو کرنا ضروری ہے ورنہ نہیں۔ بحوالہ کتب محقق فرماویں تاکہ تسلی ہو، کیونکہ کبیری میں اس کے خلاف تصریح ہے، یعنی تین مرتبہ سبحان اللہ کی مقدار کی تاخیر کی قید نہیں ہے۔ وہ عبارت یہ ہے۔

ولو قام فی الصلوٰة الرباعية إلى الركعة الخامسة أو قعد بعد رفع راسه من السجود فی الركعة الثالثة، أو قام ألى الرابعة فی المغرب أو الثالثة فيه أوفى الفجر أو قعد بعد رفعه من الركعة الأولى فی جميع الصلوٰة يجب عليه سجود السهو بمجرد القيام فی صورة ولمجردة والقصور فی صورة التا خير الواجبْ و هو التشهد أو السلام فی صورة القيام و تا خير الركن و هو القيام فی صورة القعود، فقط،

(اقبال محمد حسین خانوالی موضع بلو خیل پر اناڈاکخانہ وضلع میانوالی)

اس مسئلے میں احقر کو بھی شک تھا، اس لئے ایک مرتبہ اس کی تحقیق لکھ کر

والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مد ظلہم العالی کو دکھائی تھی، موصوف نے اس کی تصدیق فرما کر اسے امداد الفتاویٰ جلد اول صفحہ ۳۵۲ طبع جدید کراچی کا جزو بنادیا تھا، اس تحقیق کا حاصل یہی ہے کہ مجرد قعود سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا بلکہ مقدار تاخیر سے واجب ہوتا ہے، جس کی تعیین تین تسبیحات سے کی گئی ہے۔

علامہ طحطاویؒ مراقی الفلاح کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں" و ھو مقدار ثلاث تسبیحات " (ص ۲۵۸ ج ۱) اس کی مقدار تین بار سبحان اللہ کہنا مقرر کیا گیاہے، تفصیل کے لئے امداد الفتاویٰ کے مذکورہ حاشیہ کی طرف رجوع فرماوئیں۔
یہاں علامہ شامی کی ایک تصریح مختصر ذکر کردیتا ہوں۔

شامیہ میں ہے کہ :

" و یکبر للنھوض علی صدور قدمیہ بلا اعتماد و قعود استراحة ولو فعل لا بأس ".

☆☆☆

خواتین کی نماز باجماعت میں شرکت

خواتین کی نماز باجماعت میں شرکت

(منقول از البلاغ رمضان ۱۳۸۸ھ)

عورتوں کو مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

مختصر جواب تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جانا بالاتفاق ممنوع ہے۔

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ عورتوں کو عہدِ رسالت میں مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ نماز کے لئے مسجد آنے کی اجازت تھی۔

شرائط (۱) خوشبو لگا کر نہ آئیں۔ (۲) بن سنور کر نہ آئیں۔ (۳) راستہ کے بیچوں بیچ نہ چلیں۔ (۴) رات میں آئیں دن میں نہیں۔ (۵) پردہ کے ساتھ آئیں۔ (۶) عورتوں کی صف سب سے آخر میں ہو۔ (۷) عورتیں مسجد سے پہلے نکلیں اور مرد بعد میں۔ (۸) کسی بھی مرحلہ میں مردوں کے ساتھ اختلاط لازم نہ آئے۔ (۹) بعض حالات میں یہ تاکید بھی ہوتی تھی کہ عورتیں سجدہ سے اس وقت تک سر نہ اٹھائیں جب تک کہ مرد سجدہ سے نہ اٹھ جائیں۔

جن احادیث میں یہ شرائط و ہدایات بیان کی گئی ہیں وہ ترتیب وار درج ذیل ہیں۔

۱۔ پہلی شرط کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے خواتین سے فرمایا کہ:

اذا شہدت احداکُنَّ المسجد فلا تَمسَّ طِیْباً رواہ مسلم۔ (مشکوٰۃ ص۹۶ ج۱)

جب تم میں سے کوئی مسجد آئے تو کسی قسم کی خوشبو نہ لگائے۔

۲- دوسری شرط کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:

یا ایھا النّاس انھوا نسائکُمْ عن لبس الزینۃ والتبختر فی المسجد . (ابن ماجہ)

اے لوگوں! تم اپنی عورتوں کو مسجد میں زینت کرنے اور نازو انداز سے چلنے پھرنے سے روکو۔

۳- تیسری شرط کے بارے میں مسجد آنے والی خواتین سے فرمایا:

لَیْسَ لَکُنَّ اَنْ تَحْقُقْنَ الطریق علیکن بحافات الطریق، فکانت المرأۃتَلْصَقُ بالجدار حتی انَّ ثوبھا لیتعلق بالجدار رواہ ابو داؤد. (مشکوٰۃ شریف ص۴۰۵ ج۲)

تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم راستہ کے درمیان میں چلو، راستہ کے کناروں پر چلا کرو (راوی کہتے ہیں کہ) اس کے بعد عورتیں دیوار سے لگ کر چلا کرتی تھیں حتیٰ کہ ان کے کپڑے دیوار میں اٹکنے لگتے تھے۔

۴- چوتھی شرط اس طرح بیان فرمائی کہ:

اذا استأذَنکُمْ نساء کم باللیل الیٰ المسجد فأذنوا لھُنَّ.

(بخاری ص۱۱۹ ج اول)

جب تم (مردوں) سے تمہاری عورتیں رات کو مسجد جانے کی اجازت طلب کریں تو ان کو اجازت دے دو۔

اس میں آپؐ نے اجازت کو رات کے ساتھ مشروط کیا ہے جن بعض روایات میں رات کاذکر اختصاراً ترک کردیا گیا ہے ان میں بھی قواعد کی رو سے یہ شرط مراد لیجائے گی، شارحین حدیث نے اس کی صراحت کی ہے۔

۵- پانچویں شرط قرآن حکیم میں مذکور ہے جو ہر حالت کے لئے ہے، خواہ گھر سے نماز کے لئے نکلیں یا کسی اور کام سے۔

ارشاد باری ہے:

﴿یَا اَیُّهَاالنَّبِیُّ قُل لاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جلاَ بِیْبِهِنَّ﴾.

اے نبی اپنی بیویوں، صاحبزادیوں اور تمام مومنین کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں تھوڑی سی لٹکا بھی لیا کریں۔

یعنی علاوہ بدن ڈھانپنے کے اپنے چہروں پر بھی چادر ڈال لیا کریں، چنانچہ بخاری کی روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "عورتیں جب صبح کی نماز پڑھ کر واپس جاتی تھیں تو چادروں میں اس طرح لپٹی ہوئی ہوتی تھیں کہ تاریکی میں پہچانی نہیں جاتی تھیں" (بخاری ص ۱۲۰ ج ۱)

بعض روایات میں ہے کہ "مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ دیکھنے کے لئے کھلی رہتی تھی" (حاشیہ ترجمہ قرآن حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ)

۶- چھٹی ہدایت کے الفاظ یہ ہیں۔

خیر صفوف النسآء آخِرُها وشرُّها اوّلُها. (مسلم ص ۱۸۴ ج ۱)

عورتوں کی سب سے اچھی صف آخری صف ہے۔ اور سب سے بری صف پہلی صف ہے۔

۷- ساتویں شرط کے بارے میں ام المؤمنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ :

انَّ النسآء فی عهد رسول الله ﷺ کنَّ اذا سلَّمْنَ من المکتوبة قُمْنَ وثبت رسول الله ﷺ ومن صلّی من الرجال ماشاء الله فاذ اقام رسول الله ﷺ قام الرجال.

(بخاری ص۱۱۹ ج اول)

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عورتیں فرض نماز سے سلام پھیرتے ہی اٹھ کر چلی جاتی تھیں اور آنحضرت ﷺ اور دوسرے مرد بیٹھے رہتے تھے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ اٹھتے تو مرد بھی اٹھ جاتے۔

۸- آٹھویں شرط کے بارے میں ابوداؤد اور بیہقی کی روایت ہے کہ :

عن ابی اسیدؓ انّه سَمِعَ رَسُوْلَ الله ﷺ یقول: وهو خارجٌ من المسجد فاختلط الرجال مع النساء فی الطریق، فقال: استأخرون فانّه لیس لکُنَّ ان تَحْقُقْنَ الطریق.

(مشکوٰۃ ص۴۰۵ ج۲)

ابو اسید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد سے نکل رہا تھا کہ نکلتے وقت مرد اور عورتیں خلط ملط ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم راستہ کے وسط میں چلو۔

۹- نویں ہدایت کے بارے میں حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ :

لقد رأیتَ الرجال عاقدی أُزرھم فی اعناقھم مثل الصبیان من ضیق الاز رخلف النبی ﷺ فقال قائلٌ: یا معشر النساء لا ترفعْنَ رؤسکنَّ حتی یرفع الرجال. (مسلم ص ۱۸۲ ج اول)

میں نے لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے پیچھے اس حالت میں دیکھا کہ انہوں نے اپنے تہہ بند کی گرہ گلے میں باندھ رکھی تھی کیونکہ تہ بند چوڑائی میں زیادہ نہیں تھے تو کسی نے یہ اعلان کیا کہ اے خواتین تم سجدہ سے اپنے سر اس وقت تک نہ اٹھاؤ جب تک کہ مرد سجدہ سے نہ اٹھ جائیں۔

عہد رسالت میں ان تمام احتیاطی انتظامات اور پابندیوں کے باوجود بھی عورتوں کو ترغیب اسی کی دی جاتی تھی کہ وہ نماز مسجدوں کے بجائے گھروں میں ادا کیا کریں چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :

قال رسول اللہ ﷺ لا تمنعوا نساء کم المساجد. وبیوتھن خیرٌ لھُنَّ رواہ ابو داؤد (مشکوٰۃ ص۹۶)

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تم اپنی عورتوں کو مساجد سے نہ روکو، لیکن ان کے لئے گھر مسجدوں سے بہتر ہیں۔

ایک دوسری روایت حضرت ابوہریرہؓ سے ہے کہ :

صلوٰۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلواتھا فی حجرتھا وصلواتھا فی مخدعھا افضل من صلوٰتھا فی بیتھا۔ رواہ ابو

داؤد (مشکوۃ ص ۹۶ ج ۱)

عورت کا اپنے کمرے میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور کوٹھری میں نماز پڑھنا کمرے میں پڑھنے سے افضل ہے۔

تاہم آنحضرت ﷺ نے خواتین کو مسجد میں آنے سے بالکلیہ منع نہیں کیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ عہدِ رسالت نزول وحی کا زمانہ تھا روز ہی نئے نئے احکام شریعت نازل ہو رہے تھے، جنہیں جاننے کا بہترین ذریعہ نماز باجماعت کی حاضری تھی، کیونکہ عموماً آپ نماز سے پہلے یا بعد میں لوگوں کو شرعی احکام کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔

نیز یہ دور انسانی تاریخ کا بہترین دور تھا جس میں فتنے اور معاشرتی برائیاں اتنی مغلوب ہو گئی تھیں کہ نہ ہونے کے برابر تھیں۔

ممانعت کے اسباب

لیکن آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد حالات بدلنے لگے، ایک طرف تو علم دین اتنا پھیل گیا کہ سیکھنے کے لئے عورتوں کو مسجد میں آنے کی ضرورت باقی نہیں رہی، گھر گھر دینی علوم کے چرچے تھے۔

دوسری طرف معاشرتی برائیاں بھی ظاہر ہونے لگی تھیں، کہ نہ عورتوں میں اس درجہ کی احتیاط باقی رہی تھی نہ مردوں میں۔ ظاہر یہی تھا کہ اب ان تمام شرائط اور قیود کی پوری رعایت نہ ہو سکے گی جن کے ساتھ خواتین کو مسجد میں جانے کی اجازت دی گئی تھی۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

لَوْ اَدْرَكَ رسول الله ﷺ ما احدث النسآءُ لَمَنَعْهُنَّ المسجد كما مُنِعَتْ نساء بني اسرائيل. (بخاری ص ۱۲۰)

اگر آنحضرت ﷺ عورتوں کے وہ حالات دیکھتے جو عورتوں نے اب پیدا کر دیئے ہیں تو عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے ضرور روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔

انہی اسباب کی بنا پر عہد صحابہؓ ہی میں عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روک دیا گیا تھا، البتہ ایسی بوڑھی عورتیں جن کے بارے میں کسی قسم کے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو ان کو نہیں روکا گیا۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے بھی ایسی بوڑھی عورتوں کے بارے میں کہا ہے کہ وہ رات کی نمازوں میں مسجد آسکتی ہیں۔

فتویٰ

لیکن فقہائے متاخرین نے فتوے اس پر دیا ہے کہ اب بوڑھی عورتوں کے لئے بھی نماز کے لئے مسجد میں آنا مطلقاً ممنوع ہے، نہ دن میں جائز ہے نہ رات میں (شامی ص ۵۲۹ ج ۱)۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ کے ارشاد سے اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عہد رسالت میں اجازت اس شرط کے ساتھ مشروط تھی کہ فتنہ کا خوف نہ ہو، لہٰذا جس صورت میں فتنہ کا خوف ہوگا اسے ناجائز ہی قرار دیا جائے گا، اور اس زمانہ میں حالات اتنے بگڑ چکے ہیں، فساق و فجار کی درندگی اور دیدہ دلیری سے معمر خواتین بھی مامون نہیں رہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

جہاں صرف ایک گھنٹہ رات ہوتی ہے
وہاں نماز وروزوں کا حکم

جہاں صرف ایک گھنٹہ رات ہوتی ہے وہاں نماز روزوں کا حکم

منقول از "البلاغ" شمارہ شوال ۱۳۹۳ھ

ضروری وضاحت

ناچیز محمد رفیع عثمانی نے یہ جواب اپنے والد ماجد و شیخ و مربی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی حیات میں ۳۰/۳/۱۳۹۳ھ کو تحریر کیا تھا، اور حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصدیق فرمائی تھی، اس فتوی میں اس تحقیق کو اختیار کیا تھا جو حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ نے امداد الفتاوی جلد اوّل ص ۱۱۰ تا ص ۱۱۶ میں اختیار فرمائی ہے۔

مگر یاد رہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء حنفیہؒ کا اختلاف ہے، ایک قول وہی ہے جو اوپر جواب میں ذکر کیا گیا، اسے مندرجہ ذیل فقہائے کرام نے اختیار کیا ہے۔

(۱) ابو البرکات النسفی صاحب الکنز۔ (۲) علامہ حلبی شارح المنیہ۔ (۳) علامہ باقانی شارح الملتقی۔ (۴) علامہ شرنبلالی صاحب امداد الفتاح۔ (۵) علامہ نوح افندی صاحب حاشیۃ الدرر۔ (۶) صاحب النہر۔ (۷) شیخ علاء الدین حصکفی صاحب الدر المختار رحمہم اللہ تعالیٰ۔

دوسرا قول اس سے مختلف ہے، علامہ شامی نے دونوں اقوال کا صحیح ہونا

فقہائے اصحاب الترجیح سے نقل فرمایا ہے، حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امداد الفتاوی جلد ص ۱۱۰ تا ص ۱۱۶ میں دونوں قول ذکر فرمائے ہیں مگر ترجیح اسی قول کو ترجیح دی ہے، جسے ناچیز نے اپنے جواب میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، اب جبکہ یہ فتویٰ ناچیز کے کچھ دیگر تفصیلی فتاوی کے مجموعے میں شائع ہونے کے لئے جارہا ہے۔ تو قارئین کے فائدے کے لئے حکیم الامت حضرت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ بالا فتویٰ بھی امداد الفتاویٰ سے یہاں بعینہٖ نقل کردیا گیا ہے، تاکہ فقہاء کرام کے دونوں اقوال کی تفصیل سامنے آسکے اور پہلے قول کی ترجیح کی وجہ بھی سامنے آجائے، کیونکہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس قول کو ترجیح دی ہے، اگرچہ اس میں لوگوں کے لئے سہولت زیادہ ہے، مگر دوسرے قول پر عمل کرنے میں احتیاط زیادہ ہے۔ لہٰذا دونوں قول سامنے رکھنے میں یہ فائدہ ہوگا کہ جو لوگ زیادہ احتیاط والے قول پر عمل کرنا چاہیں کرسکیں گے، خاص طور سے اب ۲۰۰۰ء تک پہنچتے پہنچتے مسلمانوں کی آبادی ناروے اور برطانیہ اور دوسرے یورپی ممالک میں روز بروز تیزی سے بڑھ رہی ہے، مساجد بھی بکثرت بن رہی ہیں، ذرائع مواصلات کی سہولت اور کثرت کے باعث عالم اسلام کے دوسرے مسلمانوں سے انکے روابط مشکل نہیں رہیں، اور تقریباً ہر ملک میں حسابات کے ایسے مسلمان ماہرین موجود ہیں جو اوقات صلاۃ کا حساب بہت آسانی سے نکال سکتے ہیں، کمپیوٹر کے ذریعہ یہ کام اور آسان ہوگیا ہے، اس لئے بظاہر مشقت اس درجہ کی باقی نہیں رہی جس کی بنیاد پر حضرت تھانویؒ نے پہلے قول کو اختیار فرمایا تھا۔

لہٰذا اب ناچیز کا رجحان بھی دیگر متعدد علماء عصر کی طرح اسی طرف ہے کہ

ناروے اور برطانیہ جیسے ممالک میں جن موسموں میں وقت عشاء نہیں آتا وہاں بھی عشاء کی نماز ترک نہ کی جائے اور فقہاء کرامؒ کے دوسرے قول پر عمل کیا جائے۔ واللہ المستعان

محمد رفیع عثمانی
۱۴۲۰/۱۱/۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ :۔

وہ مسلمان جو شہر آسلو جو ملک ناروے کا بڑا شہر ہے، جہاں سورج موسم گرما میں صرف ایک گھنٹہ یا سوا گھنٹہ کے لئے غائب رہتا ہے۔ ورنہ ہمیشہ چمکتا رہتا ہے، اس کے برعکس سردیوں میں سورج نظر ہی نہیں آتا مگر طلوع وغروب میں صرف ۴ یا ۵ گھنٹوں کا فرق ہوتا ہے سوال یہ ہے کہ گرمیوں میں جبکہ دن ورات کے بیشتر حصے میں سورج چمکتا رہتا ہے تو نماز کے اوقات کا تعین کس طرح کیا جائے؟ نیز ماہ رمضان کا تعین اور روزے کے اوقات، سحری، افطاری، مغرب کی نماز تراویح وغیرہ کا وقت کس طرح متعین کیا جائے؟ بعینہ سردیوں کے موسم میں مذکورہ اوقات کا تعین کس طرح ہو؟ مفصل جواب دیا جائے تاکہ اس کا جواب کتابی شکل میں چھپوا کر وہاں کے بسنے والے مسلمانوں میں تقسیم کیا جا سکے۔

سائل: عبد العزیز خان معرفت رحمت اللہ
۷۵۔ بنگلور ٹاؤن، کراچی: ۸

الجواب ومنه الصدق والصواب

حامداً ومصلیاً

شریعت مطہرہ نے نماز کے لئے وقت کو سبب قرار دیا ہے۔ ہر نماز کا وقت اس کے لئے سبب ہے لہٰذا جہاں پانچوں اوقات پائے جائیں گے وہاں پانچوں نمازیں فرض ہوں گی اور جہاں ان اوقات میں سے کوئی وقت مفقود ہوگا وہاں اس وقت کی نماز بھی فرض نہ ہوگی۔ اس اصول کی رو سے جہاں عشاء کا وقت ہی نہیں آتا اس سے پہلے ہی صبح ہو جاتی ہے وہاں عشاء کی نماز فرض نہ ہوگی، لیکن سوال میں جس شہر کا ذکر ہے اس کے متعلق یہ تفصیل ہے کہ جتنے دن تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے کہ مغرب کا وقت ختم ہوتے ہی صبح کا وقت شروع ہو جاتا ہے، بیچ میں عشاء کا وقت نہیں آتا اتنے دنوں کی تو عشاء کی نماز فرض نہیں۔ لیکن جب گرمی کے موسم کے ختم پر بتدریج ان دونوں وقتوں میں فاصلہ شروع ہوگا اور جس دن اتنا فاصلہ متحقق ہو جائے گا جس میں عشاء کی چار رکعت فرض ادا کی جا سکے اس دن سے عشاء کی نماز فرض ہوگی۔ پھر جب وتر کا وقت ملے گا وتر بھی واجب ہوگا۔ اسی طرح جب موسم گرما کی ابتدا میں دونوں وقتوں کا درمیانی فاصلہ گھٹنا شروع ہوگا تو گھٹتے گھٹتے اگر یہاں تک پہنچ گیا کہ جس میں چار رکعت ادا نہیں کیجا سکتیں، اس تاریخ سے پھر عشاء کی نماز ساقط ہوگی۔ علیٰ ہذا القیاس اگر تراویح کا وقت ملتا ہے تو پڑھیں ورنہ نہیں۔

جس شہر کا سوال ہے اس میں اور ایسے تمام علاقوں میں جہاں دن اور رات کا مجموعہ تو ۲۴ گھنٹہ ہی ہوتا ہے اور رات اتنی دیر رہتی ہے کہ نماز مغرب سے فارغ ہو کر صبح صادق سے پہلے کھانا کھایا جا سکے وہاں روزہ رمضان کا حکم یہ ہے کہ جو

لوگ اتنا طویل روزہ رکھنے کی قدرت رکھتے ہیں وہ روزہ رکھیں، جس کا ثواب بھی دوسرے علاقوں کے مقابلہ میں بہت بڑا ہوگا۔

اور جو لوگ بیماری، بڑھاپے یا کمزوری کے باعث اتنا طویل روزہ رکھنے کی قدرت نہیں رکھتے، بیمار پڑ جانے یا بیماری بڑھ جانے کا قوی اندیشہ ہے وہ لوگ روزوں کی قضا ایسے موسم میں کرلیا کریں جبکہ دن کا طول ان کے لئے قابل برداشت ہو جائے، پھر اگر کسی کا ایسے موسم سے پہلے ہی انتقال ہو جائے کہ جس میں روزہ رکھنا اس کے لئے ممکن ہو تا تو ان روزوں کی فرضیت ساقط ہو جائے گی اور قضا نہ کرنے کا کوئی گناہ نہ ہوگا۔ اور فدیہ بھی واجب نہ ہوگا۔ اور اگر ایسا موسم شروع ہونے اور صحت و قوت کے باوجود روزوں کی قضا نہ کی تو گنہگار ہوں گے۔ انتقال کے وقت تک قضا نہ کی تو مرنے سے پہلے اپنے وارثوں کو یہ وصیت کرنا واجب ہے کہ وہ ان روزوں کا فدیہ ادا کردیں۔ (کمافی العبارۃ الثانیہ)

اور جو لوگ ایسے بڑھاپے میں مبتلا ہیں کہ امید نہیں کہ وہ کسی موسم میں بھی روزوں کی قضا کرنے کے قابل ہوسکیں گے ان پر نہ ادا واجب ہے نہ قضا بلکہ وہ فدیہ ادا کریں۔ یعنی ہر روزے کے بدلہ میں پونے دوسیر گندم یا اس کی قیمت کسی مسلمان فقیر مسکین کو دے دیں۔ کافر کو دینے سے فدیہ ادا نہ ہوگا۔ اور جب سردیوں میں دن بہت چھوٹا ہو جائے (خواہ ایک ہی گھنٹہ رہ جائے) تو روزہ بھی بس اتنی ہی دیر کا ہوگا۔ پس صرف صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ رکھیں۔ روزہ کا یہ سب حکم اس وقت ہے جبکہ غروب شمس کے بعد صبح صادق تک اتنا وقت ملتا ہو کہ نماز مغرب سے فارغ ہو کر کھانا کھایا جاسکے۔ اگر رات اتنی کم ہوتی ہے کہ صبح سے پہلے اتنا وقت نہیں ملتا تو اس کا حکم دوسرا ہے۔ جو دوبارہ سوال کرنے پر بتایا جاسکتا ہے۔ (کمافی العبارۃ الاولیٰ)

(۱) فی رد المحتار (ص ٢٤٤ ج ۱) لم ارمن تعرض عندنا لحکم صومهم فیما اذا کان یطلع الفجر عندهم کما تغیب الشمس او بعده بزمان لا یقدر فیه الصائم علی اکل ما یقیم بنیته، ولا یمکن ان یقال بوجوب موالاۃ الصوم علیهم لانه یودی الی الهلاك، فان قلنا بوجوب الصوم یلزم القول بالتقدیر وهل یقدر لیلهم باقرب البلاد کما قال الشافعیة هنا ایضا ام یقدر لهم بما یسع الاکل والشرب ام یجب علیهم القضاء فقط دون الاداء کل محتمل فلیتامل، ولا یمکن القول هنا بعدم الوجوب اصلاً کالعشاء عند القائل به فیها لان علة عدم الوجوب فیها عند القائل به عدم السبب وفی الصوم قد وجد السبب وهو شهود جزء من الشهر وطلوع فجر کل یوم.

قال العبد الضعیف: قوله" او بعده بزمان لا یقدر فیه الصائم علی اکل ما یقیم بنیته" قیده بهذا الزمان فخرج ما اذا طلع الفجر بعد غروب الشمس بزمان یقدر فیه الصائم علی اکل ما یقیم بنیته، وهو المسئول عنه هنا.

(۲) فی الدر المختار، (ص ۱۱۷ ج ۲) فان ماتوا فیه ای فی ذالك العذر فلا تجب علیهم الوصیة بالفدیة لعدم ادراکهم عدةً من ایام أخر ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصیة بقدر ادراکهم عدة من ایام اخر. والله اعلم.

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
۳۰-۳-۸۳ھ

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
دار الافتاء دار العلوم کراچی نمبر ۱۴
۳۰-۳-۹۳ھ

مسئلہ مذکورہ کے بارے میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی

(منقول از امداد الفتاویٰ جلد اوّل ص ۱۱۰ تا ص ۱۱۶ سوال نمبر ۱۷۲ و ۱۷۳)

اوقات نماز آنجا کہ غروب یا طلوع نہ شود

سوال (۱۷۲) حضرت میں نے یہاں آکر سنا ہے کہ نوروے جو کہ قطب شمالی کے قریب ہے ایک ملک ہے یہاں پر جاڑوں کے موسم میں اور گرمیوں کے موسم میں دو مہینے ایسے ہوتے ہیں کہ دو مہینے تک دن ہی دن رہتا ہے اور دو مہینے تک رات ہی رات، تو اس صورت میں حضرت نماز کیسے پڑھنا چاہئے؟

الجواب (من الاحقر) کیا ان دو مہینوں میں غروب ہی نہیں ہوتا یا طلوع ہی نہیں ہوتا یا تھوڑی دیر کیلئے ہوتا ہے، ہر ایک کا جدا جدا حکم ہے۔

اس کے جواب میں ذیل کا خط آیا:

دوسرے سوال کے متعلق یہ عرض ہے کہ دو مہینے تک تو غروب ہی نہیں ہوتا برابر دن رہتا ہے اور سال بھر میں دو مہینے ایسے ہوتے ہیں کہ سورج نکلتا ہی نہیں یہ مجھے یہاں پر آکر معلوم ہوا ہے۔ میرے پاس یہاں پر کوئی بڑا جغرافیہ نہیں تاکہ میں فوراً اس کو پڑھ کر معلوم کرلیتا، یہاں پر اکثر لوگ مذہب کے متعلق سوال کرتے رہتے ہیں تو خیال ہے کہ اگر کسی نے پوچھ لیا کہ ایسے ملک میں

جہاں پر سورج نکلتا ہی نہیں یا نکلتا تو ہے غروب نہیں ہوتا تو پھر کیسے نماز پڑھو گے تو میرے پاس اس کا کوئی صحت بخش جواب نہ ہوگا۔ سائل بالا

الجواب (من المولوی عبد الکریمؒ) جس موسم میں دن یا رات بہت ہی بڑی ہو جائے اس وقت یہ حکم ہے کہ اس علاقہ سے قریب ترین علاقہ (جس میں معمولی طور پر غروب ہوتا ہے) اس کے اوقات معلوم کئے جاویں اور نماز روزہ سب اسی حساب سے رکھیں۔ مورخہ ۹/ جمادی الآخر ۱۳۵۰ھ

اس کا حاصل (من الاحقر) یہ ہے کہ جس مقام میں دو مہینہ کی رات اور دو مہینہ کا دن ہوتا ہے یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کے اطراف کے مقامات میں جو مقامات ایسے ہیں کہ ان ہی دنوں میں وہاں مجموعہ رات دن کا چوبیس گھنٹہ کا ہوتا ہے ان مقامات میں کونسا مقام بہ نسبت دوسرے مقامات کے اس مقام مذکورہ بالا طویل النہار وطویل اللیل کے نسبتاً قریب تر ہے اس معمولی طلوع وغروب والے مقام کے حساب سے اس طویل النہار واللیل کے حساب ہوگا یعنی معمولی مقام میں نماز فجر کے جتنے گھنٹے بعد ظہر کی نماز ہوتی ہے اُتنے ہی گھنٹوں کے بعد اس طویل النہار واللیل مقام میں ظہر پڑھیں گے اسی طرح اور نمازیں بھی اسی حساب سے اس طویل رات یا طویل دن میں دو مہینے کی نمازیں گھنٹوں کے حساب سے پڑھیں گے جس طرح وہاں کے باشندے اپنے اور معاملات نوکری چاکری مزدوری میں اسی قسم کا حساب کرتے ہوں گے یعنی اُس طویل دن مزدور لوگ ایک دن کی مزدوری نہ لیتے ہونگے بلکہ دو ماہ کی لیتے ہوں گے اسی طرح اس طویل شب میں کارخانہ والے لوگ نوکروں کو تعطیل دینے میں ایک شب شمار نہ کرتے ہونگے بس ایسے ہی حساب نمازوں کا سمجھ لیا جاوے اسی طرح روزہ وافطار گھنٹوں کے حساب سے ہوگا اور یہ قول ہے بعض علماء کا۔ اور میرے نزدیک اس میں سخت

دشواری ہے اس لئے دوسرے بعض علماء کے قول کو ترجیح دیتا ہوں یعنی جس موسم میں جتنا بڑا دن اور رات ہو اس دن رات کے مجموعہ میں پانچ ہی نمازیں فرض ہیں یعنی صبح صادق اور طلوع شمس کے درمیان فجر کی نماز پھر دن ڈھلے ظہر وعلی ہذا البقیہ نمازیں۔ اور روزہ ایسے طویل دن میں اداءً افرض نہیں بلکہ معمولی دنوں میں قضاءً رکھا جاویگا۔

نصف جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ

نوٹ نمبر (۱)

آئندہ کی اعانت فی الجواب کے لئے مسائل سے حسب ذیل تنقیحات کی گئیں جواب کا انتظار ہے۔ (۱) وہاں کے باشندے اپنے حسابات ومعاملات میں ایسے لیل ونہار شمار کرتے ہیں یا دو مہینے کے لیل ونہار (۲) اگر متعدد لیل ونہار شمار کرتے ہیں تو اس کا معیار کیا ہے جس سے منضبط کیا جاتا ہے اور جس کی بناء پر تاریکی کے بعض حصص کو نہار اور روشنی کے بعض حصص کو لیل قرار دیا جاتا ہے (۳) اسی کی فرع یہ ہے کہ وہاں ایک سال بارہ مہینہ کا سمجھا جاتا ہے یا کم کا اسی طرح ہر مہینہ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱ کا شمار ہوتا ہے یا بعض مہینہ کم کا۔

نوٹ نمبر (۲)

جواب ہذا کے متعلق ایک نقشہ وہاں کے طلوع وغروب کا ایک ماہر فن سے مرتب کرا کر ملحق کر دیا گیا۔

اشرف علیؒ

طلوع و غروب شفق و صبح صادق

عرض بلد ۵۵ درجہ ۵۳ دقیقہ، طول بلد ۴ درجہ ۲۳ دقیقہ مشرق رین فیرو واقع اسکاٹ لینڈ

(از محمد مظہر تھانوی مقیم بھوپال)

(بحساب وقت ریلوے برطانیہ اعظم اسٹینڈرڈ ٹائم)

	صبح صادق		طلوع		غروب		شفق	
	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ
جنوری ۱	۶	۲۸	۸	۵۰	۱۵	۵۶	۱۸	۱۷
۱۱	۶	۲۶	۸	۵۴	۱۶	۱۰	۱۸	۲۸
۲۱	۶	۱۹	۸	۳۳	۱۶	۲۸	۱۸	۵۴
۳۱	۶	۷	۸	۱۷	۱۶	۴۹	۱۹	۰
فروری ۱۰	۵	۵۰	۷	۵۷	۱۷	۱۱	۱۹	۱۹
۲۰	۵	۳۰	۷	۳۴	۱۷	۳۳	۱۹	۳۸
مارچ ۲	۵	۲	۷	۷	۱۷	۵۵	۱۹	۵۹
۱۲	۴	۴۹	۷	۴۴	۱۸	۱۶	۲۰	۲۱
۲۱	۴	۹	۶	۱۷	۱۸	۲۶	۲۰	۴۶
اپریل ۱	۳	۳۶	۵	۵۱	۱۸	۵۶	۲۱	۱۳
۱۱	۳	۰	۵	۲۵	۱۹	۱۵	۲۱	۴۵
۲۱	۲	۱۷	۵	۰	۱۹	۳۷	۲۲	۲۴

سے ایک ربع کم مقدار کے قریب جب غروب میں وقت رہے تو عصر کا وقت شروع ہوگا۔اھ۔
اشرف علی

(النور صفحہ ۳۔ذیقعدہ ۵۰ھ تاالنور صفحہ ۷ذی الحجہ ۵۰ھ)

سوال ذیل مقام رین فیرواسکاٹ لینڈ ملک انگلستان سے آیا:۔

بیان فصل در نماز مغرب وعشاء در مقامے کہ علم غروب شمس وطلوع صبح صادق در آنجاد شوار است

سوال (۱۷۳) یہاں پر سورج آج کل ۵ بجے کے قریب نکلتا ہے اور ۹ بجے رات کو غروب ہوتا ہے۔ میں مغرب کی نماز ۹ بجے پڑھتا ہوں اور عشاء ساڑھے دس بجے پڑھتا ہوں لیکن کچھ دنوں میں سورج ساڑھے چار بجے کے قریب نکل کر آیا کرے گا اور غروب پونے دس بجے ہوگا اس کے متعلق گزارش ہے کہ اس صورت میں عشاء اور مغرب کے درمیان کتنا فصل کم سے ہونا چاہئے۔

الجواب (من الاحقر) قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ صبح صادق سے طلوع شمس تک جتنا فصل ہوتا ہے اتنا ہی غروب سے وقت عشا تک سو اگر پہلا فصل معلوم ہوسکے تو اتنا ہی دوسرا سمجھا جاوے اور اگر معلوم نہ ہوسکے تو یہی پرچہ پھر واپس کیا جاوے میں اس کی فن دانوں سے تحقیق کر کے اطلاع دوں گا۔

اس کے بعد دوسرا خط آیا

سوال۔ آنجناب کے حکم کے بموجب پرچہ واپس کررہا ہوں۔ صبح صادق کا معلوم ہونا مشکل ہے کیونکہ یہاں پر روشنی مثل صبح صادق کے رات کے کبھی

ایک بجے تک رہتی ہے اور اس طرف پھر تین بجے کے قریب شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں پر اوقات بہت جلد جلد بدلتے رہتے ہیں پچھلے دنوں جون کے مہینہ میں سورج کے نکلنے کا وقت چار بجے تک آ گیا تھا اور غروب رات دس بجے ہوتا تھا لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اب طلوع کا وقت چھ بجے ہے اور غروب کا وقت ساڑھے آٹھ بجے ہو گیا یہ معلوم ہوا ہے کہ دن بدن بڑھتا ہی جائے گا اور یہاں تک پہونچ جائے گا کہ طلوع دن کے نو بجے ہو گا اور غروب تین بجے دن کے پیشتر اس کے کہ یہ صورت ہو حضرت اس صورت میں نماز کے اوقات کس طرح پر قائم کئے جائیں اور اگر رمضان شریف اس زمانہ میں آیا تو روزے اور سحری کے کیا اوقات ہونے چاہئیں:-(سائل بالا)

الجواب۔ (من المولوی عبد الکریم) صبح صادق کی شناخت یہ ہے کہ ایک روشنی مشرق میں لمبی شروع ہوتی ہے یعنی طلوع آفتاب کی جگہ ایک اونچا ستون سا ہوتا ہے یہ صبح کاذب ہے بعد اذاں یہ روشنی تقریباً غائب ہو کر دوبارہ ایک روشنی عرض آسمان میں یعنی شمالاً جنوباً پھیلتی ہے اس کی ابتداء سے قبل سحری موقوف کر دینا لازم ہے۔ اور اس کے پھیل جانے پر پھر فجر کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور اسی مذکورہ روشنی کے پھیلنے سے پیشتر اسی طرح ایسی سفید روشنی جب تک غروب کے بعد رہے وہ شفق ہے اس وقت تک عشاء کی نماز نہ پڑھی جاوے۔ جب یہ روشنی غائب ہو جائے عشاء پڑھ لی جاوے۔ سحری کھا کر روزہ شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب پر افطار کرنا چاہئے خواہ دن چھوٹا ہو یا بڑا اس کا کوئی اعتبار نہیں (البتہ بہت بڑا ہو تو اس کا حکم دوسرا ہے جو سوال نمبر ۳ و ۱۷ کے جواب میں مذکور ہے)۔ حاصل (من الاحقر) یہ ہے کہ صبح صادق کا معلوم ہونا مشکل نہیں اسی طرح غروب کے بعد کی سفید روشنی شفق کی معلوم ہونا

مشکل نہیں کیونکہ اس کی خاص پہچان یہ ہے یعنی رات کی تاریکی تو ممتاز چیز ہے تو جو روشنی مشرق یا مغرب میں اس کے خلاف ہو گی وہ بھی ممتاز ہے سو یہ روشنی جب تک مغرب کی جانب رہے وہ مغرب کا وقت ہے اور جب یہ غائب ہو جاوے وہ عشاء کا وقت ہے اور ایسی ہی روشنی جب تک مشرق میں نمودار نہ ہو وہ رات ہے اور جب مشرق میں نمودار ہو جاوے وہ صبح صادق ہو گئی نماز کا وقت آ گیا۔

(النور شوال ۱۳۵۰ھ صفحہ ۱۰ و النور صفحہ ۳ ذی قعدہ ۵۰ھ)

نوٹ :- سوال نمبر ۱۷۲ و ۱۷۳ ایک ہی سائل کے ہیں جو مقام رین فیرو اسکاٹ لینڈ ملک انگلستان سے آئے۔

خواتین کا قبرستان جانا

خواتین کا قبرستان جانا

منقول از البلاغ: شمارہ شعبان ۱۳۸۸ھ

عورتوں کو قبرستان میں باپردہ جانا جائز ہے یا نہیں؟

(آفتاب مہدی نظامی ڈیروی)

عورتوں کے قبرستان جانے میں فقہاء کے تین قول ہیں، ایک یہ کہ مطلقاً جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها"

میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، پس اب تم ان کی زیارت کے لئے جایا کرو۔

فقہاء کی ایک جماعت کا فتویٰ یہ ہے کہ عورتوں کا قبروں پر جانا مطلقاً ناجائز ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ:

"إن رسول الله ﷺ لعن زوّارات القبور"

(مشکوٰۃ ص ۱۵۴ بحوالہ ترمذی، ابن مسند احمد)

رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

یہ حضرات پہلی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں چونکہ

خطاب مَردوں سے ہے، اس لئے اس حدیث سے قبروں پر جانے کی اجازت مردوں کے لئے تو ثابت ہو گئی اور چونکہ اس میں عورتوں کا ذکر نہیں اس لئے ان کے لئے قبروں پر جانے کی اجازت ثابت نہیں ہوتی۔

فقہاء کا تیسرا قول ہے جسے عام طور پر اختیار کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر زیارت قبور سے مقصود رونا پیٹنا وغیرہ ہو تو حرام ہے، اور حدیث میں جو لعنت کی گئی ہے وہ اسی صورت کے بارے میں ہے، اور اگر یہ جانا عبرت یا برکت کے لئے ہو یا جزع و فزع کے بغیر محض میت کی محبت کی وجہ سے ہو تو بوڑھی عورتوں کے لئے باپردہ جانا جائز ہے، اور جوان خواتین کے لیے ممنوع ہے، کیونکہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:

"لو أن رسول الله ﷺ رای ما احدث النساء بعده لمنعن کما منعت نساء بنی إسرائیل"

اگر رسول اللہ ﷺ عورتوں کے یہ حالات دیکھتے جو عورتوں نے آپ کے بعد پیدا کر دیئے ہیں تو عورتوں کو روک دیا جاتا جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔

کیا شرح زکوٰۃ میں ترمیم ہو سکتی ہے؟

کیا شرح زکوٰۃ میں ترمیم ہوسکتی ہے؟

منقول از ماہنامہ البلاغ، شمارہ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ

آزاد ریاست جموں کشمیر کے ناظم تعلیمات نے اپنی ایک تقریر میں شرح زکوٰۃ اور چور کا ہاتھ کاٹنے کے سلسلے میں کچھ ایسے خیالات کا اظہار کیا تھا جو پوری ریاست میں شدید ردعمل کا سبب بنی، حکومت آزاد کشمیر نے ان کی تقریر من عن نقل کر کے دارالعلوم بھیجی تھی کہ اس کے بارے میں شرعی نقطہ نگاہ سے آگاہ کیا جائے، جناب مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے حکومت آزاد کشمیر کے جواب پر جو تبصرہ تحریر فرمایا ہے، اس میں شرح زکوٰۃ کا مسئلہ خاص طور پر تفصیل اور وضاحت کے ساتھ آگیا ہے، چونکہ یہ آواز متعدد حلقوں کی طرف سے کبھی کبھی اٹھتی رہتی ہے، اس لئے اس تبصرے کا یہ حصہ قارئین کی نذر ہے اور امید ہے کہ اس قسم کی غلط فہمیوں کا مؤثر ازالہ ہو سکے گا۔

تقریر میں شرح زکوٰۃ کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شرح زکوٰۃ ایک مبتدل چیز ہے جو مرور ایام کے ساتھ مختلف حالات اور ماحول میں مختلف مقرر کی جاسکتی ہے، مقرر نے اپنے اس دعوے پر بزعم خود پانچ دلیلیں پیش کی ہیں:

۱-سورہ بقرہ کی آیت ﴿وَ یَسئَلُونَكَ مَا ذَا یُنفِقُونَ قُلِ العَفوَ﴾

۲-دوسری یہ کہ قرآن حکیم نے شرح زکوٰۃ اس لئے بیان نہیں کی کہ وہ ایک مبتدل چیز تھی۔

۳- تیسری یہ دلیل دی گئی ہے کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے اپنے زمانہ میں گھوڑوں پر زکوٰۃ کی شرح عائد کی جو حضور (ﷺ) نے عائد نہیں کی۔

۵-پانچویں دلیل کے طور پر مقرر نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی طرف یہ قول منسوب کیا ہے کہ: "اگر کسی معاشرے میں احتیاج باقی ہو تو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہاں زکوٰۃ نہیں دی جارہی"

پھران دلائل سے مندرجہ ذیل نتائج نکالے گئے ہیں:

۱-زمین کی ملکیت اتنی محدود کردی جائے کہ احتیاج مٹ جائے، مقررہ حد سے زائد زمین کو حکومت شرح زکوٰۃ قرار دے کر وصول کرلے۔

۲- بنک کے حصص کی ملکیت محدود کردی جائے اور مقررہ حد سے زائد حصص پر حکومت قبضہ کرلے۔

۳-انڈسٹریل فرمز اور انڈسٹریل میگینٹس کی سرمایہ کاری بھی محدود کر کے مقررہ حد سے زائد سرمایہ یا حصص کو حکومت لے لے۔

پھر چاہے تو حکومت اسے اپنے پاس رکھ لے اور چاہے تو مزدوروں کو اقساط پر دے دے۔

جواب

شرح زکوۃ کی شرعی حیثیت:

جہاں تک اس دعوے کا تعلق ہے کہ شرح زکوۃ مقرر نہیں، بلکہ ایک مبتدل چیز ہے جسے ہر زمانہ میں حسب حال تبدیل کیا جا سکتا ہے یہ سراسر غلط، بے بنیاد اور اجماع امت کے خلاف دعویٰ ہے۔ پوری امت میں کوئی بھی فقیہ و مجتہد یا کوئی صحابی یا تابعی (رضی اللہ عنہم) اس کا قائل نہیں مانا۔ شریعت کے ادلہ اربعہ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس سے اس کا کوئی ثبوت فراہم نہیں ہوتا بلکہ چاروں ادلہ اربعہ اس دعوے کے خلاف شہادت دیتے ہیں، مثلاً قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

قرآن حکیم کی صراحت:

﴿وَالَّذِيْنَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُوْمٌ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾

(سورۃ المعارج)

اور وہ مومنین ایسے ہیں کہ ان کے اموال میں مانگنے والے اور (نہ مانگنے والے) محتاج کا ایک حصہ معین ہے۔

اس آیت میں ”حق معلوم“ (معین حصہ) سے مراد شرح زکوۃ ہے جو صاف بتا رہا کہ زکوۃ میں جو مال نکالا جاتا ہے اس کی مقدار اور شرح خود اللہ جل شانہ کی طرف سے مقرر و معین ہے۔ چنانچہ یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ، قتادہ،

اور ابن سیرینؒ سے بھی منقول ہے اور اکثر مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے، (مثلاً ملاحظہ ہو امام رازی کی تفسیر کبیر ص ۲۱۲ ج ۸، نیز قرطبیؒ ص ۲۹۱ ج ۱۸، تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۴ ج ۴، تفسیر مظہری ص ۶۶ ج ۱۰ و تفسیر کشاف ص ۶۱۴ ج ۴) نیز دوسرے دلائل سے بھی اسی تفسیر کی ترجیح ثابت ہوتی ہے[1]۔

احادیث متواترہ میں شرح زکوٰۃ کی تفصیلات:

غرض شرح کے مقرر معین ہونے کا اعلان تو خود قرآن کریم نے کر دیا، البتہ اس شرح کی تفصیل اور جزئیات قرآن حکیم نے براہ راست بیان نہیں کیں بلکہ وحی غیر متلو کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے بیان کی گئی ہیں چنانچہ وہ احادیثِ متواترہ جن میں یہ تفصیلات ہیں، حدیث کی ہر اس کتاب میں دیکھی جا سکتی ہیں جو ابواب فقہیہ پر مشتمل ہے۔

یہ احادیث بھی وحی مِن اللہ ہیں:

پھر احادیث میں شرح زکوٰۃ کی جو تفصیلات ہیں وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۱) بعض حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت کا تعلق زکوٰۃ سے نہیں بلکہ صدقات نافلہ سے ہے کیوں کہ یہ آیت مکی ہے اور زکوٰۃ کے احکام مدینہ طیبہ میں نازل ہوئے ہیں۔ مگر اس کا جواب ابن کثیر وغیرہ حضرات مفسرین نے یہ دیا ہے کہ زکوٰۃ فرض تو مکہ معظمہ میں ہی ہو گئی تھی کیوں کہ سورہ مزمل جو کہ مکہ مکرمہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی اس میں زکوٰۃ کا حکم موجود ہے: ﴿واقیموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ﴾ البتہ نصاب زکوٰۃ اور مصارف وغیرہ کی تفصیلات مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں اسلئے زیادہ صحیح یہی ہے کہ "حق معلوم" سے زکوٰۃ ہی مراد ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شرح زکوٰۃ کے معین ہونے کا حکم بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہو گیا تھا البتہ اس شرح کی تفصیلات مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں اور دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں "حق معلوم" (معین حصہ) فرمایا گیا ہے اور معین حصہ ظاہر ہے کہ زکوٰۃ ہی کا ہے صدقات نافلہ کا تو کوئی معین حصہ ہی نہیں جتنا بھی ضرورت سے زائد مال ہو وہ سب صدقاتِ نافلہ میں دیا جا سکتا ہے۔

العیاذ باللہ از خود مقرر نہیں فرمادیں بلکہ وہ سب بھی وحی من اللہ ہیں اور قرآن حکیم نے اس بھی کا اعلان عام کر دیا ہے۔ سورۃ النجم میں ارشاد ہے:

﴿وما ینطق عن الھویٰ إن ھو إلا وحی یوحی﴾

یعنی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی خواہش سے باتیں نہیں کہتے بلکہ ان کا ارشاد خالص وحی ہے۔

لہٰذا یہ کہنا بالکل غلط اور قرآن حکیم کی تصریحات کے خلاف ہے کہ شرح زکوٰۃ کی کوئی حد مقرر و معین نہیں اور اس میں ہر زمانہ میں تبدیلی یا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ احادیث بھی اس دعوے کی تکذیب کرتی ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں ایک طویل حدیث پوری صراحت کے ساتھ موجود ہے، جس میں آپ نے ان اموال اور جانوروں کا بیان فرمایا جن پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اسی کے آخر میں ہے کہ:

وسئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الحمر فقال ما أنزل علی فیھا شئ إلا ھذہ الآیة الجامعة الفاذة ﴿فَمَن یَّعمَل مِثقَالَ ذَرَّةٍ خَیراً یَّرَہ ☆ وَمَن یَّعمَل مِثقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَرَہ﴾.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گدھوں کے بارے میں پوچھا گیا (کہ ان کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟) تو آپ نے فرمایا کہ ان کے بارے میں میرے اوپر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی سوائے اس ایک جامع آیت کے کہ "جو شخص ذرہ برابر نیکی کریگا وہ اس کو دیکھے گا اور جو ذرہ برابر برائی کریگا وہ اس کو دیکھے گا (چنانچہ آپ نے گدھوں پر نہ زکوٰۃ لگائی نہ اس کی کوئی شرح بیان فرمائی)

شرح زکوٰۃ کی تعیین وحی سے ہوتی ہے:

معلوم ہوا کہ وحی کے بغیر کسی مال پر نہ زکوٰۃ لگانا جائز ہے نہ اس کی کوئی شرح مقرر کرنا جائز ہے اور جتنے اموال پر آپ نے زکوٰۃ کا حکم دیا یا ان کی شرح زکوٰۃ بیان فرمائی وہ سب وحی من اللہ تھا اپنی طرف سے آپ ﷺ کوئی حکم نہیں لگایا لہٰذا کسی کو اس شرح میں تبدیلی یا اضافہ کی اجازت نہیں۔

نیز صریح حدیث ہے [1]:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال:

قال رسول الله ﷺ : المعتدي في الصدقة كمانعها.

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زکوٰۃ میں شرعی حدود سے تجاوز کرنے والا بھی ایسا ہی گنہگار ہے جیسا کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والا [2]۔

نیز صحیح بخاری (۳) میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو تبلیغ اسلام اور زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تو انہیں تاکید فرمائی کہ:

---

(۱) رواہ ابوداؤد وابن ماجہ وابن خزیمہ کذافی الترغیب والترہیب ص ۲۷۸ ج اول

(۲) معلوم ہوا کہ جن لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہے ان کے لئے اور جو لوگ حکومت کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر ہوں ان کے لئے شریعت نے حدود مقرر کر دی ہیں، مثلاً ادا کرنے والے اس کے پابند ہیں کہ مقدار واجب سے کم نہ دیں، غیر مستحق کو نہ دیں، حکومت کے افسروں کو زکوٰۃ کی ادائیگی پریشان نہ کریں اور سرکاری افسر جو زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور ہوں وہ اس کے پابند ہیں کہ مقررہ شرح سے زائد نہ لیں، عمدہ مال نہ چھانٹ لیں ان حدود سے تجاوز کو حدیث میں تعدی اور ظلم قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مقدار سے زائد لینا اسی وقت ظلم ہو سکتا ہے کہ مقدار مقرر ہو۔

(۳) باب لا تؤخذ کرائم اموال الناس فی الصدقۃ، کتاب الزکوٰۃ، ص ۱۹۶ ج اول طبع کراچی۔

"فخذ منهم و توقَّ کرائم اموال الناس"

پس ان سے زکوٰۃ وصول کرو اور ان کے بہترین اموال سے پرہیز کرو۔

معلوم ہوا کہ جب حکومت کو بھی یہ جائز نہیں کہ زکوٰۃ میں اعلیٰ قسم کا مال وصول کرے تو مقررہ مقدار سے زائد وصول کرنا بدرجہ اولیٰ حرام اور جرم ہوگا۔

اجماع امت:

اجماع امت سے بھی اس دعوے کا ابطال لازم ہوتا ہے کیونکہ پیچھے ہم بیان کر چکے ہیں کہ پوری امت میں کوئی صحابی یا تابعی یا فقیہ یا مجتہد اس کا قائل نہیں، اسلامی حکومتوں میں ایک ہزار سال سے بہت زائد عرصہ تک زکوٰۃ کی وصولیابی کا سرکاری نظام جاری رہا ہے، ظاہر ہے کہ ان کو حکومتوں میں معاشی حالات یکساں نہیں تھے اشیاء کی قیمتوں اور معاشی ضروریات میں اتار چڑھاؤ ہر زمانہ میں ہوتا رہتا ہے۔ چاروں خلفائے راشدین کے زمانوں میں بھی اقتصادی حالت ایک جیسی نہیں تھی، عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے معاشی حالات میں بھی بڑا تفاوت تھا مگر شرح زکوٰۃ میں تبدیلی کو کبھی قابل غور تک نہیں سمجھا گیا۔

شرح زکوٰۃ میں تبدیلی
اصول قیاس کے بھی خلاف ہے

قیاس کا مسلمہ اصول بھی اس دعوے کے خلاف ہے، اس لئے کہ اصول فقہ میں قیاس کے صحیح ہونے کے لئے جو شرائط بیان کی گئی ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ جو حکم قیاس سے لگایا جائے وہ مدرک بالقیاس ہو، غیر مدرک بالقیاس کو قیاس سے ثابت نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ مقادیر کو سب نے بالاتفاق غیر مدرک بالقیاس میں شمار کیا ہے اور اسکی مثال تعداد رکعات، نصاب زکوٰۃ اور شرح

زکوٰۃ کو پیش کیا ہے[۱]۔

معلوم ہوا کہ شرح زکوٰۃ میں تغیر و تبدل کرنا قرآن، سنت، اجماع اور قیاس سب کے خلاف ہے۔ جس طرح نماز کی رکعات میں کمی بیشی کسی کے لئے جائز نہیں اسی طرح زکوٰۃ کی شرح میں کمی بیشی بھی قطعاناجائز ہے اور حرام ہے۔

متجددین کے دلائل:

شرح زکوٰۃ میں تبدیلی کے جواز پر جو "دلائل" پیش کئے گئے ہیں وہ بھی سب کے سب غلط اور بے بنیاد ہیں۔

"قل العفو" سے استدلال غلط ہے:

دلیل کے طور پر سب سے پہلی آیت یہ پیش کی گئی ہے ﴿**یسئلونك ماذا ینفقون قل العفو**﴾ اور اس کے معنی یہ بیان کئے گئے ہیں کہ ہر شخص کی ضرورت سے زائد جتنا مال ہو وہ سب کا سب حکومت بطور زکوٰۃ وصول کر سکتی ہے، مگر آیت کا یہ مفہوم قطعاً غلط اور تمام تفسیری روایات اور اجماع امت کے یکسر خلاف ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال:

حضرات مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں جو روایات اور اقوال صحابہ و تابعین سے نقل کئے ہیں وہ ہم یہاں بھی نقل کئے دیتے ہیں:

(۱) جمہور مفسرین کا قول تو یہ ہے کہ آیت میں جس سوال کا ذکر ہے وہ زکوٰۃ کے بارے میں تھا ہی نہیں بلکہ صدقات نافلہ کے بارے میں تھا کہ وہ زیادہ سے

---

(۱) مثلاً دیکھئے اصول فقہ کی معروف کتاب "تسہیل الاصول إلی علم الاصول" ص ۱۶۶

زیادہ کتنی مقدار میں دینے جائز ہیں اسی کا جواب آیت میں یہ دیا گیا کہ "قل العفو" یعنی آپ کہہ دیجئے کہ جو مال تمہاری اور اہل و عیال کی ضرورت سے زائد ہو یا اس کا دینا تمہارے لئے آسان ہو، نفلی صدقات میں صرف وہ دو، ایسا نہ کرو کہ سارا مال صدقہ میں دے کر کل دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھرو اور اہل و عیال کی ضرورت بھی پوری نہ کر سکو، یہ معنی علامہ قرطبیؒ نے اپنی تفسیر (ص ۶۱، ۶۲ ج ۳) میں جمہور علماء کے حوالہ سے بیان کئے ہیں، نیز تفسیر مظہری (ص ۲۵۲، ۲۵۳ ج ۱) میں بھی یہ تفسیر موجود ہے اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تفسیر بیان القرآن میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے اس میں سوال و جواب صدقات واجبہ ہی کے بارے میں ہیں لیکن یہ حکم صرف ابتدائے اسلام میں تھا کہ جو مال کسی کی اپنی اور اہل و عیال کی ضرورت سے زائد ہو اس کا صدقہ کر دینا واجب تھا، بعد میں جب زکوٰۃ کے مفصل احکام نصاب اور شرح زکوٰۃ کے بارے میں نازل ہو گئے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ، حضرت عطاء الخراسانیؒ اور حضرت قتادہؒ وغیرہ سے منقول ہے (مثلاً دیکھئے تفسیر ابن کثیر ص ۱۵۶ ج ۱، تفسیر قرطبیؒ ص ۶۱، ۶۲ ج ۳، تفسیر مظہری ص ۲۵۲، ۲۵۳ ج ۱ و احکام القرآن لابن العربی ص ۶۴ ج ۱)

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت ہے تو زکوٰۃ ہی کے بارے میں ہے اور منسوخ بھی نہیں، لیکن یہ حکم مجمل تھا، بعد میں جب زکوٰۃ کے مفصل احکام نازل ہوئے اور احادیث میں نصاب زکوٰۃ اور شرح زکوٰۃ بیان فرمائی گئی تو اس سے اس اجمال کی تفسیر و توضیح ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ آیت میں "العفو" سے وہ شرح زکوٰۃ مراد ہے جس کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے، یہ قول حضرت

مجاہد اور قیس بن سعد سے منقول ہے[۱]۔

متجددین کی تفسیر تمام تفاسیر کے خلاف ہے:

اس پوری تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ آیت کی تفسیر میں اختلاف کے باوجود تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ شرح زکوٰۃ کی جو تفصیل آنحضرت ﷺ نے احادیث میں بیان فرمادی ہے اس سے زائد شرح اس آیت سے ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ یہ آیت تو صدقات نافلہ سے متعلق ہے، یا منسوخ ہے، یا اسی شرح زکوٰۃ کا اجمال ہے جس کی تفصیل احادیث متواترہ میں ہے اور جس پر آج تک عمل چلا آرہا ہے اور اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ جمہور مفسرین نے ترجیح پہلے ہی قول کو دی ہے کہ صدقات نافلہ سے متعلق ہے، اور تحریف قرآن کے مترادف ہے۔ خلاصہ یہ کہ کسی تفسیر سے وہ بات اشارۃً بھی نہیں نکلتی جو مقرر موصوف ثابت کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا ان کی یہ تفسیر اجماع امت کے خلاف ہے۔

دوسری دلیل کا جواب:

شرح زکوٰۃ میں تبدیلی کے جواز پر دوسری "دلیل" یہ پیش کی گئی کہ قرآن نے شرح زکوٰۃ اسی لئے بیان نہیں کی کہ یہ ایک مبتدل چیز تھی۔

اس دلیل کا بے بنیاد ہونا تو اس بحث کے شروع ہی میں بیان کیا جاچکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ﴿ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴾ میں قرآن نے خود یہ اعلان کردیا ہے کہ زکوٰۃ کی شرح معین کردی گئی ہے، اور اسی اعلان کی تفصیل و تشریح احادیث متواترہ ہیں جن میں شرح زکوٰۃ کی جزئیات بیان ہوئی ہیں پھر رسول اللہ ﷺ نے ان احادیث کے صرف زبانی

(۱) تفسیر ابن کثیر ص ۲۵۶ ج ۱، و تفسیر قرطبی ص ۶۱ ج ۳، و تفسیر مظہری ص ۲۵۲ ج ۱، واحکام القرآن لابن العربی ص ۶۴ ج ۱۔

بیان پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ اپنی عام عادت کے خلاف شرح زکوٰۃ کی تفصیلات کو تحریر کرا کے ہمیشہ کیلئے محفوظ فرمادیا تاکہ کسی قسم کی ترمیم و تبدیل کا شائبہ باقی نہ رہے، یہ لکھی ہوئی احادیث محدثین کے ہاں "کتاب الصدقہ" کے نام سے مشہور ہیں۔ پھر یہ احادیث بھی درحقیقت وحی من اللہ ہیں کیونکہ خود قرآن ہی نے یہ اعلان بھی کر دیا ہے کہ ﴿ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى ﴾ یعنی رسول اللہ ﷺ اپنی خواہش سے باتیں نہیں کہتے بلکہ ان کا ارشاد خالص وحی ہے، اس طرح قرآن نے رسول اللہ ﷺ کی ان تمام تعلیمات کی جو آپ نے احادیث میں بیان فرمائی ہیں تصدیق و توثیق کا واضح اعلان کر دیا ہے، کیا اس کے بعد بھی اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہے؟ کہ زکوٰۃ کی جو تفصیلات رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں وہ قرآن کریم کے عین مطابق ہیں اور ان میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں۔

احادیث کا انکار قرآن کا انکار ہے:

پھر کوئی یہ کہہ کر کہ قرآن نے شرح زکوٰۃ بیان نہیں کی لہٰذا اس میں حسب حال تبدیلی کر لینی چاہئے کیا یہ کہنا چاہتا ہے کہ جو حکم رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے اور قرآن نے صراحۃً بیان نہیں کیا وہ ناقابل التفات ہے اس کی کوئی پابندی ہم پر لازم نہیں؟ - اگر یہ بات ہے تو اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ احادیث نبویہ کا تو انکار ہے ہی، قرآن کا بھی کھلا ہوا انکار ہے، اس لئے کہ خود قرآن عظیم ہی یہ بات واضح کر چکا ہے کہ ﴿ وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی، نیز یہ بھی قرآن ہی کا ارشاد ہے کہ:

﴿ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴾ (سورہ حشر)

رسول اللہ (ﷺ) تمہیں جو کچھ دیں اسے لے لو اور جس سے روکیں
اس سے رک جاؤ۔

ان آیات اور ان جیسی بہت سی آیات کا صریح تقاضا یہ ہے کہ بالفرض اگر قرآن نے شرح زکوٰۃ کے بارے میں کچھ بھی نہ کہا ہوتا تب بھی احادیث متواترہ میں بیان کردہ شرح زکوٰۃ کی پابندی ایسی ہی لازم ہوتی جیسا کہ قرآن کے مقرر کر دینے سے لازم ہوئی ہے۔ پنج وقتہ نمازوں میں رکعتوں کی تعداد اس کی واضح مثال ہے، اس لئے کہ رکعتوں کی تعداد پورے قرآن میں کہیں بھی بیان نہیں کی گئی بلکہ رسول اللہ ﷺ ہی نے اپنے قول و عمل سے امت کو اس کی تعلیم فرمائی چنانچہ اس کی پابندی پوری امت پر فرض ہو گئی اور وہ آج تک اسی کی پابند چلی آ رہی ہے۔ کیا آج کوئی مسلمان یہ کہنے کی جرأت کرے گا کہ چونکہ تعداد رکعات قرآن نے بیان نہیں کی اس لئے ان میں ہمیں حسب حال تبدیلی کر لینی چاہیے؟ اگر کوئی یہ بات کہتا ہے تو اسے اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ جس طرح قرآن کے کسی صریح حکم کا انکار کفر ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی احادیث متواترہ کا انکار بھی کفر ہے۔ اس کی تصریح بھی خود قرآن ہی نے کر دی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

پس قسم ہے آپ کے رب کی وہ لوگ مومن نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو چیز متنازع فیہ ہو اس میں یہ لوگ آپ سے فیصلہ کرائیں پھر جب آپ فیصلہ کر دیں تو آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اس فیصلہ کو پورا پورا تسلیم کر لیں۔

تیسری دلیل کا جواب، گھوڑوں کی زکوٰۃ کا مسئلہ:

شرح زکوٰۃ میں تبدیلی کے دعوے پر "تیسری دلیل" یہ پیش کی گئی ہے کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے گھوڑوں پر زکوٰۃ کی شرح عائد کی جو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عائد نہیں کی۔

یہ دلیل بھی پہلی دونوں دلیلوں کی طرح بے خبری اور ناواقفیت کی غماز ہے، اس لئے کہ گھوڑوں کی زکوٰۃ اور شرح کا تعین تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ثابت ہے، ایک طویل حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے صحیح بخاری و صحیح مسلم میں موجود ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے آپ نے سونے چاندی کا (زکوٰۃ) ادا نہ کرنے والوں کے شدید عذاب کا ذکر فرمایا، پھر صحابہ کرامؓ نے اونٹوں کے......... حق (زکوٰۃ) کے متعلق پوچھا تو اس کا بھی آپ نے اسی تفصیل سے ذکر فرمایا، پھر گائے اور بکریوں کے حق (زکوٰۃ) کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے اس کے جواب میں بھی اسی طرح کی تفصیل ارشاد فرمائی پھر گھوڑں کے حق (زکوٰۃ) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ گھوڑے تین[1] قسم کے ہیں:

(۱) کچھ گھوڑے تو وہ ہیں جو آدمی کے لئے اجر و ثواب کا باعث ہیں،

(۲) کچھ گھوڑے ایسے ہیں جو آدمی کو دین و دنیا کی تکلیف سے بچانے والے ہیں۔ اور

(۳) کچھ گھوڑے اسکے اوپر وبال ہیں۔

---

(۱) یہاں تک کا مضمون صرف صحیح مسلم میں ہے (دیکھئے کتاب الزکوٰۃ باب اثم مانع الزکوٰۃ ص ۳۱۹ ج اول) اور اگلا مضمون صحیح مسلم میں بھی ہے اور بخاری میں بھی (دیکھئے صحیح بخاری کتاب المساقات باب شرب الناس والدواب من الانہار ص ۳۱۹ ج اول)

اجر وثواب کا باعث وہ گھوڑے ہیں جن کو کسی نے فی سبیل اللہ جہاد کے لئے پالا (آگے آپ نے اس کے اجر وثواب کی تفصیل بیان فرمائی، پھر دوسری قسم کے متعلق فرمایا کہ):

ورجل ربطها تغنيا وتعففا ثم لم ينس حق الله في رقابها ولا ظهورها فهي لذالك سِتر، ورجل ربطها فخرًا ورياء ونواء لأهل الإسلام فهي على ذٰلك وزر.

اور جس آدمی نے مالدار بننے کے لئے اور (سوال کی ذلت) سے بچنے کے لئے گھوڑے پالے پھر اس نے اللہ کے اس حق کو فراموش نہ کیا جو ان گھوڑوں اور ان کی پشت سے متعلق ہے تو یہ گھوڑے اس کو (دین ودنیا کی تکلیف سے) بچانے والے ہیں۔ اور جس نے گھوڑے تکبر، ریا اور اہل اسلام کی عداوت کی غرض سے پالے تو یہ اس کے اوپر وبال ہیں۔

گھوڑوں کی تین قسمیں:

اس حدیث میں گھوڑوں کی تین قسموں کا بیان ہے ایک مجاہد کا گھوڑا جو اس نے جہاد کی غرض سے پالا اور اس کی مناسب دیکھ بھال کی یہ اپنے مالک کے لئے اجر وثواب کا باعث ہے دوسرے وہ گھوڑے جو کسی نے مالداری حاصل کرنے اور سوال سے بچنے کے لئے پالے (یعنی ان کی نسل کشی کی) اور اللہ کے ان حقوق کو ادا کرتا رہا جو ان گھوڑوں اور ان کی پشت سے متعلق ہیں، ان کے متعلق آپ نے فرمایا کہ یہ اپنے مالک کے لئے (دنیا اور آخرت کی تکلیفوں سے) بچاؤ کا سامان ہیں۔ تیسری قسم کے گھوڑے وہ جنہیں کسی (کافر یا منافق) نے ریاء و تکبر اور مسلمانوں سے لڑنے کے واسطے پرورش کیا انکے متعلق فرمایا کہ یہ اپنے مالک پر (آخرت کا) وبال ہیں۔

یہاں دیکھنے کی بات یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلی اور تیسری قسم پر زکوۃ کا کوئی حکم نہیں فرمایا کیونکہ پہلی قسم کا گھوڑا تو پورا کا پورا ہی اللہ کی راہ میں ہے اور تیسری قسم کا گھوڑا کافر کا ہے اس پر زکوۃ کا کیا حکم لگایا جاتا۔ صرف دوسری قسم کے بارے میں آپ نے اللہ کے دو حق بیان فرمائے، ایک گھوڑوں کی ذات سے متعلق اور دوسرا ان کی پشت سے متعلق، اب ظاہر ہے کہ پشت سے متعلق تو یہی حق ہے کہ ہنگامی حالات میں جب مجاہدین اور بے سروسامان مسافر گھوڑے کے محتاج ہوں تو وہ انہیں سواری کے لئے پیش کردے، نیز جو مال تجارت[1] ان پر لادا جائے اس کی زکوۃ ادا کرتا رہے، اور دوسرا حق جو گھوڑوں کی ذات سے متعلق ہے وہ زکوۃ ہے کہ اسے پابندی سے ادا کرتا رہے۔

چنانچہ پہلی اور تیسری قسم کے گھوڑوں پر زکوۃ واجب نہ ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے ان دونوں قسموں پر حضرت عمرؓ نے بھی زکوۃ عائد نہیں کی، انہوں نے صرف دوسری قسم پر زکوۃ دینے کی تاکید کی اور یہ وہی قسم ہے جس کی زکوۃ کا حکم رسول اللہ ﷺ ارشاد فرما چکے تھے[2]۔

حضرت عمرؓ کا واقعہ:

مگر چونکہ عہد رسالت اور عہد صدیقی میں گھوڑوں کی نسل کشی کا رواج عرب میں نہیں تھا اور صرف مدین اور ترکمان[3] وغیرہ علاقوں میں اس کا رواج

---

(۱) فتح القدیر ص ۴، ۵ ج اول

(۲) یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ صحاح ستہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی جو ایک روایت ہے کہ قال رسول اللہ ﷺ: "لیس علی مسلم فی عبده ولا فی فرسه صدقة" (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان پر اسکے ذاتی غلام اور ذاتی گھوڑے کی زکوۃ واجب نہیں) اس میں اپنے ذاتی گھوڑے سے مراد پہلی ہی قسم کا گھوڑا مراد ہے یعنی جو نسل کشی یا تجارت کیلئے نہ پالا گیا ہو۔ ۱۲

(۳) فتح القدیر ص ۴، ۵ ج اول۔ ۲

تھا لہٰذا اس دور میں گھوڑوں کی زکوٰۃ وصول کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی، جس کا پورا واقعہ [1] یہ ہے کہ شام کے کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے آکر کہا کہ ہمیں بہت مال ملا ہے، گھوڑے بھی اور غلام بھی، ہم ان کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتے ہیں (آپ وصول فرمالیں) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرے دونوں پیشرو بزرگوں نے یہ کام (سرکاری طور پر وصول کرنے کا) نہیں کیا تو اب میں یہ کام کروں؟

پھر آپ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو سب نے اسے پسند کیا، حضرت علیؓ خاموش تھے، حضرت عمرؓ کے پوچھنے پر انہوں نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ گھوڑوں کی زکوٰۃ حکومت کے حوالہ کرنے پر لوگوں کو مجبور نہ کیا جائے (بلکہ ان کو اختیار ہونا چاہیے کہ چاہیں تو حکومت کے ذریعے ادا کریں اور چاہیں تو خود ہی ادا کر دیا کریں) چنانچہ حضرت عمرؓ نے ہر گھوڑے پر دس درہم [2] وصول کئے (دس درہم کی رقم ایک دینار کے مساوی تھی اسی لئے بعض روایات میں یہاں ایک دینار کا ذکر ہے) لیکن یہ احتیاط ملحوظ رکھی کہ چونکہ گھوڑوں کی زکوٰۃ سرکاری طور پر جبراً وصول کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہ تھا اس لئے آپ نے بھی سرکاری طور پر جبراً وصول نہیں کی بلکہ جو چاہتا حکومت کے ذریعہ ادا کر دیتا اور جو چاہتا خود براہ راست ادا کر دیتا۔ یہی عمل حضرت عثمانؓ کے دور [3] میں جاری رہا چنانچہ اس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ گھوڑوں کی زکوٰۃ حکومت کو جبراً وصول کرنے کا اختیار نہیں ہے [4]۔

---

(۱) یہ واقعہ علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ (ص ۳۵۸ ج ۲) میں سنن الدار قطنیؒ سے سنداً نقل کیا ہے اور مندرجہ ذیل کتابوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔
مستدرک حاکم، مسند احمد، المعجم الکبیر للطبرانی، شرح معانی الآثار للطحاویؒ وغیر ذالک من الکتب۔ ۱۲
(۲) نصب الرایہ ص ۳۵۷ تا ۳۵۸ ج ۳۔
(۳) ایضاً۔
(۴) فتح القدیر ص ۴، ۵ ج اوّل۔

گھوڑوں کی شرح زکوٰۃ بھی حدیث سے ثابت ہے:

پھر زکوٰۃ کی شرح بھی حضرت عمرؓ نے اپنی طرف سے معین نہیں کی بلکہ اس کی صراحت بھی ایک مرفوع حدیث میں موجود ہے۔ جو سنن دار قطنی اور سنن بیہقی سے علامہ زیلعیؒ نے نقل کی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن جابرؓ قال: قال رسول الله ﷺ فی الخیل السائمة فی کل فرس[1] دینار.

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ باہر چرنے والے گھوڑوں میں ہر گھوڑے پر ایک دینار واجب ہے۔

خلاصۂ بحث:

اس پوری تفصیل سے مندرجہ ذیل امور وضاحت سے سامنے آگئے ہیں:

(۱) نسل کشی کے لئے پالے جانے والے گھوڑوں پر زکوٰۃ کا حکم خود آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا۔ (جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں پیچھے گذرا)

---

(۱) جن راویوں کے ذریعہ یہ حدیث ہم تک پہنچی ہے ان میں سے حضرت جابرؓ کے بعد کے بعض راویوں کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ تک یہ حدیث ان ضعیف راویوں کے ذریعہ نہیں پہنچی کیونکہ یہ ضعیف راوی تو حضرت عمرؓ کے دور خلافت کے بہت بعد کے ہیں۔ لہٰذا اگر حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرام نے اس حدیث سے استدلال کیا تو بلاشبہ صحیح و درست تھا، پھر جب اس پر صحابہ کرام کا مسلسل عمل جاری رہا تو اس سے مزید تاکید و قوت حاصل ہوگئی، چنانچہ اب ہمیں اس حکم پر عمل کرنے کے لئے اس حدیث کی سند کی ضرورت نہیں رہی بلکہ اس سند کی صحت ہمارے لئے کافی ہے جس سے ہمیں ان جلیل القدر صحابہ کرام کے تعامل کی خبر پہنچی ہے، اور حاکم نے مستدرک میں اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) ان گھوڑوں پر زکوٰۃ کی شرح بھی آپ ہی نے مقرر فرمادی تھی، (جیسا کی دار قطنی اور بیہقی کی روایت میں اوپر بیان ہوا)

(۳) حضرت عمرؓ کے واقعہ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام سے مشورہ اس بات میں نہیں کیا تھا کہ اس قسم کے گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب کی جائے یا نہیں؟ نہ یہ مشورہ کیا کہ کتنی زکوٰۃ واجب کی جائے بلکہ مشورہ صرف اس میں ہے کہ کیا جو لوگ گھوڑوں کی زکوٰۃ مجھے (سرکاری طور) دینا چاہتے ہیں وہ وصول کروں یا نہیں؟ کیونکہ یہی ایک ایسی چیز تھی جس کی صراحت حدیثوں میں موجود نہیں تھی۔

(۴) اسی لئے سب کے مشورہ سے یہ طے ہوا کہ حکومت کو یہ زکوٰۃ جبرا وصول کرنے کا اختیار نہیں (پوری امت کا اس پر اتفاق ہے)۔

خلاصہ یہ کہ حضرت عمرؓ نے اس معاملہ میں جو کچھ کیا وہ سب کا سب احادیث نبویہ کی تعمیل میں کیا اور جو بات احادیث سے ثابت نہیں تھی اس میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا۔ لہٰذا مقرر کی تیسری ”دلیل“ بھی ان کے دعوے کا ثبوت فراہم نہیں کرتی۔

چوتھی دلیل کا جواب:

اس دعوے پر کہ زکوٰۃ کی شرح ہر زمانہ میں تبدیل کی جاسکتی ہے، چوتھی ”دلیل“ یہ پیش کی گئی ہے کہ مال تجارت پر زکوٰۃ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے لگائی جو حضور (ﷺ) نے نہیں لگائی تھی۔

مال تجارت پر زکوٰۃ بھی حدیث سے ثابت ہے:

یہ بھی بے بنیاد، سراسر غلط اور احادیث سے بے خبری کا ثبوت ہے کیونکہ

مستند احادیث سے ثابت ہے کہ مال تجارت پر بھی زکوٰۃ خود آنحضرت ﷺ نے لگائی تھی، مثلاً ابوداؤد کی صریح روایت ہے کہ:

عن[۱] سمرة بن جندب ان رسول الله ﷺ کان یأمرنا ان نخرج الصدقة من الذی یُعَدُّ للبیع.

حضرت سمرۃ بن جندب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اس مال کی زکوٰۃ نکالا کریں جو بیع (تجارت) کے لئے رکھا گیا ہو۔

مال تجارت پر زکوٰۃ کا واجب ہونا تو حدیث مرفوع سے صراحۃً ثابت ہے اور شرح زکوٰۃ مندرجہ ذیل حدیث میں بیان فرمادی گئی ہے کہ:

قال رسول الله ﷺ: هاتوا ربع عشر اموالکم[۲].

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کے تم اپنے اموال کا چالیسواں حصہ (زکوٰۃ میں) ادا کیا کرو۔

چنانچہ جن اموال پر رسول اللہ ﷺ نے دوسری احادیث میں خصوصی طور پر کوئی اور شرح زکوٰۃ مقرر فرمادی مثلاً مویشی وغیرہ تو ان کی شرح تو وہی رہی، اور جن اموال کی کوئی شرح مقرر نہیں فرمائی انکے لئے یہ قاعدہ کلیہ بیان فرمادیا کہ ان کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں ادا کیا جائے، اس طرح مال تجارت کی شرح زکوٰۃ بھی خود رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے متعین ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں انہی حدیثوں کی تعمیل میں مال تجارت پر زکوٰۃ ادا کی جاتی رہی اور

---

(۱) سنن ابی داؤد، باب العروض اذا کانت للتجارة ص۲۱۸ ج اول، ورواه البیهقی من طریقه والدار قطنی فی سننه والطبرانی فی مُعجمه کذا فی نصب الرایه للزیلعیؒ ص ۳۷۶ ج۲.

(۲) بذل المجهود شرح سنن ابی داؤد ص۷ ج۳.

کسی صحابی نے اس سے اختلاف نہیں کیا[1]۔ لہٰذا کسی کا یہ کہنا کہ "مال تجارت پر زکوٰۃ حضرت عمرؓ نے لگائی جو حضورؐ نے نہیں لگائی" حضرت عمرؓ پر بہتان ہے اور اپنے باطل نظریات کو ان کے سر منڈھنے کی ناپاک کوشش کے سوا کچھ نہیں ہے۔

حضرت علیؓ کی طرف ایک قول کی نسبت:

مقرر نے اپنے غلط دعوے پر "پانچویں اور آخری دلیل" کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف یہ قول منسوب کیا ہے کہ "اگر کسی معاشرے میں احتیاج باقی ہو تو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہاں زکوٰۃ نہیں دی جارہی"۔

افسوس ہے کہ مقرر موصوف نے اپنے ماخذ کا کوئی حوالہ نہیں دیا، شاید انہوں نے اسی میں "مصلحت" سمجھی ہو، مگر ایسے شخص کی روایت پر کیسے اعتماد کیا جائے، جس کی پچھلی دلیلوں میں بار بار مشاہدہ ہو چکا ہے کہ وہ زکوٰۃ جیسے اہم مسئلہ میں نہایت غیر ذمہ داری کے ساتھ بے بنیاد باتیں قرآن عظیم، رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کرتا رہا ہے۔

تاہم یہ قول ہم نے متعلقہ کتابوں میں بہت تلاش کیا، جو الفاظ مقرر نے ذکر کئے ہیں، حضرت علیؓ کا کوئی ارشاد ان الفاظ میں نہیں ملا- البتہ ایک قول خطیب بغدادیؒ کی کتاب "تاریخ بغداد" میں ملا ہے، جسے راوی نے آنحضرت ﷺ کا ارشاد بتایا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسی قول کا راوی قرار دیا ہے- قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مقرر موصوف نے اس قول کو "ضروری ترمیم" کے بعد اپنی تقریر میں پیش کر دیا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد الفاظ مقرر کے پیش کردہ الفاظ سے ملتے جلتے بھی ہیں، نیز کنز العمال[2] میں بھی تاریخ بغداد کے حوالے سے یہ

---

(۱) بذل المجهود شرح سنن ابی داؤد ص ۷ ج ۳۔

(۲) نمبر ۱۵۰۴۵ ص ۲۵۲ ج ۳۔

قول نقل کیا گیا ہے، مگر وہاں حضرت علیؓ کے نام کے بعد آنحضرت ﷺ کا نام نامی صراحۃ مذکور نہیں، اس لئے ہو سکتا ہے کہ کسی نے اسے کنز العمال میں دیکھ کر حضرت علیؓ کا قول ہی سمجھا ہو۔ - بہر حال یہاں تاریخ بغداد[1] سے اس کے الفاظ بعینہٖ نقل کئے جاتے ہیں:

قال: حدثني علي ابن أبي طالب أنه سمع رسول الله ﷺ يقول ان الله فرض للفقراء في اموال الأغنياء قدر ما يسعهم، فإن منعهم حتى يجوعوا و يعروا و يجهدوا حاسبهم الله حسابا شديدا و عذبهم عذابا نكرا.

راوی کہتا ہے کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے مجھے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ نے فقراء کے لئے مالداروں کے اموال میں اتنی مقدار مقرر فرمادی ہے کہ وہ فقراء کے لئے کافی ہے، پس اگر مالداروں نے زکوٰۃ ان سے روک لی یہاں تک کہ وہ بھوکے اور ننگے ہو گئے اور سخت مشقت میں پڑ گئے تو اللہ ایسے مالداروں سے سخت حساب لے گا اور ان کو بہت برا عذاب دے گا۔

یہ روایت موضوع ہے:

اگر مقرر کی مراد حضرت علیؓ کے قول سے یہی قول ہے تو سخت حیرت کی بات ہے کہ موصوف نے تعلیم یافتہ مسلمانوں کے اجتماع میں اتنی دیدہ دلیری سے کام لیا! اس لئے کہ جن کتابوں میں یہ قول نقل کیا گیا ہے ان میں ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ اس قول کا راوی محمد بن سعید بورقی ہے جو کذاب ہے اور روایتیں اپنی طرف سے گھڑ کے بیان کرتا ہے، اس نے اتنی تعداد میں حدیثیں گھڑی ہیں کہ

(۱) تاریخ بغداد للخطیبؒ ص۳۰۹ تا ص۳۱۰ ج ۵۔

شمار مشکل ہے۔ کنز العمال میں یہ روایت نقل کر کے مؤلف فرماتے ہیں کہ:

و فیه محمد بن سعید البورقی کذاب یضع.

اس روایت کی سند میں ایک راوی محمد بن سعید البورقی ہے جو کذاب ہے روایتیں اپنی طرف سے گھڑتا ہے۔

خطیب بغدادی تاریخ بغداد میں یہ قول محمد بن سعید البورقی ہی کی سند سے نقل کر کے فرماتے ہیں:

محمد بن سعید البورقی کذاب حدث بغیر حدیث وضعه (إلی قوله) هذا البورقی قد وضع من المناکیر علی الثقات مالا یحصی.

محمد بن سعید کذاب ہے، اس نے ایک سے زائد حدیثیں وضع کر کے بیان کی ہیں (آگے فرماتے ہیں) اس بورقی نے ثقہ راویوں کی طرف منسوب کر کے حدیثیں اتنی تعداد میں گھڑی ہیں کہ شمار مشکل ہے۔

اس کے بعد محمد بن سعید بورقی کی مضحکہ خیز اور خودساختہ "حدیثوں کی چند مثالیں پیش کر کے اس کے خطرناک جھوٹ پر اظہار تعجب کرتے ہیں کہ:

ما کان أجرأ هذا الرجل علی الکذب کأنّه لم یسمع حدیث رسول الله ﷺ " من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار" – نعوذ بالله من غلبة الهوی[1].

یہ شخص (محمد بن سعید بورقی) جھوٹ میں کتنا دلیر ہے! کیا اس نے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث نہیں سنی کہ "جو شخص کوئی جھوٹی بات جان بوجھ کر میری طرف منسوب کرے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہے" - اللہ ہمیں

(۱) تاریخ بغداد ص ۳۱۰ ج ۵۔

خواہشات نفس کے غلبہ سے بچائے۔

خلاصہ یہ کہ محدثین کے مسلمہ قاعدہ کی رو سے یہ قول ''موضوع'' (خود ساختہ) ہے، اس کی نسبت نہ آنحضرت ﷺ کی طرف جائز ہے نہ حضرت علیؓ کی طرف اور جو شخص دیدہ ودانستہ ایسا کرے وہ بھی اس شرمناک جھوٹ میں برابر کا شریک ہے۔

پھر موصوف نے اس قول کا جو ترجمہ کیا ہے اول تو وہ صحیح نہیں جیسا کہ عربی عبارت سے ظاہر ہے اور اگر ترجمہ بھی موصوف ہی کا صحیح مان لیں یا یہ فرض کر لیا جائے کہ اس ترجمہ کے مطابق کوئی قول کسی بزرگ کا کسی صحیح سند کے ساتھ موجود ہے (اگرچہ وہ ہمیں نہیں ملا) تب بھی اس کا صحیح اور صاف مطلب موجود ہے جو دلائل شرعیہ سے متصادم نہیں اور وہ یہ کہ اس قول کا قائل زکوٰۃ کی تحسین وتوصیف کرتے ہوئے مالداروں کو زکوٰۃ پابندی سے ادا کرنے اور اسے صحیح مصرف (فقراء) پر خرچ کرنے کی ترغیب دے رہا ہے کہ اگر زکوٰۃ پابندی سے ادا کی جائے اور صحیح مصرف پر لگائی جائے تو احتیاج باقی نہیں رہ سکتی کیونکہ زکوٰۃ کی جو شرح اللہ نے مقرر فرمائی ہے وہ سب فقراء کی حقیقی احتیاج مٹانے کے لئے کافی ہے۔ اور احتیاج کا باقی رہنا اس بات کی علامت ہے کہ یا تو زکوٰۃ پوری شرح کے مطابق نہیں دی جاتی یا غیر مستحق کو دے دی جاتی ہے کہ جس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ تو ایک صحیح اور صاف مطلب کے ہوتے ہوئے خواہ مخواہ ایسے معنی نکالنا جو قرآن وسنت کی تصریحات اور اجماع امت کے خلاف ہوں، کہاں کی دانش مندی ہے۔

غرض مقرر موصوف نے اپنی اس دلیل میں اول تو بالکل موضوع اور جھوٹی روایت پیش کی پھر اس کا ترجمہ اس کے مطابق نہیں کیا، پھر اپنے اس ترجمہ

سے غلط نتیجہ نکال کر ایسا دعوی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو قرآن عظیم، احادیث متواترہ اور اجماع امت سے کلی طور پر متصادم اور تحریف دین کی بدترین مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس قسم کی تحریف دین سے اپنی پناہ میں رکھے۔

نتائج بھی غلط ہیں:

یہاں تک کی طویل بحث کے بعد اب ان تین نتائج پر مزید تحقیقی گفتگو کی ضرورت نہیں رہی جو مقرر نے آخر میں بیان میں کئے ہیں۔ کیونکہ یہ نتائج جن "دلائل" پر مبنی ہیں ان کا اول سے آخر تک غلط اور باطل ہونا واضح ہو چکا ہے، جس طرح وہ "دلائل" بے بنیاد اور تحریف دین کی گھناؤنی مثال ہیں یہ نتائج بھی شریعت اسلامیہ اور قرآن وسنت سے صریح طور پر متصادم ہیں۔

لہٰذا یہاں اختصار سے ان نتائج کا صرف شرعی حکم بیان کیا جاتا ہے۔ ان تینوں نتائج کا خلاصہ یہ ہے کہ زمین کی ملکیت اور صنعتی فرموں اور بنکوں کے حصص کی ملکیت محدود کر دی جائے اور مقررہ حد سے زائد ملکیت پر حکومت "بطور زکوۃ" قبضہ کرلے، یہ وہی چلتا ہوا نعرہ ہے جو سوشلزم کے نام پر آج پاکستان وغیرہ میں سنائی دیتا ہے، لیکن اس پر عمل زکوۃ کی شرح میں اضافہ کر کے تو شرعا ممکن نہیں کیونکہ شرح زکوۃ میں کمی بیشی کا کسی کو اختیار نہیں جیسا کہ پچھلے صفحات میں قطعی دلائل سے بیان کیا جاچکا ہے اگر مقررہ حد سے زائد ملکیت حلال طریقہ سے حاصل کی ہے تو اسلامی حکومت کو اس کا بھی قطعاً اختیار نہیں کہ کوئی اور قانون بنا کر اس پر جبرا قبضہ کرلے بلکہ جبرا تو عوض دے کر بھی لینا جائز نہیں، اگر کسی حکومت نے ایسا کیا تو یہ صریح ظلم ہوگا اور قرآن حکیم کی اس واضح قانون کی خلاف ورزی ہوگی کہ:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ

تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تراضٍ مِنْکُم ﴾

اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کے اموال باطل طریقہ سے مت کھاؤ، لیکن کوئی تجارت باہمی رضامندی سے ہو تو مضائقہ نہیں۔ (سورۃ النساء رکوع ۵)

ہاں! ناگزیر ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے لئے اسلامی حکومت کو بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت ٹیکس لگانے کا اختیار ہے جسکی تفصیلات اور دلائل کتب فقہ میں مذکور ہیں، مگر وہ ٹیکس، ٹیکس ہی ہو گا اسے زکوٰۃ قرار دینا تمام دلائل شریعت کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔

صحیح حل:

آج اگر کوئی نیک نیتی سے چاہتا ہے کہ افلاس کے مارے ہوئے آفت زدہ عوام کو چین واطمینان کی زندگی نصیب ہو تو اس کا طریقہ یہ نہیں کہ زکوٰۃ کی بنیادوں پر ہتھوڑا چلا دیا جائے بلکہ اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ زکوٰۃ اور اقتصادیت کا پورا اسلامی نظام انہی خطوط پر منظم طریقہ سے قائم کیا جائے جو قرآن سنت نے مقرر کئے ہیں۔ نیز سود، سٹہ اور قمار جیسے ظالمانہ عیارانہ معاملات سے ملکی تجارت و معیشت کو بلا تاخیر پاک کیا جائے جنہوں نے عوام کو بے کسی اور فاقہ کشی کے عذاب میں اور سرمایہ داروں کو لوٹ کھسوٹ کے جہنم میں دھکیل دیا ہے۔

☆☆☆

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ وسود کے مسائل

پراویڈنٹ فنڈ کی زکوٰۃ اور سود کے مسائل

منقول از ''البلاغ'' شمارہ رجب ۱۳۹۳ھ

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد! پراویڈنٹ فنڈ کی زکوٰۃ اور فنڈ پر ملنے والے منافع کے بارے میں مفصل تحقیق، تحقیقی [illegible] ''پراویڈنٹ'' میں آچکی ہے۔ یہاں ان کے مختصر مسائل جو اسی تحقیق پر [illegible] ہیں لکھے جاتے ہیں۔ بعض مسائل اگرچہ واضح تھے مگر کچھ حضرات ان کے بارے میں بھی پوچھتے ہیں۔ عوام کی سہولت کے لئے انہیں بھی کو شامل کر لیا ہے۔

آگے جو احکام آرہے ہیں، ملازمت خواہ سرکاری ہو یا غیر سرکاری دونوں صورتوں میں وہ یکساں ہیں۔

مسئلہ (۱): جبری پراویڈنٹ فنڈ میں ملازم کی تنخواہ سے جو رقم ماہ بماہ کاٹی جاتی ہے اور اس پر ہر ماہ جو اضافہ محکمہ اپنی طرف سے کرتا ہے پھر مجموعہ پر جو رقم سالانہ بنام سود جمع کرتا ہے شرعاً ان تینوں رقموں کا ایک حکم ہے اور وہ یہ کہ یہ سب رقمیں درحقیقت تنخواہ ہی کا ایک حصہ ہیں اگرچہ سود یا کسی اور نام سے دی جائیں۔ لہٰذا ملازم کو ان کا لینا اور اپنے استعمال میں لانا جائز ہے۔ ان میں سے کوئی رقم بھی شرعاً سود نہیں۔ البتہ پراویڈنٹ فنڈ میں رقم اگر اپنے اختیار سے کٹوائی

جائے تو اس پر جو رقم محکمہ بنام سود دے گا اس سے اجتناب کیا جائے کیونکہ اس میں تشبہ بالربوا بھی ہے اور سود خواری کا ذریعہ بنا لینے کا خطرہ بھی۔ اس لئے خواہ وصول ہی نہ کریں یا وصول کر کے صدقہ کر دیں۔

(تنبیہ): یاد رہے کہ جو ملازم مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے یہ سمجھتا تھا کہ جبری فنڈ پر محکمہ جو رقم بنام سود دیتا ہے وہ شرعاً بھی سود ہے، پھر اس نے سود ہی سمجھتے ہوئے محکمہ سے اس زائد رقم کا معاملہ کیا تو اگرچہ یہ زائد رقم اس کیلئے حلال ہے مگر اس نے جو سود لینے کی نیت کی یہ نیت گناہ ہے۔ ایسے شخص کو چاہئے کہ اس غلط نیت سے توبہ کرے[1]۔

مسئلہ (۲): جو حکم مسئلہ نمبر (۱) میں بیان کیا گیا یہ اس وقت ہے جبکہ پراویڈنٹ فنڈ کی رقم ملازم نے اپنی طرف سے کسی شخص یا کمپنی وغیرہ کی تحویل میں نہ دلوائی ہو بلکہ محکمہ نے اپنے تصرف میں رکھی ہو یا اگر کسی شخص یا کمپنی وغیرہ کو دی ہو تو محکمہ نے اپنے طور سے اپنی ذمہ داری پر دی ہو، اور اگر ملازم نے اپنی ذمہ داری پر یہ رقم کسی شخص یا بنک یا بیمہ کمپنی یا کسی اور مستقل کمیٹی مثلاً ملازمین کے نمائندوں پر مشتمل بورڈ وغیرہ کی تحویل میں دلوا دی تو یہ ایسا ہے جیسے خود وصول کر کے اس کی تحویل میں دی ہو اب اگر بنک یا کمپنی وغیرہ اس رقم پر کچھ سود دیں تو یہ شرعاً سود ہوگا جس کا لینا ملازم کیلئے قطعاً حرام ہے فنڈ خواہ جبری ہو یا اختیاری۔

---

(۱) اور یہ حکم پراویڈنٹ فنڈ ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر حلال چیز جو حرام نیت سے استعمال کی جائے اس کا یہی حکم ہے مثلاً کوئی بکرے کا گوشت یہ سمجھ کر کھائے کہ یہ خنزیر کا گوشت ہے تو اگرچہ یہ گوشت حلال ہے مگر اس نے یہ حلال گوشت خنزیر کا گوشت کھانے کی نیت سے کھایا، یہ نیت حرام ہے جس سے توبہ کرنا واجب ہے۔

مسئلہ (۳): البتہ اگر ملازم نے اپنے فنڈ کی رقم کسی تجارتی کمپنی یاملازمین کے نمائیندوں پر مشتمل بورڈ وغیرہ کو اس شرط پر دلوائی ہو کہ وہ اسے اپنی تجارت میں لگائے اور ملازمین نفع و نقصان میں شریک ہوں یعنی کمپنی کو نقصان ہوا تو ملازم کے حصہ کا نقصان ملازم پر پڑے اور نفع ہوا تو نفع کا اتنافی صد (جتنا فیصد بھی طے ہوا ہو) ملازم کو ملے تو جو نفع اس صورت میں ملازم کو ملے گا وہ سود نہیں، خواہ فنڈ جبری ہو یا اختیاری دونوں صورتوں میں اس کا نفع لینا اور اپنے استعمال میں لانا جائز ہے۔

مسئلہ (۴) تنخواہ سے جو رقم پراویڈنٹ فنڈ میں کاٹی جاتی ہے اور اس پر ماہ بماہ جو اضافہ محکمہ اپنی طرف سے کرتا ہے پھر مجموعہ پر جو رقم سالانہ (بنام سود یا انٹرسٹ) ملازم کے حساب میں جمع کرتا ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مذہب پر انمیں سے کسی رقم پر سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہاں وصول ہونے کے بعد سے ضابطہ کے مطابق اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی جس کی تفصیل آگے آرہی ہے مگر صاحبینؒ کے نزدیک یہ رقم وصول ہونے کے بعد سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ بھی واجب ہوگی لہٰذا اگر کوئی شخص تقویٰ واحتیاط پر عمل کرتے ہوئے سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ بھی دے دے تو افضل اور بہتر ہے نہ دے تو کوئی گناہ نہیں کیونکہ فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ فنڈ خواہ جبری ہو یا اختیاری زکوٰۃ کے مسائل میں دونوں کے احکام یکساں ہیں۔

مسئلہ (۵): مذکورہ بالا حکم اس وقت ہے جبکہ ملازم نے اپنے فنڈ کی رقم اپنی ذمہ داری پر کسی دوسرے شخص یا کمپنی وغیرہ کی تحویل میں منتقل نہ کروادی ہو، اگر ایسا کیا یعنی اپنے فنڈ کی رقم اپنی طرف سے اپنی ذمہ داری پر کسی شخص یا بنک، بیمہ کمپنی، کسی اور مستقل تجارتی کمپنی یا ملازمین کے نمائندوں پر مشتمل بورڈ کی

تحویل میں دلوادی تو یہ ایسا ہے جیسے خود اپنے قبضہ میں لے لی ہو کیونکہ اس طرح جس کمپنی وغیرہ کو یہ رقم منتقل ہوئی وہ اس ملازم کی وکیل ہو گئی اور وکیل کا قبضہ شرعاً موکل کے قبضہ کے حکم میں ہے۔ لہٰذا جب سے یہ رقم اس کمپنی وغیرہ کی طرف منتقل ہو گی اس وقت سے اس پر زکوٰۃ کے احکام جاری ہو جائیں گے اور ہر سال کی زکوٰۃ ضابطہ کے مطابق واجب ہوتی رہے گی۔

مسئلہ (۶): اسی طرح اگر ملازم نے اپنے فنڈ کی رقم کسی تجارتی کمپنی کو اس شرط پر دلوادی کہ وہ اسے تجارت میں لگائے اور ملازم اس کے نفع نقصان میں شریک ہو تو جس وقت سے یہ رقم اس پر کمپنی کو منتقل ہو گی اس پر زکوٰۃ کے احکام جاری ہو جائیں گے اور ہر سال کی زکوٰۃ ملازم پر ضابطہ کے مطابق واجب ہوتی رہے گی، اور جب اس پر نفع ملنا شروع ہو گا، تو نفع پر بھی زکوٰۃ کے احکام جاری ہو نگے۔

مسئلہ (۷): جب یہ رقم ملازم یا اس کے وکیل کو وصول ہو گی تو زکوٰۃ کے مسائل میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مذہب پر اس کا حکم اور ضابطہ وہی ہوگا جو کسی اور نئی آمدنی (مال مستفاد) کا ہوتا ہے اور تفصیل اسکی یہ ہے:

(۱) ملازم اگر وصولیابی سے پہلے بھی صاحبِ نصاب نہیں تھا اور فنڈ کی رقم بھی اتنی کم ملی ہے کہ اسے ملا کر بھی اس کا کل مال مقدارِ نصاب کو نہیں پہنچتا تو وجوبِ زکوٰۃ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

(۲) اور اگر پہلے صاحبِ نصاب نہیں تھا مگر اس رقم کے ملنے سے صاحبِ نصاب ہو گیا تو وصولیابی کے وقت سے جب تک پورا ایک قمری سال نہ گزر جائے اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہ ہو گی اور سال پورا ہونے پر بھی اس

شرط پر واجب ہو گی کہ اس وقت تک یہ شخص صاحبِ نصاب رہے۔ لہٰذا اگر سال پورا ہونے سے پہلے مال خرچ یا چوری وغیرہ ہو کر اتنا کم رہ گیا کہ یہ شخص صاحبِ نصاب نہ رہا تو زکوٰۃ واجب نہ ہو گی اور اگر خرچ ہونے کے باوجود سال کے آخر تک مال بقدرِ نصاب بچا رہا تو جتنا بچا رہا صرف اس کی زکوٰۃ واجب ہو گی جو خرچ ہو گیا اس کی واجب نہ ہو گی۔

(۳) اور اگر یہ ملازم پہلے سے صاحبِ نصاب تھا تو فنڈ کی رقم مقدارِ نصاب سے خواہ کم ملے یا زیادہ اس کا سال علیحدہ شمار نہ ہو گا بلکہ جو مال پہلے سے اس کے پاس تھا جب اس کا سال پورا ہو گا فنڈ کی وصول شدہ رقم کی زکوٰۃ بھی اسی وقت واجب ہو جائے گی خواہ اس نئی رقم پر ایک ہی دن گزرا ہو، مثلاً ایک شخص کی ملکیت میں ایک ہزار روپے سال بھر سے موجود تھے، سال پورا ہونے سے ایک دن پہلے اسے پراویڈنٹ فنڈ کے مثلاً ایک ہزار روپے مل گئے تو اب اگلے روز اسے پورے دو ہزار روپے کی زکوٰۃ ادا کرنی ہو گی۔

مسئلہ (۸): جو شخص پہلے سے صاحب نصاب تھا اور سال پورا ہونے سے مثلاً چار ماہ پہلے اسے فنڈ کی رقم مل گئی مگر وصولیابی کے بعد چار ماہ گزرنے نہ پائے تھے کہ کچھ روپے خرچ ہو گئے تو اب باقی ماندہ مال اگر بقدرِ نصاب ہے تو جتنا باقی ہے اس کی زکوٰۃ واجب ہو گی اور جو خرچ ہو گیا اس کی واجب نہ ہو گی۔ اگر باقی ماندہ مال نصاب سے کم ہے تو زکوٰۃ بالکل واجب نہ ہو گی۔

خلاصہ یہ کہ جو شخص صاحبِ نصاب ہو وسط سال میں مال کی کمی بیشی کا اس پر کچھ اثر نہ پڑے گا بلکہ سال کے اختتام پر جتنا مال موجود ہو گا اس کی زکوٰۃ واجب ہو گی۔

مسئلہ (۹): مسائل زکوٰۃ کی یہ سب تفصیل امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر تھی اور اگر احتیاطاً صاحبین کے اقوال کے مطابق سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ بھی دے دی جائے تو یہ بہت بہتر اور افضل ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب سے ملازم صاحب نصاب ہوا، اس وقت سے ہر سال کے اختتام پر یہ حساب کر لیا کرے کہ اب اس کے فنڈ میں کتنی رقم جمع ہے، جتنی اس وقت ہو اس کی زکوٰۃ ادا کر دے اسی طرح ہر سال کرتا رہے۔

اپنے فنڈ سے قرض لینا

مسئلہ (۱۰): معلوم ہوا ہے کہ محکمہ ملازم کو اس کے فنڈ میں سے بوقت ضرورت کچھ رقم بنام قرض دیتا ہے پھر اسکی اگلی تنخواہوں سے قسط وار اتنی ہی رقم اور کچھ مزید رقم جو بنام سود ہوتی ہے کاٹ کر مجموعہ اسی ملازم کے فنڈ میں جمع کر دیتا ہے۔ اس طرح ملازم کو رقم دینے سے اس کے فنڈ میں جو کمی آ گئی تھی وہ پوری ہو جاتی ہے۔ اختتام ملازمت پر کل رقم اس کو مل جاتی ہے۔ یہ معاملہ اگرچہ سودی قرض کے نام سے کیا جاتا ہے لیکن شرعی نقطہ نگاہ سے یہ نہ قرض ہے نہ سودی معاملہ۔ قرض تو اس لئے نہیں کہ ملازم کا جو قرض محکمہ کے ذمہ لازم تھا اور جس کے مطالبہ کا اسے حق تھا اس نے اسی کا ایک حصہ وصول کیا ہے۔

اور بعد کی تنخواہوں سے جو رقم ادائے قرض کے نام سے بالاقساط کاٹی جاتی ہے وہ بھی ادائے قرض نہیں بلکہ فنڈ میں جو رقم معمول کے مطابق ہر ماہ کٹتی تھی اسی کی طرح یہ بھی ایک کٹوتی ہے اور اسی کی طرح یہ بھی ملازم کا محکمہ کے ذمہ قرض ہے، کیونکہ یہ کٹوتی بھی اسی کے فنڈ میں جمع ہو کر اختتام ملازمت پر اسی کو مل جاتی ہے۔

اور جو رقم اس کی تنخواہوں سے بنام سود کاٹی جاتی ہے وہ بھی شرعاً سود نہیں، اس لئے کہ سود دوسرے کے مال پر دیا جاتا ہے۔ اور یہاں یہ رقم ملازم ہی کے مال پر وصول کر کے ملازم ہی کو واپس مل جاتی ہے۔ لہٰذا ملازم کو مذکورہ طریقے سے قرض لینے کی شرعاً گنجائش ہے۔

مسئلہ (۱۱): اوپر معلوم ہو چکا کہ ملازم کو اس کے فنڈ میں سے جو رقم بنام قرض دی جاتی ہے شرعاً یہ قرض نہیں بلکہ اس کا جو قرض محکمہ کے ذمہ تھا اسی کے ایک جزو کی وصولیابی ہے۔ اس لئے اس رقم کی وصولیابی کے وقت سے اس پر زکوٰۃ کے احکام اسی ضابطہ کے مطابق جاری ہو جائیں گے جس کی تفصیل مسئلہ نمبر ۷ تا نمبر ۹ بیان ہوئی۔

مسئلہ (۱۲): اگلی تنخواہوں سے جو رقم محکمہ یہ کہہ کر کاٹتا ہے کہ دیا ہوا قرض اور اس کا سود وصول کیا جا رہا ہے چونکہ شرعاً یہ نہ ادائے قرض ہے نہ سود بلکہ فنڈ کی دیگر کٹوتیوں کی طرح یہ بھی محکمہ کے ذمہ ملازم کا قرض ہے اس لئے سود اور زکوٰۃ کے مسائل میں اس کے بھی سب احکام وہی ہیں جو فنڈ کی دیگر جمع شدہ رقم کے ہیں اور پیچھے تفصیل سے گذر چکے ہیں۔

اس معاملہ کے بارے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کا ایک فتویٰ جو امداد الفتاویٰ میں چھپ چکا ہے، مع سوال و جواب یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

فتویٰ حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

السوال: بعض محکموں میں گورنمنٹ جبراً تنخواہ سے کچھ کاٹ لیتی ہے اور

جتنا کاٹتی ہے قریب قریب اتنا ہی اپنے پاس سے بنام سود جمع کرتی رہتی ہے۔ پھر پنشن کے بعد وہ سب روپیہ ملتا ہے۔ درمیان میں اگر کوئی ضرورت واقع ہو تو تین ماہ کی تنخواہ کی مقدار تک مل سکتا ہے۔ جس کو ۲۴ ماہ میں باقساط وصول کر لیا جاتا ہے لیکن سود بھی دینا پڑتا ہے لیکن وہ سود بھی اسی کے حساب میں لگا دیا جاتا ہے تا کہ روپیہ نکالنے کی وجہ سے اس رقم میں کوئی فرق واقع نہ ہو جو بعد پنشن کے ملے گی شرعاً اسطرح روپیہ نکالنا جائز ہے یا نہیں کیونکہ اس میں سود دینا پڑتا ہے۔ گو وہ اپنے ہی حساب میں جمع ہو جاتا ہے؟

الجواب: اس سوال میں دو جزء قابلِ تحقیق ہیں، ایک اپنی تنخواہ کی رقم پر گورنمنٹ سے سود لینا، سو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اس لئے ایسے شخص کو خصوصیت کے ساتھ گنجائش ہے جس کی تنخواہ جبراً وضع کر لی جائے، دوسرا جزء جو رقم درمیان میں لی جاتی ہے اسپر سود دینا سو یہ اس مسئلہ مختلف فیہا میں داخل نہیں۔ کیونکہ وہ مسئلہ اخذ سود کا ہے، اور یہ اعطائے سود ہے جس کی حرمت منصوص علیہا ہے، لیکن اس میں ایک تاویل ہو سکتی ہے، وہ یہ کہ یہ شخص گورنمنٹ سے قرض نہیں لیتا، بلکہ اس کا جو قرض گورنمنٹ کے ذمہ ہے اس کے ایک حصہ کا مطالبہ کرتا ہے جس کا اس کو شرعاً حق ہے پھر جس وقت اس رقم واپس کرتا ہے یہ واپسی ادائے قرض نہیں، بلکہ مثل دیگر رقم جمع شدہ کے یہ بھی گورنمنٹ کو قرض ہی دیتا ہے اور جب واپس کردہ رقم خود اس کی ملک ہے، اور سود ہوتا ہے دوسری کی مملوک رقم پر، اسلئے یہ جو سود کے نام سے دیا گیا ہے سود نہیں ہے۔ پس اس کا دینا ادائے سود بھی نہیں اس لئے اس کو ناجائز بھی نہ کہا جائے گا، بلکہ اخذِ مذکور کی حلت تو مختلف فیہ بھی ہے اور اس اعطاء کی حلت اس تاویل پر متفق علیہ ہو گی۔ البتہ پھر اس رقم پر جو اخیر میں گورنمنٹ سے سود لیا جاوے گا پھر

وہ اخذ مختلف فیہ ہوگا۔ **کما سبق و اللہ اعلم**. (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۱۱)

۱۲ شوال ۵۲ ۱۳ھ (النور، ص ۹) ربیع الاول ۵۴ھ

مذکورہ بالا سب مسائل حتی الامکان آسان انداز میں لکھے گئے ہیں تاہم اگر کسی مسئلہ میں اشتباہ باقی رہے تو مقامی مستند علماء کرام کو دکھا کر سمجھ لیا جائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

کتبہ محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
خادم دار الافتاء، دار العلوم کراچی ۱۴
۱۳۹۳/۱/۱۵ھ

سرکاری نظام زکوٰۃ کے متعلق حکومت کے کچھ سوالات اور انکے جوابات

سرکاری نظامِ زکوٰۃ کے متعلق
حکومت کے کچھ سوالات اور ان کے جوابات

(منقول از ماہنامہ البلاغ شمارہ جمادی الآخری ۱۴۰۳ھ)

حال ہی میں مرکزی زکوٰۃ انتظامیہ نے زکوٰۃ کے متعلق بعض فقہی سوالات مختلف علماء کرام کی خدمت میں بھیجے تھے، اس سوالنامے کا جو جواب ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' نے اتفاق رائے سے ارسال کیا وہ ذیل میں پیش خدمت ہے۔ بنیادی طور پر تحریر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کی ہے اور ارکان مجلس نے باہمی مشورے سے اس میں ترمیم واضافہ کے بعد اس کی تصدیق کی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

اگلے صفحات میں ہم مرکزی زکوٰۃ انتظامیہ کی طرف سے جاری کردہ سوالناموں کے جوابات سپرد قلم کریں گے، ان سوالناموں میں بعض فقہی مسائل بھی اٹھائے گئے ہیں، جن کے متعلق مرکزی وصوبائی زکوٰۃ کونسلوں کے خصوصی مشترکہ اجلاس (منعقدہ ۵ اگست ۱۹۸۲ء اسلام آباد) میں علماء کرام کو دعوت اجتہاد دی گئی تھی۔ اس لئے ہم ان کے متعلق چند امور اصولی طور پر پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں، ان میں سے کسی اصول کو نظر انداز کیا گیا تو ہماری دیانت دارانہ رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ کا بابرکت نظام نہ صرف یہ کہ آگے نہ بڑھ سکے گا بلکہ جتنا یہ اب تک وجود میں آیا ہے اس کا بھی شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔ ہم امید

جتنا یہ اب تک وجود میں آیا ہے اس کا بھی شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ جس حقیقت پسندانہ اور خیر خواہانہ جذبہ سے یہ چند اصول پیش کئے جارہے ہیں، اس جذبے کے ساتھ ان پر غور فرمایا جائے گا۔

فقہ اور اصول فقہ کا یہ مسلمہ اصول ہے اور اہل سنت والجماعت کے تمام فقہی مکاتب فکر کا اس پر اتفاق ہے کہ اجتہاد صرف ان مسائل میں یا کسی مسئلہ کے اس خاص جزو میں ہو سکتا ہے جس کا کوئی واضح حکم قرآن و سنت اور اجماع امت میں موجود نہ ہو۔ قرآن یا سنت کے واضح ارشاد یا اجماع امت کے کسی قطعی فیصلہ کے خلاف نہ اجتہاد جائز ہے نہ قیاس[1]۔ ہاں کسی آیت قرآنیہ یا حدیث نبوی کے معنی و مطلب میں:

(ا) اگر کوئی اجمال ہو، یا

(ب) دو معنی کا احتمال ہو، یا

(ج) دو آیتوں یا حدیثوں کے درمیان تعارض ہو، یا

(د) اجماع قطعی نوعیت کا نہ ہو بلکہ ظنی ہو، یا

(ہ) کسی مسئلہ میں قرآن و سنت اور اجماع تینوں خاموش ہوں۔

تو[2] ان تمام صورتوں میں اہلیت اجتہاد رکھنے والے فقہاء کرام کا فرض ہے

(۱) دیکھئے حنفی اصول فقہ کی مشہور کتاب "التحریر لابن الہمام مع شرحہ التیسیر ص ۲۲۴ ج ۲۔ اور فقہ شافعی کی مشہور کتاب شرح المہذب ص ۳۸۷ ج ۱۸۔ اور مالکی اصول فقہ کی مشہور کتاب "منتہی الوصول والاصل" لابن الحاجب ص ۱۳ اور حنبلی اصول فقہ کی کتاب "المختصر فی اصول الفقہ" لابن الحاجب ص ۱۴۵ و ص ۱۵۱۔

(۲) ملاحظہ ہو امام شافعی کی کتاب الرسالہ ص ۵۱۰ اور کتاب الاجتہاد والتجدید ص ۲۴۷۔ اور منتہی الوصول والاصل لابن الحاجب المالکی ص ۱۳۰۔

کہ بوقت ضرورت شرعی اصولوں کے مطابق قیاس واجتہاد کے ذریعے ایسے مسائل کا حل دریافت کریں۔

دوسرا اصول یہ پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ اجتہاد ہر کس وناکس کا کام نہیں، درس نظامی یا کسی اور نصاب کا ہر سند یافتہ عالم دین بھی اس نازک ذمہ داری کا اہل نہیں ہوتا، آج جس نوعیت کا اجتہاد ممکن ہے وہ بھی صرف ایسے علماء دین کا قابل اعتماد ہو سکتا ہے جنہوں نے علم فقہ معتبر وماہر علماء سے حاصل کیا ہو، فقہ میں خصوصی ملکہ رکھتے ہوں، جن کا خصوصی مشغلہ و تجربہ فقہی مسائل کی تحقیق میں ممتاز ہو اور جن کے فتاوی، فقہی تحقیقات اور دیانت پر علمی حلقوں میں بالعموم اعتماد کیا جاتا ہو۔

ایسے محقق علماء کرام جو ان صفات کے حامل ہوں پاکستان تو کجا پورے عالم اسلام میں بھی ان کی تعداد بہت کم ہے۔

لہٰذا مرکزی زکوٰۃ انتظامیہ کو اپنے سوالنامے کے جواب میں فقہی مسائل کے متعلق جو مجتہدانہ آرا و تجاویز موصول ہوں، ان کو اس لحاظ سے بھی ضرور پرکھنے کا انتظام کیا جائے کہ تجاویز پیش کرنے والا اہلیت اجتہاد بھی رکھتا ہے یا نہیں؟ اور وہ بھی ان صفات سے متصف ہے یا نہیں؟ جو اجتہاد کے لئے ناگزیر ہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ ہر رائے یا تجویز کو اجتہاد کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ اجتہاد وہی معتبر ہے جو اپنی حدود میں ہو، اور شرائط کے ساتھ [1] اس اصول کو نظر انداز

---

(۱) شرائط اجتہاد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو التوضیح لصدر الشریعۃ مع شرح التلویح وحاشیۃ التوشیح ص ۶۰۳ تا ص ۶۰۴۔ اور امام شافعی کی کتاب الرسالہ ص ۵۰۹ تا ص ۵۱۱۔ وشرح عقود رسم المفتی لابن عابدین الشامی ص ۸۔ (مطبوعہ دار العلوم کراچی ۱۴)

کرنے سے ہمارا موجودہ نظام زکوٰۃ اپنا اعتماد بالکلیہ کھو بیٹھے گا۔ جس کے بعد یہ نظام ایک ٹیکس کا نظام بن کر باقی رہے تو رہے، عبادت کی حیثیت سے باقی نہ رہے گا۔

تیسری بات جو اصولی طور پر پیش نظر رہنی چاہئے یہ ہے کہ صدیوں سے عالم اسلام سرکاری سطح پر نظام زکوٰۃ اوراس کی برکات سے محروم تھا،پاکستان میں بھی یہ اس وقت بالکل ابتدائی مراحل میں ہے۔ جس سے یہاں کے عوام مانوس ہیں نہ حکام، ادھر قومی اور صوبائی زبانوں میں زکوٰۃ وعشر آرڈی ننس کی اشاعت بھی ضرورت کے مطابق نہیں ہوئی ہے جس کے باعث بہت سے اہل علم بھی اس کی تفصیلات سے واقف نہیں۔ لہٰذا بعض سیاسی عناصر دینی حلقوں کواس کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا کر رہے ہیں، کہیں رجال کار پر اعتراض ہے کہیں طریق کار پر، کبھی نیتوں پر شبہ کیا جاتا ہے اور کبھی خود آرڈی ننس کی فقہی حیثیت کو مشکوک بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مثلاً بعض حلقوں میں یہ بات مشہور کی گئی کہ پی، آئی،اے میں ملازمین کی تنخواہیں زکوٰۃ فنڈ سے دی گئیں، وغیرہ وغیرہ

لہٰذا بعض دینی حلقوں میں بھی اس کے متعلق بدگمانیاں پائی جاتی ہیں۔جو بحمد اللہ اب رفتہ رفتہ کم ہو رہی ہیں۔

ان حالات میں اس نظام کے فروغ اور کامیابی کے لئے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ اس پر عامۃ المسلمین کا اور خصوصاً علمی ودینی حلقوں کا اعتماد بحال کیا جائے۔ اور بالفرض کسی خاص مسئلہ میں اگرچہ اجتہاد اور تغیر و تبدل کی فی

نفسہ گنجائش ہو لیکن اس گنجائش کو استعمال کر کے زکوٰۃ و عشر آرڈی ننس میں بحالات موجودہ کوئی ایسی ترمیم نہ کی جائے جس سے :

(ا) دینی حلقوں میں شکوک و شبہات کا دروازہ کھلتا ہو۔یا

(ب) اہل سنت والجماعت کے مختلف مکاتب فکر میں اس نظام کی فقہی حیثیت مشکوک ہوتی ہو۔یا

(ج) جو ملک کی بھاری اکثریت کے فقہی مسلک کے خلاف ہو۔

اگر ایسا کیا گیا تو اس سے ایک نیا اضطراب پیدا ہو گا۔اور اس نظام میں تعاون حاصل ہونے کی بجائے طرح طرح کی بے شمار الجھنیں اور مشکلات پیدا ہو جائیں گی، یہ بھی شریعت کا مسلمہ اصول ہے کہ کوئی کام اگرچہ فی نفسہ جائز بلکہ مستحب ہو، لیکن اس سے اگر خاص حالات میں فتنہ کا دروازہ کھلتا ہو تو اس سے پرہیز لازم ہو جاتا ہے۔ (مقدمہ صحیح مسلم ص۹ ج۱ اصح المطابع کراچی، وصحیح بخاری کتاب العلم)

سوالنامہ (الف) اوران کے جوابات

(ا) سوال :- مصارف زکوٰۃ کے سیاق و سباق میں "انفاق فی سبیل اللہ" ایک خیال کے مطابق حسب ذیل اخراجات تک محدود ہے۔

الف :- جہاد پر روانہ ہونے والے سپاہی کو مسلح کرنا، اور

ب :- حج کے لئے روانہ ہونے والے ایک مفلس کو ضروری مالی امداد مہیا کرنا۔

کیا آپ اس خیال سے متفق ہیں ؟ یا آپ اس مصرف کو کوئی اور مفہوم یا

جہت دینے کے حق میں ہیں تاکہ ایسے اخراجات کو اداراتی اور سماجی حیثیت دی جاسکے۔ خاص طور پر جب کہ افراد کی بجائے حکومت کی طرف سے زکوٰۃ تقسیم کی جارہی ہے، اور اس لئے بھی کہ سامان حرب بھی انتہائی ماہرانہ، گراں اور قومی سطح پر مربوط ہو گیا ہے۔

(۱) جواب:- فی سبیل اللہ کے مصرف کا صرف (الف) اور (ب) میں بیان کئے ہوئے مصارف کی حد تک محدود ہونا محض ایک "خیال" نہیں بلکہ ائمہ مجتہدین کا فقہی مسلک ہے، خاص طور پر پاکستان کے علماء اور مسلمان جن کی بھاری اکثریت فقہ حنفی سے وابستہ ہے، وہ "فی سبیل اللہ" کی اس تفسیر کو احکام زکوٰۃ کا لازمی حصہ سمجھتے ہیں، لہٰذا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ کس شخص کی ذاتی رائے اس فقہی مسلک کے مطابق ہے یا نہیں؟ بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ اس فقہی مسلک کو نظر انداز کر کے زکوٰۃ کی رقوم کو تملیک اور فقر کی شرط کا لحاظ رکھے بغیر سماجی بہبود کے اداراتی کاموں میں لگانا درست یا مناسب ہے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب ہمارے نزدیک واضح طور پر نفی میں ہے جس کی وجوہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) نظام زکوٰۃ کی کامیابی کے لئے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقوم کو سو فیصد شریعت کے احکام کے مطابق صرف کیا جائے اور اسے کسی ایسے مصرف میں بھی خرچ کرنے سے کلیتہً پرہیز کیا جائے جس کا جواز شریعت کی رو سے ذرا بھی مشتبہ ہو، چہ جائیکہ اسے کسی ایسے مصرف میں صرف کیا جائے جس کو ملک کی عظیم اکثریت اپنی فقہی مسلک کی رو سے جائز نہیں سمجھتی۔

(۲) یہ بات ناقابل انکار ہے کہ زکوٰۃ کا اصل منشاء "فقراء و مساکین" کی امداد ہے اس لئے قرآن کریم نے بھی مصارف زکوٰۃ میں انہی کو مقدم رکھا ہے۔

اور زکوٰۃ کے ذریعے ان کو قابل اعتماد اور بے خطر طریقہ سے اس کو پہنچانے کا موثر ترین طریقہ یہی ہے کہ زکوٰۃ ان کو اس طرح دی جائے جس سے ان کی ملکیت میں اضافہ ہو۔ جہاں تک دوسرے رفاہی کاموں کا تعلق ہے ان کے دوسرے متعدد ذرائع موجود ہیں۔ لیکن مفلسوں کا یہ حق براہ راست ان کی ملکیت میں پہنچنا ضروری ہے۔ اس وقت بھی جب کہ زکوٰۃ کی رقوم براہ راست نادار افراد تک پہنچانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ ان کے پاس پہنچنے والی رقوم کی مقدار بہت کم ہے اور نظام زکوٰۃ کو کامیاب بنانے کے لئے ان رقموں میں اضافہ انتہائی ضروری ہے، اداروں کے قیام کے بعد اس مقدار میں اضافے کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا، اس کے بجائے اس میں مزید کمی ہو جائے گی۔

(۳) ہمارے ملک کے بے شمار تجربات اس بات کے گواہ ہیں کہ اگر زکوٰۃ کی رقوم سماجی اداروں کے قیام میں صرف کی گئیں تو زکوٰۃ کا بیشتر حصہ ان اداروں کی تعمیر ان کی آرائش، ان کے فرنیچر اور ان میں کام کرنے والے عملے کی تنخواہوں وغیرہ میں صرف ہو جائے گا، اور فقراء و مساکین کی ملکیت میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکے گا۔ خاص طور پر ہمارے ملک میں امانت اور دیانت کا جو افسوسناک معیار ہر شخص کے مشاہدے میں ہے اس کے پیش نظر کچھ بعید نہیں ہے کہ زکوٰۃ فنڈ انہی دفتری کاروائیوں کی نذر ہو کر نہ رہ جائے اور نظام زکوٰۃ کی کامیابی کے لئے اس سے زیادہ مہلک اور خطرناک بات کوئی اور نہیں ہو سکتی۔

(۴) ہمیں اس بات میں ادنیٰ شبہ نہیں ہے کہ اگر زکوٰۃ کی رقوم کو اداراتی کاموں پر خرچ کیا گیا تو وصولی زکوٰۃ کے نظام کے اعتماد کو زبردست دھکا لگے گا اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے فرار کی کوششوں میں اضافہ ہو جائے گا۔

(۵) زکوٰۃ آرڈی ننس میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اگر کسی شخص کے فقہی مسلک کے مطابق زکوٰۃ ادا نہ ہوتی ہو تو وہ ایک حلف نامے کے ذریعے اپنے آپ کو زکوٰۃ کی جبری کٹوتی سے مستثنیٰ کرا سکتا ہے اگر زکوٰۃ کے مصارف میں تملیک کے بغیر یہ ادارتی اخراجات شامل کئے گئے تو ملک کا ہر حنفی شہری اپنے فقہی مسلک کے لحاظ سے اس قسم کا حلف نامہ پر کرنے اور اپنے آپ کو ادائیگی زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرانے میں قانوناً حق بجانب ہوگا، اور اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد زکوٰۃ فنڈ میں کوئی قابل ذکر رقم جمع بھی ہو سکے گی یا نہیں؟

ان وجوہ کی بناء پر ہماری حتمی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ فنڈ کو اداروں کے قیام کے لئے استعمال کرنے سے بالکلیہ پرہیز کیا جائے، اور حسب سابق براہ راست فقراء و مساکین کو مالک بنا کر زکوٰۃ پہنچانے کا طریقہ برقرار رکھا جائے، البتہ اس طریق کار کو زیادہ موثر بنانے کے لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ نقد رقوم کے علاوہ دوسری اشیاء مثلاً مشین، ریڑھیاں، خوانچے، سائیکلیں یا دوسری ایسی اشیاء لوگوں کو مالک بنا کر دی جائیں جن کی ذریعے ان کو اپنے معاش کا مستقل انتظام کرنے میں مدد ملے یہ طریقہ اب بھی بہت سی جگہوں پر اختیار کیا گیا ہے، عشر کی وصولیابی کے بعد امید ہے کہ انشاء اللہ فنڈ کی آمدنی میں کافی اضافہ ہوگا۔ اس کے بعد اس طریق کار کو مزید وسعت دی جا سکتی ہے۔

(۲) سوال:- سونے اور چاندی کی موجودہ قیمتیں ایسی ہیں کہ ۶۱۲ء۳۲ گرام چاندی ۸۷ء۴۸ گرام سونے سے سستی ہے ان قیمتوں کے مد نظر موجودہ فارمولے کے مطابق چاندی کو نصاب کی بنیاد بنایا گیا ہے اس طرح نصاب تقریباً دوہزار روپے کے برابر ہے۔ کیا ایک ایسے صاحب اہل و عیال کو غیر مستحق زکوٰۃ قرار دینا۔ اور اس سے زکوٰۃ وصول کرنا مناسب ہوگا، جس کے کل اثاثے دوہزار

روپے سے کچھ ہی زیادہ ہوں؟ کیا چاندی کی بنیاد کو ترک کر کے، یا سونے اور چاندی میں سے جو زیادہ قیمت رکھتا ہو اسے بطور بنیاد اختیار کر کے یا کسی اور فارمولے کو اختیار کر کے، نصاب کی سطح پر نظر ثانی کرنا جائز ہوگا تاکہ نصاب زیادہ بامعنیٰ اور حقیقت پسندانہ ہو جائے؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو آپ کونسا فارمولا تجویز کریں گے جو کہ دینی ضروریات کے مطابق بھی ہو۔

جواب (۲)

نصاب کی سطح بلند کرنے کی تین صورتیں

نصاب کی سطح بلند کرنے کی تین صورتیں فرض کی جاسکتی تھیں۔

۱- ایک یہ ہے کہ اس زمانے میں سونے کا نصاب بیس مثقال سے بڑھا کر مثلاً چالیس مثقال (۱۵ تولہ) کر دیا جائے یا چاندی کا نصاب دو سو درہم سے بڑھا کر مثلاً چار سو درہم (۱۰۵ تولہ) کر دیا جائے۔

۲- دوسری یہ ہے کہ سونے کا تو موجود نصاب ہی باقی رہے اور چاندی کا نصاب سونے کے نصاب کی قیمت کے تابع کر دیا جائے یعنی چاندی کی زکوٰۃ صرف اسی شخص پر واجب ہو جس کی ملکیت میں چاندی کم از کم ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت کے مساوی ہو۔

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ سونے اور چاندی کا نصاب تو یہی رہے جو موجودہ زکوٰۃ و عشر آرڈی ننس میں ہے، البتہ نقد روپے کا نصاب چاندی کی بجائے سونے سے وابستہ کر دیا جائے کہ جس کے پاس کم از کم ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت کے مساوی روپے ہوں اس پر زکوٰۃ واجب ہو، اس سے کم پر واجب نہ

ہو۔

ان میں سے پہلی دو صورتیں تو شرعاً ممکن نہیں جیسا کہ آگے تفصیل سے معلوم ہوگا اور تیسری کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم کرنے سے پہلے چند ضروری سوالات پر غور کرنا ہوگا جن کا صحیح اور مستند جواب وزارت خزانہ ہی دے سکتی ہے وزارت خزانہ کے جوابات کی روشنی میں ممکن ہے کہ تیسری صورت کا شرعی جواز نکل آئے ان تینوں صورتوں کی ضروری تفصیل اگلے صفحات میں پیش کی جارہی ہے۔ وہ سوالات ہم اس کے آخر میں پیش کریں گے۔

نصاب کی سطح بلند کرنے کی پہلی صورت

پہلی صورت یعنی سونے یا چاندی کے نصاب میں اضافہ اس لئے ممکن نہیں کہ یہ نصاب کسی شخص کے قیاس واجتہاد کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کا ثبوت صریح احادیث نبویہ اور اجماع امت سے ہوا ہے (جس کی تفصیل آگے مستند حوالوں کے ساتھ آئے گی) یہی وجہ ہے کہ آج کسی مسلمہ اسلامی فقہ کا اس میں اختلاف نہیں[1]۔

سب کے نزدیک سونے کا نصاب بیس مثقال (ساڑھے سات تولہ) اور چاندی کا نصاب دو سو درہم (ساڑھے باون تولہ) ہے۔

اب اگر اس میں کوئی کمی بیشی قیاس واجتہاد سے کی جائے گی تو یہ اجتہاد کی بجائے تحریف دین ہوگی، کیونکہ پیچھے تمہیدی گذارشات میں اصول[2] سے واضح

(۱) دیکھئے الشیخ یوسف القرضاوی کی کتاب "فقہ الزکوٰۃ ص ۲۴۶ تا ص ۲۴۷ و ۲۴۹ تا ص ۲۵۱ ج ۱ طبع ثالث ۱۳۹۷ھ ۱۹۷۷ء اور المغنی لابن قدامہ ص ۴ ج ۳۔

(۲) فقہ الزکاۃ ص ۲۴۷ ج ۱۔

ہوچکاہے کہ قیاس واجتہاد کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ قرآن یا سنت یا اجماع کے خلاف نہ ہو۔

نصاب کی سطح بلند کرنے کی دوسری صورت

نصاب کی سطح بلند کرنے کی دوسری صورت یہ ہوسکتی تھی کہ چاندی کی زکوٰۃ سونے کے نصاب کی قیمت کے تابع کردی جائے، یعنی یوں کہا جائے کہ ''عہد رسالت میں اصلی نصاب سونے کا تھا، چاندی در حقیقت سونے کی قیمت کے تابع تھی، اس کا اپنا کوئی مستقل نصاب نہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کا نصاب دوسو درہم محض اس لئے مقرر فرمادیا تھا کہ دوسو درہم کی قیمت اس زمانہ میں بیس مثقال سونے کے مساوی تھی۔''

اگر مستند روایات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی تو بلا شبہ ہم بھی سونے کے موجودہ نصاب کو اصلی قرار دے کر چاندی اور نقد روپے کو اس کی قیمت کے تابع کرسکتے تھے، اور اس طرح ہمارا نصاب زکوٰۃ دوہزار سے بڑھ کر تقریباً تیرہ ہزار روپے ہوسکتا تھا کیونکہ ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت آج کل تقریباً تیرہ ہزار روپے ہے۔

لیکن تحقیق وجستجو کے نتیجہ میں روایات سے جو صورتحال سامنے آتی ہے وہ ہماری مفروضہ صورت سے بالکل مختلف ہے جس کا کچھ اندازہ مندرجہ ذیل تفصیل سے ہوگا۔

جن احادیث کا تعلق سونے اور چاندی کے نصاب سے ہے، ان کے مجموعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں سرزمین عرب میں چاندی ہی کا زیادہ رواج تھا۔ حتی کہ مشہور تابعی حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں

کہ:

انما کان اذ ذاك الورق ولم یكن الذهب[۱]

اس زمانے میں صرف چاندی کا رواج تھا اور سونا (اتنا) نہ ہوتا تھا (کہ لوگوں پر بالعموم اس کی زکوٰۃ واجب ہوتی ہو)۔

اس لئے چاندی کے نصاب کی جن احادیث میں صراحت ہے وہ درجہ شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں۔ اور عہد رسالت سے آج تک چاندی کے اس نصاب (دوسو درہم) پر پوری امت کا عمل اور اجماع چلا آرہا ہے فقہاء اسلام میں سے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔ چند احادیث بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

چاندی کے نصاب کی احادیث

(۱) عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ قال: لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة، ولا فیما دون خمس ذود صدقة ولا فیما دون خمسة اواق صدقة[۲]۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں، اور نہ پانچ سے کم اونٹوں میں صدقہ ہے، اور نہ پانچ اوقیہ چاندی (دو سو درہم) سے کم میں صدقہ ہے۔

---

(۱) مصنف بن ابی شیبہ کتاب الزکوٰۃ ص ۲۲۲ ج ۳ (مطبوعہ حیدر آباد دکھن)۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ ص ۳۱۵ ج ۱۔ و صحیح بخاری ص ۱۹۴ ج ۱، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ الورق و سنن نسائی ص ۳۹۴ ج ۱، و ابن ماجہ ص ۱۲۹، و طحاوی ص ۲۲۴، و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۱۷ ج ۳ کتاب الزکوٰۃ و سنن ابو داؤد ص ۲۱۷ ج ۱۔

(۲) عن جابر بن عبد الله عن رسول الله ﷺ انه قال: ليس فيما دون خمس اواق من الورق صدقة[۱]۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ اوقیہ (دو سو درہم) چاندی سے کم میں صدقہ نہیں۔

(۳) عن علیؓ قال: قال رسول الله ﷺ: فادوا زکوٰة اموالکم من مأتين خمسة[۲]۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "پس تم اپنی اموال کی زکوٰۃ ہر دو سو (درہم) میں سے پانچ (درہم) ادا کرو۔

(٤) عن علی قال: قال رسول الله ﷺ، و ليس فيما دون مأتين زکوٰة[۳]۔

حضرت علی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "دو سو (درہم) سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔

(۵) سنہ ۱۰ھ میں جب یمن کا علاقہ نجران فتح ہوا تو آنحضرت ﷺ نے مشہور صحابی حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو اس کا عامل (گورنر) بنا کر بھیجا،

(۱) صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ ص ۳۱۶ ج ۱، وابن ماجہ ص ۱۲۹ وطحاوی ص ۲۶۵۔
(۲) سنن نسائی ص ۳۹۴ ج ۱۔ وجامع ترمذی ص ۱۰۷ ج ۱۔
(۳) سنن نسائی ص ۳۹۴ ج ۱۔ وجامع ترمذی ص ۱۰۷ ج ۱۔

اور ایک فرمان لکھوا کر ان کے حوالے کیا[1] جس میں دیگر بہت[2] سے مسائل کے علاوہ احکام زکوٰۃ بھی درج تھے۔ انہوں نے یہ فرمان اہل یمن کو پڑھ کر سنایا، اس میں بھی چاندی کا نصاب یہی تحریر تھا کہ۔

وفی کل خمس اواق من الورق خمسة دراهم وما زاد ففی کل اربعین درهما درهم ولیس فیما دون خمس اواق شئی۔

اور پانچ اوقیہ چاندی (دو سو درہم) میں پانچ درہم واجب ہیں اور اس سے زائد ہوں تو ہر چالیس درہم واجب ہوگا اور پانچ اوقیہ (دو سو درہم) سے کم میں کچھ واجب نہیں۔

اس مضمون کی اور بھی بہت احادیث ہیں طوالت کے خوف سے ہم نے یہ چند روایات بطور نمونہ درج کی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ چاندی کا نصاب تو صریح احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اور پوری امت کا اس پر اجماع چلا آرہا ہے۔ برخلاف سونے کے کہ اس پر زکوٰۃ فرض ہونے کی صراحت تو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں موجود ہے لیکن جہاں تک اس کے نصاب کا تعلق ہے جن احادیث نبویہ میں اس کی صراحت کی گئی ہے وہ اس درجہ قوت و شہرت کو نہ پہنچ سکی تھیں، وجہ وہی ہے کہ عہد رسالت میں سونے کا رواج چاندی کے مقابلہ میں بہت کم تھا۔ لہٰذا سونے کی زکوٰۃ دینے اور

---

(۱) سنن نسائی ص۲۱۸ ج۲۔ وطبقات ابن سعد ص۲۶۷ ج ا جز ۲۔ حافظ ابن حجر نے التلخیص ص ۱۷ او ص ۱۸ ج۴۔ میں اس کو خبر مشہور قرار دیا ہے۔ محقق ابن الہمام، اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ، وهو حدیث لاشك فی ثبوته۔ ص۵۲۴ ج ا۔

(۲) سنن دار قطنی ص۲۰۹ تا ۲۱۰ ج۳۔ نیز دیکھئے ''الوثائق السیاسیة'' (نمبر ۱۰۵)۔

لینے کے مواقع کم ہی پیش آتے تھے، اس لئے نصاب زکوٰۃ کی احادیث میں سونے کے نصاب کا ذکر نسبتاً کم آیا ہے، تاہم کئی احادیث نبویہ اور اثار صحابہ میں اس کی صراحت موجود ہے اور صحابہ کرام کا عمل بھی اسی کے مطابق تھا[۱]۔

مثلاً چند احادیث و آثار یہ ہیں۔

سونے کے نصاب کی احادیث

(۱) عن [۲] ابن عمر وعائشة رضی الله عنهما ان النبی ﷺ کان یاخذ من کل عشرین دینارا نصف دینار.

حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر بیس دینار [۳] میں سے نصف دینار وصول فرماتے تھے۔

(۲) عن عمروبن شعیب عن ابیه عن جده عن النبی ﷺ قال: لیس فیما دون مائتی درهم شئی ولا فیما دون عشرین مثقالا من الذهب شئیٌ وفی الماتین خمسة دراهم وفی عشرین مثقالا ذهبا نصف مثقال [۴]۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور والد ان کے دادا (حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دو سو درہم سے کم میں کچھ واجب نہیں اور نہ بیس مثقال

(۱) فقہ الزکوٰۃ ص ۲۴۹ ج ۱۔
(۲) نصب الرایہ ص ۳۶۹ ج ۲ بحوالہ سنن ابن ماجہ والدار قطنی۔
(۳) دینار سونے کا مشہور سکہ ہے جو ایک مثقال کا ہوتا تھا۔
(۴) نصب الرایه ص ۳٦۹ ج ۲ بحواله کتاب الاموال لابی احمد بن زنجویه ونحوه فی المحلی لابن حزم ص ٦۹ ج ٦.

سے کم سونے میں کچھ واجب ہے۔ اور دو سو درہم میں پانچ درہم واجب ہیں اور بیس مثقال سونے میں نصف مثقال واجب ہے۔

(۳) عن محمد بن عبد الرحمن الانصاری. وھو تابعی. ان فی کتاب رسول اللہ ﷺ وفی کتاب عمر فی الصدقه "ان الذھب لا یؤخذ منه شئی حتی یبلغ عشرین دیناراً، فاذا بلغ عشرین دیناراً ففیه نصف دینار[۱]۔

ترجمہ:- محمد بن عبد الرحمٰن انصاری سے جو تابعی ہیں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی کتاب اور حضرت عمر کی کتاب میں تحریر ہے کہ سونے میں سے کچھ نہیں لیا جائے گا یہاں تک کہ وہ بیس دینار (مثقال) کو پہنچ جائے۔ پس جب وہ بیس دینار ہو جائے تو اس میں نصف دینار واجب ہے۔

(٤) عن علی عن النبی ﷺ، قال: اذا کانت لك مأتا درھم وحال علیھا الحول ففیھا خمسة دراھم ولیس علیك شیٔ "یعنی فی الذھب" حتی یکون لك عشرون دیناراً فاذا کانت لك عشرون دیناراً وحال علیھا الحول ففیھا نصف دینار[۲].

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے

---

(۱) المحلی لابن حزم ص ٦٩ ج ٦۔

(۲) نصب الرایه للزیلعی ص ۲۲۸ ج ۲ بحواله ابوداؤد، قال الزیلعی: قال النووی فی الخلاصة: وھو "حدیث صحیح اوحسن" وفی فقه الزکوٰة (فی الحاشیه) ص ۲٤۹ ج ۱ الحدیث ضعفه ابن حزم فی المحلی ج ٦ زکوٰة الذھب ثم رجع فصححه وحسنه الحافظ فی بلوغ المرام واعله فی التلخیص ص ۱۸۳ وقال الدار قطنی: الصواب وقفه علیٰ علّی.

فرمایا کہ جب تیرے پاس دو سو درہم ہوں اور ان پر سال گذر جائے تو ان میں پانچ درہم واجب ہیں اور تجھ پر (سونے میں) کچھ واجب نہیں یہاں تک کہ تیرے پاس بیس دینار (مثقال ہوں. پس جب تیرے پاس بیس دینار ہوں اور ان پر سال گزر جائے تو ان میں نصف) دینار واجب ہے۔

صحابہ کرام کا عمل بھی سونے کے اسی نصاب پر تھا، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ [1]۔

ولانی عمر الصدقات، فامرنی ان أخذ من كل عشرين ديناراً نصف دينار.

حضرت عمر نے مجھے صدقات کی ذمہ داری سونپی تو مجھے حکم دیا کہ میں ہر بیس دینار میں سے نصف دینار وصول کروں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ [2]

ليس فی اقل من عشرين ديناراً شیء وفی عشرين ديناراً نصف دينار.

بیس دینار سے کم میں کچھ واجب نہیں، اور بیس دینار میں نصف دینار واجب ہے۔

مشہور تابعی حضرت ابراہیم نخعی کا بیان ہے کہ [3]

(۱) المحلی لابن حزم ص ۶۹ ج ۶۔ (۲) حوالہ ایضاً۔

(۳) المحلی لابن حزم ص ۶۹ ج ۶

كان لامرأة عبد الله بن مسعود طوق فيه عشرون مثقالا فامرها ان تخرج عنه خمسة دراهم.

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی کے پاس ایک ہار تھا جس میں بیس مثقال سونا تھا۔ پس حضرت ابن مسعود نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس کی زکوۃ پانچ درہم[1] ادا کریں۔

غرض سونے کے نصاب کی صراحت بھی اگرچہ احادیث نبویہ[2] میں کردی گئی تھی۔ اور صحابہ کرام کا عمل بھی اس کے مطابق تھا، لیکن سونے کے رواج کی قلت کے باعث یہ احادیث درجہ شہرت کو نہ پہنچ سکیں۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے زکوۃ کا جو نصاب مقرر فرمایا، اور جس کا بار بار اعلان فرماتے رہے وہ دراصل چاندی ہی کا نصاب تھا۔ بعد میں اگرچہ آپ ﷺ نے سونے کا نصاب بھی الگ مقرر فرمایا لیکن صورت حال یہ ہرگز نہیں تھی کہ آپ ﷺ نے ابتدأ سونے کا نصاب مقرر فرمایا ہو اور بعد میں اس کی مساوی قیمت کی چاندی کو اس کے تابع کر کے اس کا نصاب الگ مقرر فرمایا ہو بلکہ ابتداءً جو نصاب مقرر ہوا اور جس پر آپ نے صحابہ کرام سے عمل کرایا وہ چاندی ہی کا نصاب تھا جسے مقرر کرتے وقت یہ بات ہرگز پیش نظر نہیں رہی کہ اتنی چاندی کتنے سونے کے مساوی ہوتی ہے؟ لہٰذا اب ہمارے لئے ہرگز یہ جائز نہیں

---

(۱) اس زمانہ میں پانچ درہم نصف دینار کے مساوی تھے۔

(۲) ان احادیث میں اگرچہ محدثین نے کلام کیا ہے اور حدیث ۴ کے علاوہ باقی تینوں احادیث کو ضعیف بھی قرار دیا ہے لیکن ان سب کا مجموعہ قابل استدلال ہے جس کی تائید صحابہ کرام کے تعامل سے پیچھے نقل کی جا سکی ہے اور حدیث ۴ کو بعض محدثین نے صحیح اور بعض نے حسن کہا ہے جو بہر حال قابل استدلال اور حجت ہے۔

کہ ہم سونے کے نصاب کو اصل قرار دیکر اس کے مساوی اتنی چاندی کو نصاب قرار دے دیں جو آنحضرت ﷺ کے مقرر فرمائے ہوئے چاندی کے نصاب سے زائد ہو۔ بلکہ احادیث و آثار کی روشنی میں یہ بات تو بعض فقہاء کے نزدیک قابل غور ہی ہے کہ چاندی کے نصاب کو اصل قرار دیکر اس کے مساوی سونے کو سونے کا نصاب قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ لیکن اس کے برعکس کا احادیث کی روشنی میں تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

جب صورتحال یہ ہے تو سونے یا چاندی کے نصاب میں اجتہاد کے ذریعہ رد و بدل کا کسی کو اختیار نہیں رہتا۔ کیونکہ اجتہاد صرف ان مسائل میں کیا جاسکتا ہے جن میں قرآن و سنت اور اجماع امت خاموش ہوں اور جن مسائل کا حکم قرآن یا سنت یا اجماع امت میں واضح طور پر بتادیا گیا ہو، ان میں اجتہاد ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ اجتہاد کے صحیح ہونے کے لئے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ فقہ کے ان تین ماخذ میں سے کسی کے خلاف نہ ہو۔

سوال میں پیش کردہ عقلی اشکال کا جواب

رہا وہ اشکال جس کا ذکر سوالنامے میں کیا گیا ہے کہ

"کیا ایسے صاحب اہل و عیال کو غیر مستحق زکوٰۃ قرار دینا، اور اس سے زکوٰۃ وصول کرنا مناسب ہوگا جس کے کل اثاثے دو ہزار روپے سے کچھ ہی زائد ہوں؟

تو شاید سوال مرتب کرتے وقت یہ بات ذہن میں نہیں رہی کہ شریعت میں اور شریعت کے مطابق موجودہ زکوٰۃ و عشر آرڈی ننس میں ہر قسم کا مال غیر نامی

زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے۔ یعنی ہر قسم کی غیر منقولہ جائدادیں سواری کی گاڑی، فرنیچر، برتن، کپڑے، گھر کے تمام ساز وسامان یہ سب اشیاء خواہ کتنی ہی بیش قیمت ہوں زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ زکوۃ صرف مال نامی پر رکھی گئی ہے وہ بھی آمدنی پر نہیں بلکہ سال بھر کے تمام (ضروری یا غیر ضروری) مصارف کے بعد جو مال نامی بچ جائے اور بقدر نصاب ہو تو زکوٰۃ اس پر واجب ہوتی ہے اور وہ بھی صرف ڈھائی فیصد، یعنی دو ہزار میں صرف پچاس روپے، سال بھر میں ایک بار۔

ظاہر ہے کہ ایسے شخص پر زکوٰۃ کا واجب ہونا عین حکمت ہے، اس لئے کہ اس نے اپنی اور اہل وعیال کی سال بھر کی تمام ضرورتوں سے عہدہ برآ ہو کر ہی یہ رقم پس انداز کی ہے، کیا اس میں سے صرف ڈھائی فیصد اپنے مفلوک الحال بھائیوں کو دینا ”غیر حقیقت پسندانہ“ کہا جائے گا؟ اگر ایسے لوگوں سے بھی زکوٰۃ نہ لی جائے بلکہ خود ان کو دی جانے لگے تو معاشرے کے ان مفلوک الحال مسلمانوں کا کیا ہوگا جو گھر، لباس، دوا، اور ضروری تعلیم تک کو ترستے ہیں؟ موجودہ مہنگائی کے دور میں صرف ایک ہزار روپے مشاہرہ پانے والا تنگدست جس کی تنخواہ میں پس انداز کرنے کی گنجائش تو کجا؟ بنیادی ضرورتیں بھی پوری نہیں ہوتیں۔ اگر اس سے ۱۲۰/ روپے انکم ٹیکس وصول کرنا غیر حقیقت پسندانہ نہیں تو صاحب نصاب جس نے سال بھر کی ضروریات سے فارغ ہو کر یہ نصاب جمع کیا ہے اس سے صرف پچاس روپے زکوٰۃ میں وصول کرنا کیسے ”غیر حقیقت پسندانہ“ ہو سکتا ہے؟۔

سونے اور چاندی کی قیمتوں میں موجودہ تفاوت کا اشکال

پھر سونے اور چاندی کی قیمتوں میں موجودہ تفاوت اور بڑھتے ہوئے معیار

زندگی کے پس منظر میں جو اشکال سوالنامے میں کیا گیا ہے اگر وہ واقعی اشکال ہے تو یہ پچھلے زمانوں میں بھی پیش آچکا ہے۔ بلکہ ہمارے اسلاف کو ہم سے بہت زیادہ پیش آیا ہوگا، کیونکہ اس وقت دنیا کی فاتح قوم مسلمان تھے۔ قیصر وکسریٰ کی عظیم سلطنتیں اور خزانے ان کے قدموں میں ڈھیر ہو چکے تھے ایشیا، افریقہ اور یورپ کے مفتوحہ ممالک کا مال غنیمت اور فیئے ان میں تقسیم ہو رہا تھا۔ وہ کروڑوں غیر مسلموں کا جزیہ و خراج وصول کر رہے تھے بین الاقوامی تجارت میں ان کو برتری حاصل تھی ان کا ترقی یافتہ تہذیب و تمدن دوسری قوموں کے لئے قابل رشک بنا ہوا تھا مال و دولت کی فراوانی کے باعث مستحقین زکوٰۃ آسانی سے نہ ملتے تھے برخلاف ہمارے جو اس وقت دنیا کی پس ماندہ قوم بن کر جی رہے ہیں ہمارا معیار زندگی دوسری اقوام کے مقابلے میں اتنا بلند نہیں ہو سکتا جتنا ہمارے ان اسلاف کا اپنی معاصر اقوام کے مقابلہ میں تھا، اس کے باوجود انہوں نے نہ نصاب کی سطح بلند کرنے کی کوشش کی نہ ایک نصاب کو دوسرے کے قیمت کے تابع کرنا منظور کیا۔ حالانکہ سونے اور چاندی کی قیمتوں میں جو نسبت عہد رسالت اور دور خلافت راشدہ میں تھی بعد کی صدیوں میں وہ نسبت باقی نہ رہی تھی عہد رسالت اور دور خلافت راشدہ میں ایک دینار کی قیمت دس درہم تھی۔ (۱) لیکن دور بنو امیہ کے نصف آخر میں اس کی قیمت بارہ درہم ہو گئی، بنو عباس کے دور میں یہ قیمت بڑھ کر پندرہ درہم سے بھی تجاوز کر گئی اور فاطمین کے زمانہ میں حاکم کے دور حکومت میں تو یہ قیمت ۳۴ درہم تک جا پہنچی اور بعض اوقات ۳۵ درہم تک ایک دینار کی قیمت ہو گئی تھی (۲)۔ خلاصہ یہ ہے کہ سونے اور چاندی کی قیمتوں میں اس تفاوت

---

(۱) فقہ الزکوٰۃ ص ۲۴۹ ج ۱۔ بحوالہ کتاب الاموال ص ۱۹۹۔ وسنن ابی داؤد باب الا یہ کم ہے۔

(۲) فقہ الزکوٰۃ ص ۲۶۴ ج ۱ (حاشیہ ۲) بحوالہ "الخراج في الدولة الاسلاميه ص ٣٤٧ والخطط التوفيقيه ص ٤٣ ج ٢. وصبغ السكه في فجر الاسلام ص ٣٥.

سے جس طرح ہم کو واسطہ پیش آرہا ہے ہمارے اسلاف کو بھی اپنے دور عروج میں پیش آچکا ہے مگر انہوں نے پھر بھی ایک کے نصاب کو دوسرے کی قیمت کے تابع نہیں کیا۔ چاندی کا نصاب الگ رکھا، سونے کا الگ، جس کی وجہ وہی ہے کہ یہ نصاب آنحضرت ﷺ کا مقرر فرمودہ ہے اور پوری امت کا اس پر اجماع ہو چکا ہے۔

زکوٰۃ کا مقصد مفت خوری کی ہمت افزائی نہیں

اس سلسلہ میں ایک اہم بات یہ ہے کہ شریعت کے مقرر کردہ نصاب میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کا مادی مقصد صرف اس کمزور طبقے کی مدد کرنا ہے جو مالی اعتبار سے بہت ہی پس ماندہ یا ضرورت مند ہو، زکوٰۃ کا مقصد مفت خوری کی ہمت افزائی نہیں بلکہ محروموں کی حاجت روائی ہے۔ اگر نصاب زیادہ رکھا جاتا اور اس سے کم مالدار کو مستحق زکوٰۃ قرار دیدیا جاتا تو زکوٰۃ دینے والے کم اور لینے والے بہت زیادہ ہوتے اور معاشرے میں اتنی اکثریت مفت خوروں کی ہو جاتی کہ زکوٰۃ دینے والے جو کم تعداد میں ہوتے ان کی مجموعی زکوٰۃ بھی ان سب مفت خوروں کے لئے کافی نہ ہوتی اور ایک خرابی یہ ہوتی کہ غریب اور زیادہ غریب کے درمیان کوئی فرق نہ رہتا سب ہی مستحق زکوٰۃ ہوتے جس کے باعث زیادہ غریب طبقہ اور بھی محرومی کا شکار ہوتا۔

سوال میں ایک فروگذاشت کی اصلاح

سوالنامہ (الف) کے سوال ۲ میں کہا گیا ہے کہ

"کیا ایسے صاحب اہل و عیال کو غیر مستحق زکوٰۃ قرار دینا۔ اور اس سے زکوٰۃ

وصول کرنا مناسب ہوگا جس کے اثاثے دو ہزار روپے سے کچھ ہی زائد ہوں؟"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال مرتب کرنے والے حضرات کے ذہن میں یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو صاحب نصاب نہ ہو وہ مستحق زکوٰۃ ضرور ہوتا ہے، اگر یہی ذہن میں ہے تو یہ قابل اصلاح ہے اس لئے کہ صحیح صورتحال یہ ہے کہ ہر غیر صاحب نصاب کا مستحق زکوٰۃ ہونا ضروری نہیں اس کی توضیح کے لئے مناسب ہوگا کہ ہم وہ تین مراتب مختصراً بیان کردیں جو افلاس کے لئے شریعت نے مقرر کئے ہیں۔ ان سے اس نکتہ کی بھی تائید ہوگی جو ہم نے پچھلے عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔

افلاس کے تین درجے

شریعت نے افلاس کے تین درجے مقرر کئے ہیں ہر درجے کے الگ احکام ہیں۔

(۱) افلاس کا پہلا درجہ یہ ہے کہ آدمی کے پاس مال نامی (سونا چاندی، مال تجارت اور نقد روپیہ) تو بقدر نصاب نہ ہو لیکن مال غیر نامی بنیادی ضروریات سے زائد اتنا موجود ہو کہ اس کی مجموعی قیمت نصاب کے برابر ہو جائے۔ اس پر زکوٰۃ واجب نہیں لیکن صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہے اور یہ مستحق زکوٰۃ نہیں[۱]۔

(۲) دوسرا درجہ یہ ہے کہ مال غیر نامی بھی بنیادی ضروریات سے زائد بقدر

---

(۱) والحاصل ان النصاب قسمان موجب للزكاه وهو النصاب الخالى عن الدين وغير موجب لها وهو غيره فان كان مستغرقا بالحاجة لمالكه اباح اخذها والاحترمه واوجب غيرها من صدقة الفطر والاضحية ونفقة القريب لمحرم كما فى البحر وغيره، رد المحتار على الدر المختار ج ۱ ص ۵۸ تا ۵۹.

نصاب نہ ہو۔ اس پر زکوٰۃ واجب ہے نہ صدقہ الفطر نہ قربانی، یہ مستحق زکوٰۃ ہے لیکن مانگنا اس کو بھی جائز نہیں [۱]۔

(۳) تیسرا درجہ اس فقیر کا ہے جس کے پاس بدن چھپانے کو بھی کپڑا نہیں یا ایک دن کی بھی غذا کا سامان نہیں اور کمانے پر بھی قدرت نہیں۔ اس پر کسی قسم کا صدقہ واجب نہیں، زکوٰۃ لینا جائز ہے اور بقدر ضرورت سوال کرنا بھی جائز ہے [۲]۔

نصاب کی سطح بلند کرنے کی تیسری صورت

نصاب کی سطح بلند کرنے کی تیسری صورت یہ زیر غور لائی جاسکتی ہے کہ روپے کا نصاب چاندی کی بجائے سونے کی قیمت سے وابستہ کردیا جائے۔ اس کے لئے ہمیں یہ تحقیق کرنے کی ضرورت ہوگی کہ ہمارے روپے کے موجودہ نوٹ جس مالیت کے وثیقے ہیں یا یہ جس مالیت کی نمائندگی کرتے ہیں، وہ مالیت سونا ہے یا چاندی یا کچھ اور، انگریزی دور حکومت میں جبکہ روپیہ چاندی کا ہوتا تھا تو یہ نوٹ اس چاندی کے وثیقے سمجھے جاتے تھے اسی لئے علماء برصغیر نے نوٹوں کا نصاب زکوٰۃ اتنی ہی رقم کو قرار دیا تھا جو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت رکھتی ہو اگر

---

(۱) ومنها المسكين وهو من لاشى له فيحتاج الى المسئلة لقوله او مايوارى بدنه ويحل له ذلك بخلاف الاول حيث لاتحل المسئلة له فانها لا تحل لمن يملك قوت يومه بعد ستره بدنه كذا فى فتح القدير، الفتاوى عالمگیری ج ۱ ص ۱۸۷ ۔ ۱۸۸ ۔

(۲) فى الشاميه ج ۲ ص ۵۹ (قوله من لا شى له) فيحتاج الى المسئله لقوله وما يوارى بدنه ويحل له ذلك بخلاف الاول ويحل صرف الزكاه لمن لا تحل له المساله بعد كونه فقيرا فتح. وفى الدر المختار ص ۶۹ ج ۲ ''ولا يحل ان يسأل شيئا من القوت من له قوت يومه بالفعل او بالقوة كالصحيح المكتسب.

ہمارے زمانے میں وہ صورت باقی نہیں رہی، یعنی تحقیق سے یہ ثابت ہو جائے کہ ہمارے ان نوٹوں کی پشت پر سونے کی مالیت ہے، چاندی کی نہیں تو اس سے وہ اشکال حل ہو سکتا ہے جو سوالنامہ میں زیر بحث لایا گیا ہے کیونکہ اس طرح روپے کا نصاب دو ہزار کی بجائے سونے کی موجودہ قیمت کے اعتبار سے تقریباً بارہ تیرہ ہزار روپے ہو جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں جس کے پاس چاندی بالکل نہ ہو اس کے حق میں روپے کا نصاب اتنی رقم ہو گی جس سے سات تولہ سونا خریدا جاسکے یہ رقم سونے کی موجودہ قیمت کے اعتبار سے تقریباً بارہ تیرہ ہزار روپے ہوتی ہے۔ البتہ جس کے پاس تھوڑی بہت چاندی بھی ہو اور روپے بھی تو اس کے حق میں نصاب وہی ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر رہے گا یعنی موجودہ نرخ کے اعتبار سے تقریباً ڈھائی ہزار روپے لیکن آج کل چاندی یا اس کے زیورات شاذونادر ہی کسی کے پاس ہرتے ہیں اس لئے بہر حال بھاری اکثریت کے حق میں وہ اشکال دور ہو جائے گا اور اگر تحقیق سے یہ ثابت ہو کہ ان نوٹوں کی پشت پر سونا یا چاندی کچھ نہیں بلکہ کسی اور اصول پر ان کی مالیت کی بنیاد قائم ہے تو وہ اصول معلوم ہونے پر مسئلہ کا از سر نو جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ہمارے موجودہ نوٹوں کی پشت پر کیا ہے؟ اس کا مستند، صحیح اور ذمہ دارانہ جواب وزارت خزانہ سے بہتر کوئی نہیں دے سکتا۔ لہٰذا مسئلہ کے اس پہلو پر تحقیق کے لئے وزارت خزانہ سے ہماری درخواست ہے کہ براہ کرم مندرجہ ذیل سوالات کا مفصل جواب عنایت فرمادیا جائے۔ اس سے فقہ کے دوسرے بہت سے مسائل کے حل میں بھی مدد ملے گی۔

(۱) ہمارے روپے کے نوٹوں کی پشت پر سونے کی مالیت ہے یا چاندی کی یا دونوں کے مجموعے کی؟ یا ان کی مالیت کسی اور اصول پر قائم ہے؟

(۲) اگر کسی اور اصول پر قائم ہے تو براہ کرم اس کی وضاحت فرمائی جائے۔

(۳) ایک روپے کے نوٹ اور اس سے اوپر کے (پانچ، دس، پچاس، سو روپے کے) نوٹوں میں کیا فرق ہے کہ ایک روپے کے نوٹ پر صرف "ایک روپیہ" تحریر ہے اور اوپر کے نوٹوں پر یہ وعدہ لکھا ہوتا ہے کہ "بنک دولت پاکستان اتنے روپے حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کریگا" اور نیچے حکومت پاکستان کی ضمانت درج ہوتی ہے۔

(۴) کیا ایک روپے اور اس سے اوپر کے نوٹوں میں یہ فرق ہے کہ ایک روپے کے نوٹ کو تو بذات خود ایک روپیہ قرار دیا گیا ہے اور اوپر کے نوٹوں کو ایک ایک روپے کے نوٹوں کا وثیقہ؟

(۵) اگر وہ صورت ہے جو نمبر ۴ میں درج کی گئی تو گلٹ کا روپیہ جواب بھی گاہے گاہے جاری ہوتا اور کہیں کہیں نظر آجاتا ہے تو اس میں اور ایک روپے کے نوٹ میں کیا فرق ہے؟

(۶) کیا گلٹ کے روپے اور ایک روپیہ کے نوٹ میں یہ فرق ہے کہ اصل روپیہ گلٹ کا ہے اور ایک روپیہ کا نوٹ گلٹ کے روپے کا وثیقہ؟

(۷) اگر وہ صورت ہے جو نمبر ۶ میں درج کی گئی تو پھر ایک روپے سے اوپر کے نوٹ کس روپے کے وثیقے ہیں؟ گلٹ کے روپے کے یا ایک ایک روپے کے نوٹ کے؟ یا دونوں کے؟

(۸) ان سوالات کا جو بھی جواب ہو وہی جواب اس صورت میں بھی ہوگا جبکہ ہمارا روپیہ امریکی ڈالر سے وابستہ تھا یا آئندہ کسی اور غیر ملکی کرنسی سے وابستہ ہو جائے یا اس صورت میں جواب مختلف ہوگا؟

(۹) اگر مختلف ہوگا تو وہ جواب کیا ہے؟

ان سب سوالات کے واضح جواب پر زکوٰۃ کے زیر بحث مسئلہ کے تحقیقی جواب موقوف ہے اور فقہ کے دیگر بہت سے مسائل میں بھی ان سے مدد ملنے کی توقع ہے اس لئے امید ہے کہ ہماری وزارت خزانہ ان کا جواب جلد عنایت فرمائے گی۔

سوالنامہ (الف) کے باقی سوالات کا جواب

سوال (۳) عام خیال ہے کہ بنو ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ بنو ہاشم میں سے مستحقین کی اعانت، دیکھ بھال اور آبادکاری کس طرح کی جاسکتی ہے؟ کیا آپ کے خیال میں اس تمیز کو برقرار رکھنا اور ایسے مستحقین کی بہبود کے لئے ایک متوازی نظام قائم کرنا مناسب ہے قابل عمل ہے اور دین کی بنیادی ضرورت ہے؟

جواب (۳) بنو ہاشم کو زکوٰۃ نہ دے سکنا محض "عام خیال" نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے کہ۔

ان هذه الصدقات انما هی اوساخ الناس وانها لا تحل لمحمد ولا لآله صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ صدقات تو لوگوں (کے مالوں کا) میل کچیل ہیں۔ اور یہ نہ محمد کے لئے حلال ہیں نہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل کے لئے [1]۔

اس حدیث کی بناء پر بنو ہاشم کو کسی قسم کا صدقہ واجبہ یا زکوٰۃ و عشر وغیرہ لینا

(۱) صحیح مسلم ص ۳۴۵ ج ۱ (اصح المطابع کراچی)۔

جائز نہیں ہے[1]۔

لہٰذا بنو ہاشم کو زکوٰۃ یا عشر تو نہیں دیا جاسکتا۔ البتہ ان کی اعانت، دیکھ بھال اور آباد کاری کا انتظام دیگر عطیات اور نفلی صدقات سے کیا جاسکتا ہے، جس کی سرکاری طور پر عملی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ملک بھر میں جو اوقاف حکومت کے زیر انتظام ہیں ان کا جائزہ لیا جائے۔ اور دیکھا جائے کہ وقف کنندگان نے کون کون سے اوقاف کو فقراء و مساکین یا حاجتمندوں کے لئے وقف کیا ہے؟ ایسے تمام اوقاف کی آمدنی سے بنو ہاشم کی خدمت و اعانت کی جاسکتی ہے[2]۔

سوال (۴) ہمارے ملک میں جب افراد زکوٰۃ نکالتے ہیں تو رواج کے مطابق یہی مساجد کے پیش اماموں اور مقامی دینی مدارس کے اساتذہ کو عام طور پر اس زکوٰۃ میں سے کچھ رقم ضرور دیتے ہیں چونکہ زکوٰۃ سے تنخواہیں نہیں دی جاسکتیں، لہٰذا پیش اماموں اور دینی مدارس کے اساتذہ کی مالی امداد کس طرح بحال

---

(۱) دیکھئے فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ ص ۱۸٦ ج ۱ اور فقہ شافعی کی کتاب "شرح المہذب ص ۲۴۰ ج ٦ اور فقہ مالکی کی کتاب الشرح الصغیر ص ٦۵۹ ج ۱۔ اور فقہ حنبلی کی مشہور کتاب المغنی لابن قدامہ ص ٦۵۵ ج ۲۔

(۲) وصرّح فی الکافی بدفع صدقة الوقف الیهم علی انه بیان المذهب من غیر نقل خلافٍ فقال واما التطوع والوقف فیجوز الصرف الیهم لان المؤدّی فی الواجب یطهر نفسه باسقاط الفرض فیتدنس المؤدی کالماء المستعمل وفی النفل یتبرع بما لیس علیه فلا یتدنس به المؤدی لم تبرد بالماء (قال ابن الهمام فی فتح القدیر بعد نقل هذه العبارة) والحق الذی یقتضیه النظر إجراء صدقة الوقف مجریٰ النافلة فان ثبت فی النافلة جواز الدفع یجب دفع الوقف والا فلا اذلاشك فی ان الواقف متبرع بتصدقه بالوقف إذ لا ایقاف واجب (فتح القدیر ص ۲٤ ج ۲. وکذا فی الدر المختار ص ٦۷ ج ۲) (نیز دیکھئے مجموعۃ الفتاوی ص ۳۳۸ ج ۱)

رکھی جاسکتی ہے؟ ایک طریقہ جو تجویز کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اہلیت رکھنے والے اور کار آمد پیش اماموں اور دینی مدارس کے اساتذہ کو مناسب سطحوں پر بطور عاملین مقرر کیا جائے اور اس حیثیت میں ان کو زکوٰۃ سے امداد دیجائے۔

جواب (۴) ایسا کرنے میں مضائقہ نہیں بشرطیکہ وہ حضرات قابل اعتماد ہوں، نیز جو پیش امام اور اساتذہ ویسے ہی مستحق زکوٰۃ ہوں ان کو عامل مقرر کئے بغیر بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے بشرطیکہ اس زکوٰۃ کو امامت یا تدریس کی تنخواہ میں محسوب نہ کیا جائے۔

سوال (۵) قانون کے ذریعے جو نظام زکوٰۃ و عشر پاکستان میں رائج ہے اس کے بارے میں کیا آپ کے کچھ شبہات یا اندیشے ہیں؟ اگر اس سوال کا جواب اثبات میں ہے تو ان شبہات اور اندیشوں کو دور کرنے کے لئے شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے عملی اقدامات تجویز کیجئے۔ تاکہ نظام بہتر، بامقصد اور مؤثر ہو جائے۔

جواب (۵) کئی اندیشے ہیں جن کا سدباب ضروری ہے۔

(الف) ایک یہ ہے کہ کہیں موجودہ آرڈی ننس میں اجتہاد کے نام پر ایسی ترمیمیں نہ کر دی جائیں جو شریعت کے خلاف ہوں۔

(ب) دوسرے یہ کہ ایسے رجال کار اس نظام میں داخل نہ ہو جائیں جو سست روی یا خیانت کے مرتکب ہو کر فقراء و مساکین کی حق تلفی اور اس مبارک نظام کی بدنامی کا باعث ہوں۔

(ج) تیسرے یہ کہ زکوٰۃ آرڈی ننس میں یہ دفعہ جو رکھی گئی ہے کہ جس شخص کی زکوٰۃ اس کے مسلک کے اعتبار سے غلط کٹ گئی ہو وہ ایک حلف نامہ

داخل کر کے کاٹی ہوئی زکوٰۃ واپس لے سکتا ہے یا آئندہ زکوٰۃ سے اپنے آپ کو مستثنیٰ کرا سکتا ہے یہ دفعہ متعدد مفاسد اور خدشات کی موجب ہے، شروع ہی سے ہمیں اس پر کچھ اطمینان نہ تھا اور اب نظام عشر کے نفاذ کے بعد سے اس کا اور زیادہ پر خطر ہونا اور نظام زکوٰۃ کے ناکام ہونے میں اس کا موثر ہونا روز بروز نمایاں ہو رہا ہے۔ چنانچہ ملنے والی اطلاعات کے مطابق ایک خطرناک پہلو یہ ہے کہ فقہ جعفری کے بعض مراکز اور امام باڑوں نے اپنے یہاں کچھ اسٹامپ پیپرز مرتب اور تصدیق شدہ رکھے ہوئے ہیں جو عام مسلمانوں کے لئے مفت دستیاب ہیں اور وہ مسلمان جن کا فقہ جعفری سے کچھ تعلق نہیں ہے وہ زکوٰۃ و عشر سے بچنے کے لئے وہاں سے یہ اسٹامپ حاصل کرتے ہیں اور بنک میں جمع کر کے اور اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کر کے خود کو زکوٰۃ و عشر سے مستثنیٰ کرا لیتے ہیں یہ ایک انتہائی خطرناک راستہ ہے جس کے نتائج بڑے اندیشہ ناک ہیں اس کا سد باب اسی وقت ضروری ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ ...... آرڈی ننس کے مذکورہ دفعہ کو اس طرح تبدیل کیا جائے کہ جو لوگ اپنے مذہب کی وجہ سے زکوٰۃ آرڈی ننس کے تحت زکوٰۃ ادا نہ کریں، ان سے ایک فلاحی ٹیکس وصول کیا جائے گا جو زکوٰۃ اور عشر آرڈی ننس میں بیان کردہ شرح کے مطابق ہوگا۔ تاکہ کسی شخص کو زکوٰۃ سے جان چرانے کا کوئی راستہ اور نظام زکوٰۃ کو ناکام یا کمزور کرنے کا کوئی موقع نہ ملے۔

(د) چوتھے یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ فی الحال فقہ جعفری کے لوگ زکوٰۃ دینے کے سلسلہ میں بالکل علیحدہ ہیں لیکن زکوٰۃ وصول کرنے کے سلسلہ میں پیش پیش ہیں اور نظام زکوٰۃ کے انتظامی امور مثلاً لوکل زکوٰۃ و عشر کمیٹیوں صوبائی و مرکزی زکوٰۃ کونسلوں اور مختلف مناصب پر فائز ہیں لہٰذا جب تک آرڈی ننس میں مذکورہ بالا ترمیم نہ ہو اس وقت تک ان لوگوں کو اس نظام میں دخیل بھی نہ

ہونا چاہئے کیونکہ اس سے چند در چند پے چیدگیاں اور عوام کی بھاری اکثریت میں ناانصافی کا احساس اور اس کی بناء پر نظام زکوٰۃ سے بے اعتمادی پیدا ہو رہی ہے۔

(ہ) پانچویں یہ کہ بڑے شبہات رقوم کی حفاظت و تقسیم سے متعلق ہیں اور چونکہ یہ کام بنیادی طور پر لوکل زکوٰۃ و عشر کمیٹیوں سے متعلق ہے اس لئے ان کمیٹیوں کے ممبران اور متعلقہ ریکارڈ کی موثر جانچ بہت ضروری ہے۔

اس مقصد کے لئے نظام زکوٰۃ و عشر کے ضمن میں ضلعی سطح پر آڈٹ کا باقاعدہ انتظام ضروری ہے قانوناً اگرچہ اسے ضروری قرار دے دیا گیا ہے لیکن بعض اضلاع میں ساڑھے تین سال کی مدت گذر جانے کے باوجود ابھی تک آڈٹ نہیں ہوا ہے، مثلاً ڈسٹرکٹ کراچی ایسٹ میں۔

(و) چھٹے اس نظام میں مختلف سطحوں پر سفارش کی بنیاد پر ایسے لوگ داخل ہوگئے ہیں جو معروف سیاسی وابستگی رکھتے ہیں اور جو اپنے ماضی کے لحاظ سے نیک نام نہیں ہیں۔

ایسے لوگوں سے اس نظام کو پاک رکھنا نہایت ضروری ہے ان کی شمولیت کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ اس نظام کے بدنام ہو جانے کا اندیشہ ہے بلکہ ان کی وجہ سے یہ نظام سیاسی داؤ پیچ کا ھدف بن گیا ہے اور ان لوگوں نے اس کو خدمت خلق اور اقامتِ دین کے بجائے سیاسی ہار جیت کا ذریعہ قرار دے دیا ہے۔

سوال (٦) گداگری کو ختم کرنے کے لئے آپ کی کیا تجویز ہیں۔ کیا آپ کے خیال میں منجملہ اور اقدامات کے "رشتہ دار (محارم)" کے مفہوم کو وسعت دی جائے اور ان میں سے جو صاحب حیثیت یا متمول ہوں انہیں اپنے مفلس، محتاج اور معذور رشتہ داروں کی خبر گیری کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے؟

جواب (۶) محرم کے مفہوم میں وسعت دینے کی ضرورت نہیں بلکہ اسلام کا قانون نفقات اپنی اصل حالت میں نافذ کیا جائے اور عدالتی طریق کار کو آسان بنایا جائے تاکہ معذور افراد اپنے حقوق اپنے رشتہ داروں سے عدالت کے ذریعے سے بھی آسانی سے وصول کرسکیں، نیز مستحقین زکوٰۃ کے لئے رقم کی مقدار بڑھائی جائے۔ معذوروں کو خود کفیل بنانے کے لئے اقدامات کئے جائیں گداگری کو ممنوع قرار دیا جائے اور زکوٰۃ کمیٹیوں کے فرائض میں داخل کیا جائے کہ وہ کسی واقعی مستحق کو دیکھیں تو اس کی اعانت کریں غیر مستحق کو قانون کے حوالہ کیا جائے۔

سوال (۷) قانون کے تحت جو زکوٰۃ لازمی طور پر کاٹی جاتی ہے اس کے علاوہ زکوٰۃ کی رضاکارانہ ادائیگی (خاص طور پر اموال باطنہ پر زکوٰۃ کی ادائیگی) کی حوصلہ افزائی کرنے اور بہتر اور یقینی بنانے کے لئے آپ کیا تجاویز پیش کرتے ہیں؟

جواب (۷) ذرائع ابلاغ پر اس نظام کے فوائد سے لوگوں کو روشناس کرایا جائے اور نظام زکوٰۃ کے ہر مرحلے میں زیادہ سے زیادہ دیانت دار اور نیک لوگوں کو شامل کیا جائے۔

سوال (۸) اگر زکوٰۃ ادا کرنے والے کو یہ یقین دلا دیا جائے کہ جس مقصد کا وہ تعین کرے بشرطیکہ وہ مقصد شریعت کے تحت جائز ہو اسی مقصد کے لئے زکوٰۃ ادا کر دی جائے گی تو کیا آپ کا خیال ہے کہ مرکزی یا کسی صوبائی یا کسی مقامی زکوٰۃ فنڈ میں رضاکارانہ طور پر دی ہوئی زکوٰۃ زیادہ جمع ہو سکے گی؟

جواب (۸) بظاہر اس کی ضرورت نہیں ہے اور انتظامی طور پر اس ذمہ

داری سے عہدہ برآ ہونا مشکل بھی ہوگا۔

سوال (۹) آپ کیا طریقے تجویز کرتے ہیں جن سے زکوٰۃ کمیٹیوں کی چیئرمینوں اور ممبروں اور ان سرکاری اہلکاروں جو کہ زکوٰۃ و عشر سے متعلق ہیں، کہ

(الف) توجیہ پذیری، اور

(ب) فرائض کی مؤثر بجاآوری کے معیاروں کو بہتر بنایا جاسکتا ہے؟

جواب (۹) (الف) بعض اوقات مرکزی بنک سے لوکل زکوٰۃ کمیٹیوں کے لئے رقومات کی ترسیل میں بے اعتنائی یا بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے جس سے مقامی کمیٹی کے ممبران بھی دل برداشتہ ہو جاتے ہیں اور مستحقین کو بھی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس سے طرح طرح کے اندیشے جنم لیتے ہیں اور کارکنان کا جذبۂ خدمت سرد پڑ جاتا ہے۔

(ب) ہر ضلع میں چیئرمین کے علاوہ سرکاری سطح پر ممبران کے بھی دفاتر ہونے چاہیں جو اضلاع کئی کئی سو مربع میل رقبے پر مشتمل ہیں وہاں کے لوگوں کا کسی شکایت یا تجویز کے لئے صدر مقام تک پہنچنا یقیناً دشوار ہے۔

(ج) ممبران کی موثر تربیت ان خدمات پر ان کی حوصلہ افزائی اور ان خدمات کے لئے ضروری سہولتوں کی فراہمی سے کارکنان کا حوصلہ، احساس ذمہ داری اور توجہ پذیری میں یقیناً اضافہ ہوگا۔

سوال (۱۰) (الف) ذرائع ابلاغ عامہ کو کس طرح استعمال کیا جائے کہ عامۃ الناس زکوٰۃ کی ادائیگی میں بھی اسی طرح یقین رکھنا شروع کردیں جس طرح ان کا

صلوٰۃ وصوم پر یقین ہے؟

(ب) اس مقصد کے لئے کون سے طریق کا استعمال کئے جائیں؟

(جواب (۱۰) زکوٰۃ کے شرعی احکام اور فضائل بیان کئے جائیں ریڈیو کے پروگرام میں اس کو اہمیت کے ساتھ شامل کیا جائے۔

سوال (۱۱) کیا آپ کے خیال میں کوئی اور معاملات ایسے ہیں جو پاکستان میں نظام زکوٰۃ وعشر کو زیادہ مضبوط کرنے سے متعلق ہیں؟ آپ ان پر مہربانی کر کے گہری روشنی ڈالیئے۔

جواب (۱۱) نظام زکوٰۃ سے متعلق ہر مرحلے کے ممبران کو تحریری طور پر ان کے فرائض واختیارات سے روشناس کرایا جائے اور ہر سطح کی کمیٹیوں کے لئے ماہانہ دوماہی، سہ ماہی میٹنگوں کا شیڈول رکھا جائے جن میں شکایات کے ازالے اور کارکردگی کو زیادہ سے زیادہ بہتر بنانے کے لئے تجاویز اور اقدامات زیر غور آئیں۔

(نوٹ) جو بات باعث تشویش اور مضر ہے وہ یہ ہے کہ مختلف سطح کے سرکاری حکام اس نظام اور اس سے متعلق تگ ودو کو محض خیراتی یا یورپی انداز فکر کا مذہبی کام سمجھتے ہیں، ان کو اس نظام کے سرکاری، ملی اور دینی ہونے کا احساس شاید ہی ہو۔ اس نظام سے متعلق ان کا اپنا ذاتی رویہ بھی یوں ہی ہے اور جو لوگ اس نظام سے مرحلوں میں وابستہ ہیں، ان کے ساتھ بھی ان کا ایسا ہی انداز ہے۔

اس لئے یہ ضروری ہے کہ سرکاری افسران کو یہ ذہن نشین کرادیا جائے کہ یہ ایک اہم قومی دینی اور سرکاری فریضہ ہے جس میں ان کو پورے تیقظ کے ساتھ اپنا فرض انجام دینا ہے۔

سوالنامہ (الف) کے جوابات ختم ہوئے۔

سوالنامہ (ب) کا جواب

سوال (۲) مرکزی اور صوبائی زکوٰۃ فاؤنڈیشن کے درمیان رابطے کو بطریق احسن کار آمد اور وسیع بنانے کے لئے آپ کی کیا تجاویز ہیں تاکہ اداروں کے ذریعے مستحقین زکوٰۃ کی آبادکاری (خود کفالت) میں آسانی پیدا ہوسکے؟

جواب (۲) زکوٰۃ فاؤنڈیشن کی مکمل تفصیلات چونکہ معلوم نہیں اس لئے فی الحال صرف ایک تجویز پیش خدمت ہے کہ زکوٰۃ فاؤنڈیشن کی اگر کوئی انتظامی یا نگران کمیٹی ہے تو اس میں مرکزی اور چاروں صوبائی زکوٰۃ کونسلوں کے ایک ایک نمائندے کو بھی رکن بنایا جائے جسے متعلقہ زکوٰۃ کونسل منتخب کرے تاکہ متعلقہ زکوٰۃ کونسل اور زکوٰۃ فاؤنڈیشن کے درمیان وہ رابطے کا کام بھی انجام دے سکے اور دونوں تک ایک دوسرے کا نقطہ نظر زیادہ بصیرت اور وضاحت کے ساتھ پیش ہوسکے۔

(نوٹ) پہلے سوال کا جواب نہیں دیا گیا۔

سوالنامہ (ج) کا جواب

سوال (۳) آپ کے خیال میں کیا ضلع کی سطح پر وقتاً فوقتاً زکوٰۃ کنونشن منعقد کرنا مناسب ہوگا؟

جواب (۳) انشاء اللہ بہت مناسب ہوگا، بلکہ ہمارے خیال میں تو ضلعی سطح پر زکوٰۃ کنونشن کا انعقاد ضروری ہے۔

سوال (۴) آپ کے خیال میں کیا ضلع کی سطح پر وقتاً فوقتاً زکوٰۃ کنونشن

منعقد کرنا انتظامی اعتبار سے قابل عمل ہو گا؟

جواب (۴) بظاہر انتظامی اعتبار سے اس میں کوئی قابل ذکر دشواری نہ ہوگی اس میں لوکل زکوٰۃ کمیٹیوں کے صرف چیئر مینوں کو مدعو کیا جائے۔

سوال (۵) اگر جواب اثبات میں ہے تو کن مدتوں کے بعد ضلعی سطح پر ایسے کنونشن کیے جانے چاہئیں؟

جواب (۵) ہر سال شعبان کے مہینہ میں ایک کنونشن کافی ہوگا، تاکہ زکوٰۃ کا مال ختم ہونے پر ماضی کا جائزہ لیا جائے اور مستقبل کے لئے بہتر تجاویز پر غور ہو سکے۔

(نوٹ) پہلے دو سوالوں کا جواب نہیں لکھا گیا۔

سوالنامہ (د) کا جواب

سوال (۳) زکوٰۃ کمیٹیوں کے ان چیئر مینوں اور ممبروں کی رضاکارانہ خدمات کو فروغ دینے کے لئے آپ کیا طریقے تجویز کرتے ہیں؟

جواب (۳) متعدد طریقے ہو سکتے ہیں مثلاً۔

(الف) سردست لوکل زکوٰۃ کمیٹی کے ممبران عوام کی رائے سے منتخب کیے جاتے ہیں اور یہ عمل ضلعی ممبران کے زیر نگرانی انجام دیا جاتا ہے۔

اور چونکہ ضلعی ممبر کے لئے کسی سیاسی جماعت یا تنظیم سے وابستگی اس نظام زکوٰۃ کی روح کے خلاف ہے اس لئے ایسا تنہا ممبر اس انتخابی عمل کو چلانے میں بہت دشواریاں محسوس کرتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کو اس مقصد کے لئے

حسب ضرورت وسائل مہیا کئے جائیں۔ دفتری عملے اور ٹرانسپورٹ کے بغیر یہ عمل جاری نہیں رکھا جاسکتا، اس کا انتظام بہر حال ضروری ہے۔

(ب) ان ممبران کو ان کی حسن کارکردگی پر ضلعی کنونشنوں میں انعامات، اور اعزازی اسناد پیش کئے جائیں اور اخبارات میں اس کا اعلان کیا جائے۔

(ج) ضلعی انتظامیہ ان کو ضلع کے اجتماعی اور انتظامی امور میں شریک مشورہ کیا کرے ان کی تصدیق کو خصوصی اہمیت دی جائے۔

(د) ضلع کی سرکاری تقریبات میں ان کو مدعو کیا جائے۔

(نوٹ) باقی سوالوں کا جواب نہیں دیا گیا۔

سوالنامہ (ھ) کا جواب

سوال (۴) زکوٰۃ کی تقسیم کا کام مقامی زکوٰۃ کمیٹیوں کے ذمہ ہے ضلع اور تحصیل، تعلقہ سب ڈویژنل، زکوٰۃ کمیٹیوں کی سب سے بڑی ذمہ داری اپنے سے نچلی سطح کی زکوٰۃ کمیٹیوں کی دیکھ بھال اور ان کی کارکردگی کی نگرانی ہے۔

جواب (۴) ضلعی کمیٹی کے پاس بھی زکوٰۃ کا فنڈ ہونا چاہیئے، بسا اوقات ضرورت منداصحاب براہ راست ضلعی دفتر میں درخواستیں پیش کرتے ہیں یا تو اس لئے کہ ان کے اپنے علاقے میں مقامی زکوٰۃ کمیٹی نہیں ہوتی یا اس کے پاس فنڈ ختم ہو چکا ہوتا ہے یا کوئی اتفاقی حادثہ ایسا ہوتا ہے جس کے لئے معقول اعانت درکار ہوتی ہے جو مقامی زکوٰۃ کمیٹی کی برداشت سے زیادہ ہوتی ہے۔

سوال (۵) ضلع / تحصیل / تعلقہ / سب ڈویژنل زکوٰۃ کمیٹیوں کی اس دیکھ بھال اور نگرانی کے کام کے لئے اور تینوں سطحوں کی زکوٰۃ کمیٹیوں کے چیئرمینوں

اور ممبروں کے تربیتی کورسوں میں شمولیت کے لئے حاضری کے لئے کیا آپ کے خیال میں ان کمیٹیوں کو یا ان کے چیئر مینوں اور ممبروں کو۔

(الف) گاڑیاں مہیا کی جانی چاہئیں۔

(ب) گاڑیوں کے علاوہ یا گاڑیوں کے بدلے، دیگر سفری سہولتیں مہیا کی جانی چاہئیں۔

(ج) گاڑیوں اور دیگر سفری سہولتوں کے علاوہ یا ان کے بدلے، سفر کے لئے بھتہ اور یومیہ بھتہ دیا جانا چاہئے۔

جواب (۵) (ج) سفر کے لئے بھتہ اور یومیہ بھتہ دینا انتظامی طور پر زیادہ آسان بھی ہوگا اور گاڑیوں کی بنسبت باکفایت بھی۔

سوال (٦) جواب دینے میں یہ تجویز فرمایئے کہ۔

(۱) کس قسم کی گاڑیاں مہیا کی جائیں۔

(۲) کس قسم کی دیگر سفری سہولتیں مہیا کی جائیں۔

(۳) سفر کے لئے بھتہ اور یومیہ بھتہ، کتنا دیا جائے۔

جواب (٦) (۳) اس کا انحصار علاقے اور فاصلے کی نوعیت پر ہے، یہ بھتہ اتنا ضرور ہونا چاہئے کہ متعلقہ ممبران اپنے اخراجات کے لئے فکر مند نہ ہوں۔

سوال (۷) اس رائے کا بھی اظہار فرمایئے کہ یہ اخراجات، اور گاڑیوں پر روزمرہ کے اخراجات۔

☆ صوبائی حکومتیں اپنے اپنے بجٹوں سے برداشت کریں یا۔

☆ زکوٰۃ فنڈوں پر ڈالے جائیں۔

اگر آپ کے خیال میں یہ اخراجات زکوٰۃ فنڈوں سے کئے جاسکتے ہیں تو اس کی شرعی و فقہی سند بھی دیجئے۔

جواب (۷) فی الحال یہ اخراجات صوبائی حکومتیں اپنے فنڈوں سے برداشت کریں۔

(نوٹ) باقی سوالات کے جوابات نہیں دیئے گئے۔

سوالنامہ (و) کا جواب

(سوال (۵) ان سارے سرکاری اہلکاروں اور تینوں سطحوں کی زکوٰۃ کمیٹیوں کے چیئرمینوں اور ممبروں کی تربیت کے انتظامات کے لئے آپ کیا تجاویز پیش کرتے ہیں؟

جواب (۵) تربیت ناگزیر ہے اس سے زکوٰۃ کے احکام و مسائل سے بھی واقفیت حاصل ہوگی ذمہ داری کا احساس پیدا ہوگا اور سرکاری افسران کو بھی اس نظام کے قومی اور سرکاری ہونے کا احساس ہو جائے گا جس سے اس نظام کو مستحکم کرنے میں مدد ملے گی۔

ضلعی کمیٹیوں کے لئے یہ تربیت سہ روزہ اور سب ڈویژن و مقامی زکوٰۃ کمیٹیوں کے لئے ہفت روزہ ہونی چاہئے، جو سال کے آغاز پر منعقد کی جائے۔

(نوٹ) باقی سوالات کے جوابات نہیں دیئے گئے۔

ان سوالناموں کا جواب جن حضرات علماء کرام کے مشترک غور و فکر اور

متفقہ رائے سے لکھا گیا ہے ان کے اسماء گرامی اور دستخط ذیل ہیں۔

(۱) مفتی رشید احمد صاحب دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

(۲) مفتی ولی حسن صاحب، جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

(۳) مفتی سبحان محمود صاحب شیخ الحدیث دار العلوم کراچی ۱۴

(۴) مفتی محمد رفیع عثمانی (رکن سندھ زکوٰۃ کونسل) مہتمم دار العلوم کراچی ۱۴

(۵) مولانا افتخار احمد صاحب، جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

(۶) مفتی عبد الرؤف صاحب دار العلوم کراچی ۱۴

(۷) مفتی اصغر علی صاحب، دار العلوم کراچی ۱۴

(۸) مولانا عزیز الرحمٰن صاحب (ممبر ڈسٹرکٹ زکوٰۃ و عشر کمیٹی کراچی ایسٹ) واستاذ دار العلوم کراچی ۱۴

(۹) مولانا خالد صاحب۔ دار العلوم کراچی ۱۴

(۱۰) مفتی عبد اللہ صاحب دار العلوم کراچی ۱۴

رہائشی مکان کیلئے جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ

رہائشی مکان کے لئے جمع شدہ رقم پر زکوۃ یا حج کی فرضیت

زکوۃ کی فرضیت کے لئے مال کا ''حاجت اصلیہ'' سے
فارغ ہونے کا مطلب اس موضوع پر محققانہ بحث۔
(منقول از ''البلاغ'' شمارہ شعبان ۱۳۹۵ھ)

استفتاء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

درج ذیل مسئلہ میں رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں

یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک ''زکوۃ'' کی فرضیت کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے ''**فاضل عن الحوائج الاصلیه**''

سوال یہ ہے کہ اگر ایک شخص کی حوائج اصلیہ پوری نہیں ہوئیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص کے پاس کچھ رقم ہے، روٹی کپڑے کی ضرورت تو اس کی پوری ہو رہی ہے، لیکن اس کے پاس اپنی رہائش کے لئے کوئی مکان نہیں (محض ضرورت کا سادہ و معمولی) اس شخص کے پاس جو رقم ہے وہ اس نے اسی مقصد کے لئے جمع کی ہے مثلاً اس نے بیس ہزار روپیہ جمع کر لیا ہے، اور سال گذر گیا ہے تو کیا اس پر زکوۃ فرض ہو گی؟ جب کہ اس کی حوائج اصلیہ پوری نہیں ہوئیں۔

۱- شرح وقایہ کتاب الزکوۃ میں ہے ''**هي لا تجب الا في نصاب**

حولی فاضل عن حاجتہ الاصلیة" اس عبارت پر مولانا عبدالحیؒ لکھنویؒ لکھتے ہیں، "فاذا کان له دراهم مستحقة یصرفها الی تلك الحوائج صارت کالمعدومة کما ان الماء المستحق یصرفه الی العطش کان کالمعدوم جاز عنده التیمّم، کذا فی شرح مجمع البحرین لا بن ملك وهذا الشرط لوجوب الزکاة مجمع علیه. (شرح الوقایه، کتاب الزکاة)" (ص۲٦۷)

۲- ہدایہ میں حاجۃ اصلیہ پر حاشیہ میں اس طرح وضاحت کی ہے۔

والحاجة الاصلیة فی الدراهم ان تکون مشغولة بالدین وفی غیرها احتیاجه الیه فی الاستعمال واحوال المعاش۔

(ہدایہ کتاب الزکاۃ۔ ص۱۸۷)

۳- بدائع الصنائع میں ہے کہ مقروض پر زکوٰۃ نہیں (احناف کے نزدیک) اور اس کے استدلال میں درج ذیل عبارت ہے۔ "ولنا ماروی عن عثمان رضی اللہ عنه انه خطب فی شهر رمضان وقال فی خطبته الا ان شهر زکواتکم قد حضر فمن کان له مال وعلیه دین فلیحسب ماله بما علیه ثم لیزك بقیة ماله وکان بمحضر من الصحابة ولم ینکر علیه احد منهم فکان اجماعاً منهم علی انه لا تجب الزکاة فی القدر المشغول بالدین وبه تبین ان مال المدیون خارج عن عمومات الزکاة ولانه محتاج الیٰ هذا المال حاجة الاصلیة لان قضاء الدین من الحوائج الاصلیة والمال المحتاج الیه حاجة اصلیة لا یکون مال الزکاة لانه لا یتحقق به الغنی (بدائع الصنائع ج ۲ ص ٦)

۴- ردالمحتار میں یہ عبارت ہے (قوله فارغ عن حاجته) قال فی البدائع: قدر الحاجة هو ما ذكره الكرخى فى مختصره فقال: لا باس الخ...... پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ......وهذا لان هذه الاشياء من الحوائج اللازمة التى لا بد للانسان منها...... الخ...... (مکمل عبارت ملاحظہ فرمایئے)۔

۵- پھر حاجات اصلیہ کے بارے میں فقہ الزکاۃ میں ہے۔ "لكن الحاجات الاصلية ما لاغنى للانسان عنه فى بقائه كاكله وملبسه ومشربه ومسكنه وما يعينه علىٰ ذلك"

گرامی محترم۔ میں ان مرقومہ عبارات سے یہ سمجھا ہوں کہ اس مخصوص شخص پر جس کی حوائج اصلیہ پوری نہیں ہوئیں اور مثلاً مکان کی ضرورت پورا کرنے کے لئے اس نے جو (۲۰،۰۰۰) رقم جمع کی ہے اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔ محمد یوسف فاروقی۔ڈی۔۱۹۰، رحمان پورہ لاہور

الجواب

شرح وقایہ کے حاشیہ میں مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ملک کی جو عبارت نقل فرمائی ہے اس کے ظاہر کا تقاضا یہی ہے کہ آپ کے ان بیس ہزار روپے پر زکوٰۃ فرض نہ ہو، ابن ملک کے حوالہ سے یہ عبارت علامہ شامی نے بھی ردالمحتار میں (ص۸ ج۲) نقل کی ہے اور اسے ظاہر عبارات متون کے موافق قرار دیا ہے، لیکن ساتھ ہی اس پر یہ اعتراض کیا ہے، کہ ابن ملک کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حوائج اصلیہ سے فارغ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سونے چاندی کا نصاب حاجات اصلیہ میں صرف کرنے (کے استحقاق) سے فارغ

ہو، لیکن صاحب ہدایہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ سونے چاندی کا نصاب فارغ عن الصرف فی تلک الحوائج ہونا مراد نہیں بلکہ سونے چاندی کے علاوہ دوسرا مال نفس حاجات اصلیہ سے فارغ ہونا مراد ہے، پھر آگے ہدایہ کی وہ عبارت نقل کی ہے "ولیس فی دور السکنیٰ وثیاب البدن واثاث المنزل، ودواب الرکوب وعبید الخدمة و سلاح الاستعمال زکوٰۃ لانھا مشغولة بحاجتہ الاصلیة ولیست بنامیة ایضاً" آگے علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہی بات مصنف (تنویر الابصار) کی آئندہ عبارت سے معلوم ہوتی ہے۔

نیز علامہ شامی نے آگے فرمایا ہے کہ ابن ملک کے قول کے اس قول پر صاحب بحر نے بھی اعتراض کیا ہے جن کی عبارت یہ ہے۔ "ویخالفه ما فی المعراج فی فصل زکوٰۃ العروض ان الزکوٰۃ تجب فی النقد کیفما امسکه للنماء او للنفقة، وکذا فی البدائع فی بحث النماء التقدیری" آگے علامہ شامی فرماتے ہیں "قلت: واقره فی النهر والشرنبلالیة وشرح المقدسی وسیصرح به الشارح ایضاً" و نحوه قوله فی السراج سواء امسکه للتجارة او غیره (کذا قوله فی التتار خانیة: نوی التجارة اولا. ۲: ۲۳۰)

علامہ شامی کی اس بحث سے معلوم ہوا کہ ہدایہ، تنویر الابصار، بحر، المعراج، نہر، شرنبلالیہ، شرح المقدسی، در مختار، السراج اور تتار خانیہ، ان تمام کتب معتبرہ میں سے کسی میں ایسے سونے چاندی کو مقدار نصاب ہو، دین سے خالی ہو مگر حاجات اصلیہ میں خرچ کرنے کے لئے جو رکھا ہوا اور اس پر سال گزر چکا ہو زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں کیا۔ ان میں سے بعض کتب میں تو صراحت ہے کہ اس پر زکوٰۃ

واجب ہوگی (کما نقلہ الشامی فی العبارۃ المذکورۃ) اور بعض کتب مثلاً ہدایہ اور تنویر الابصار میں اگرچہ صراحت نہیں لیکن ان کے کلام کا تقاضا یہی معلوم ہوتا ہے۔ علامہ شامی نے در مختار کی جس آئندہ عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ دو ورق بعد (ص ۱۳ ج ۲ پر) یہ ہے، وتنمیۃ المال کالدراہم والدنانیر لعینہما للتجارۃ باصل الخِلقۃ، فتلزم الزکاۃ کیفما امسکہما ولو للنفقۃ.

خلاصہ یہ کہ متون میں فارغ عن الحاجۃ الاصلیۃ کی جو شرط کسی قید کے بغیر مذکور ہے اس کے اطلاق سے استدلال کرتے ہوئے دراہم کا جو حکم ابن ملک نے بیان کیا ہے اس کی تائید کسی اور فقیہ کی صراحت سے نہیں ہوتی، البتہ علامہ شامی نے علامہ طحطاویؒ کی تائید نقل کی ہے مگر علامہ طحطاویؒ نے بھی ابن ملک کی یہ عبارت ذکر کرنے کے بعد بحر سے اس کے خلاف نقل کیا ہے، اور بحر کا کوئی جواب نہیں دیا (دیکھئے حاشیہ الدر المختار للطحطاوی ص ۳۹۱ ج ۱) لہٰذا یہ کہنا مشکل ہے کہ علامہ طحطاوی نے ابن ملک کے قول پر جزم فرمایا ہے۔ اور فقہاء کرام کی ایک بڑی جماعت اس کی قائل نہیں، لہٰذا ابن ملک کے اس قول پر فتویٰ نہیں دیا جاسکتا، اور در مختار، معراج، بحر، بدائع وغیرہ کی صراحت کے مطابق آپ پر لازم ہے کہ ان بیس ہزار روپے کی زکوٰۃ بھی ادا کریں۔

رہا یہ اشکال کہ جو رقم اپنی رہائش کا مکان بنانے کے لئے جمع کی ہے وہ حاجت اصلیہ میں مشغول ہے اس پر زکوٰۃ واجب کہنا، ''حاجت اصلیہ'' کے قاعدہ سے متصادم ہے، تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اصول فتویٰ میں فقہاء (مثلاً ابن عابدینؒ) نے صراحت کی ہے کہ غیر مجتہد کو کسی قاعدہ کلیہ سے کوئی خاص جزئیہ مستنبط کرکے اس پر عمل کرنا یا فتویٰ دینا جائز نہیں بلکہ لازم ہے کہ اس خاص جزئیہ میں فقہاء کی مستقل صراحت تلاش کرکے اس کے مطابق عمل کرے

اگرچہ وہ جزئیہ بظاہر اس قاعدہ کلیہ سے معارض معلوم ہو۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء کرام کی بیان کردہ جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجت اصلیہ میں مشغول ہونے کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ مال خود حاجت اصلیہ میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً رہائشی مکان، پہننے کے کپڑے، سواری کا جانور گاڑی، گھریلو استعمال کا سامان وغیرہ کہ یہ چیزیں حاجاتِ اصلیہ میں خود یعنی ان کی ذات استعمال ہوتی ہے، برخلاف دراہم ودنانیر کے (روپیہ بھی انہی کے حکم میں ہے) کہ یہ خود یعنی ان کی ذات کسی حاجتِ اصلیہ میں استعمال نہیں ہوتی کیونکہ نہ ان میں رہائش ہوسکتی ہے، نہ انہیں پہنا جاسکتا ہے نہ کھایا پیا جاسکتا ہے، نہ ان پر سواری ہوسکتی ہے، البتہ ان کو خرچ کرکے ان کے عوض ایسی چیزیں ضرور خریدی جاسکتی ہے جو حاجات اصلیہ میں استعمال ہوں۔ پس جب تک یہ چیزیں خرچ نہ ہوں حاجت اصلیہ میں مشغول نہیں لہٰذا ان پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

رہی بدائع الصنائع کی وہ عبارت جو آپ نے (۳) پر ذکر فرمائی ہے وہ قرض اور دین سے متعلق ہے قرض اور دین کے مسئلہ میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں سب کے نزدیک وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے اور جو صورت آپ نے دریافت کی ہے وہ دین سے متعلق نہیں یہی وجہ ہے کہ بدائع الصنائع میں بھی اس پر زکوٰۃ کا واجب ہونا مذکور ہے، (کما مر فی عبارۃ الشامی) اور جو عبارت آپ نے (۴) پر ذکر کی ہے اس کی مراجعت کا موقع نہیں مل سکا، اور عبارت (۵) کے دو جواب اوپر گذر چکے ہیں۔

ابن ملک اور دوسرے فقہاء کرام کے اقوال میں جو اختلاف ہے علامہ شامی نے اس میں تطبیق کی کوشش فرمائی ہے مگر تطبیق کی جو صورت انہوں نے بیان

فرمائی ہے پوری طرح واضح نہیں، نیز اس پر خود ہی کئی اعتراضات بھی کر دیئے ہیں۔ تطبیق کی صورت بیان کر کے فرماتے ہیں کہ "لکن یحتاج الی الفرق بین هذه وبین ماحال الحول علیه وهو محتاج منه الیٰ اداء دین کفارة او نذراو حج فانه محتاج الیه ایضاً لبراء ة ذمته (ای مع انه لم یسقط به الزکوٰة. رفیع) وکذا ما سیاتی فی الحج من انه لو کان له مال ویخاف العزوبة یلزمه الحج به اذا خرج اهل بلده قبل ان یتزوّج. وکذا لو کان یحتاجه الی شراء دار او عبد فلیتامّل. (شامی ص۸ ج۲)

اس میں یہ بھی صراحت ہے کہ کسی بستی کے لوگ جب حج کی لئے روانہ ہوتے ہیں اس وقت اگر اس بستی کے کسی شخص کے پاس بقدر حج مال ہو جو اس کے گھر خریدنے کی حاجت کے لئے رکھا ہو تو اس پر حج فرض ہو جائے گا اس جزئیہ کا بھی تقاضا وہی ہے جو زکوٰۃ کے مسئلہ میں ابن ملک کے علاوہ دوسرے فقہاء نے اختیار کیا ہے اور علامہ شامی نے ان اعتراضات کو ذکر کر کے ان کا کوئی جواب بھی نقل نہیں کیا۔

حاصل کلام یہ کہ ابن ملک اور دوسرے فقہاء کرام کے کے درمیان زکوٰۃ کے اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ابن ملک متفرد ہیں، اور حج، کفارہ اور نذر کے مسائل مذکورہ سے بھی ان کا قول متصادم ہے، لہٰذا ان کے قول پر فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ پس سوال میں جو صورت پوچھی گئی ہے، اس میں ان بیس ہزار روپے پر زکوٰۃ فرض ہے، اگر حج فرض ادا نہیں کیا ہے اور یہ رقم حج کی درخواستیں دینے کے وقت تک خرچ نہ ہوئی تو حج بھی فرض ہو جائے گا۔

واللہ اعلم ۱۰/۶/۱۳۹۵ھ

تصانیف

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

چند تصانیف

۱۔ نوادر الفقہ (کامل ۲ جلد)

۲۔ احکامِ زکوٰۃ

۳۔ حیاتِ مفتی اعظم

۴۔ درسِ مسلم

۵۔ دینی جماعتیں اور موجودہ سیاست

۶۔ رفیقِ حج

۷۔ علاماتِ قیامت اور نزولِ مسیح

۸۔ علم الصیغہ مع اردو تشریحات

۹۔ عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت

۱۰۔ فقہ اور تصوّف ایک تعارف

۱۱۔ فقہ میں اجماع کا مقام

۱۲۔ کتابتِ حدیث
عہدِ رسالت وعہدِ صحابہ میں

۱۳۔ میرے مرشد حضرت عارفی

۱۴۔ یورپ کے تین معاشی نظام

۱۵۔ ضابط المفطرات فی
مجال التداوی (عربی)

۱۶۔ شرح عقود رسم المفتی (عربی)

۱۷ مکانته الاجماع
وحجية (عربی)

چند اصلاحی تقریریں

۱۔ دوسرا جہاد افغانستان
اور ہمارے فرائض

۲۔ اللہ کا ذکر

۳۔ ایٹمی دھماکہ اور خود انحصاری

۴۔ جنّت کا آسان راستہ

۵۔ جہادِ کشمیر اور ہماری ذمہ داری

۶۔ چند ثواب کے کام

۷۔ حُبِ جاہ ایک باطنی بیماری

۸۔ خدمتِ خلق

۹۔ دینی مدارس اور نفاذِ شریعت

۱۰۔ دینی تعلیم اور عصبیّت

۱۱۔ طلبائے دین سے فکر انگیز خطاب

۱۲۔ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
اور اس کے تقاضے

۱۳۔ دوقومی نظریہ

۱۴۔ مستحب کام اور ان کی اہمیت

۱۵۔ مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچاؤ